حنا
www.pklibrary.com
فروری 2024

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

حمد — مظفر بخاری — 7

نعت — مظفر بخاری — 7

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں — 8

انشاء نامہ

پھر تیرا خط آیا — ابن انشاء — 13

انٹرویو

سبز رُتوں کی پہلی کرن — فوزیہ شفیق — 15

مکمل ناول

گماں سے یقین تک — شفق افتخار — 30

مقدس — راحیلہ ناز — 176

افسانے

رشتوں کی ڈور — مسکان نور — 75

صراطِ مستقیم — صبغہ احمد — 121

خوب سیرت — عائزہ احمد — 132

تجدید محبت — سباس گل — 155

تم سے ملنے تھے ستارے — فصیحہ آصف — 165

سلسبیل — نایاب جیلانی — 140

عاشقتم — قرۃ العین رائے — 80

یارِ من — بشریٰ سیال — 104

حاصل مطالعہ — تحریم محمود 211

بیاض — تسنیم طاہر 213

حنا کی محفل — عین غین 215

رنگ حنا — بلقیس بھٹی 217

میری ڈائری سے — آمنہ عبداللہ 219

حنا کا دستر خوان — افراح طارق 221

کس قیامت کے یہ نامے — فوزیہ شفیق 224

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! فروری 2024ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

یوں تو ہر رُت کا اپنا حسن ہے، ہر موسم کی ایک خوشبو ہے لیکن سرما کی دُھند میں لپٹی صبحوں، سرگیں شاموں اور یخ بستہ راتوں کی بات ہی الگ ہے۔ سرما کی طویل راتوں میں جب چاروں اور سناٹا ہو اور ایک اچھی کتاب ہو تو تنہائی باتیں کرتی ہے۔

لیکن وقت اور موسم کو ثبات کہاں۔ موسم آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہر عہد کے ساتھ سچائیں بھی بدلتی ہیں اور موسموں کے مزاج بھی۔ شاید زندگی کا حسن ہی تنوع میں ہے۔ ہر لمحہ اپنے ساتھ ایک نیا منظر نامہ سامنے لاتا ہے۔ اس تغیر و تبدل کو دیکھ کر دل کہتا ہے شاید ترتیب وقت میں کوئی ایسی گھڑی بھی ہو جب زندگی اپنے پورے رنگوں کے ساتھ مسکرائے۔ جب زندگی کسی کے لیے بارگراں نہ ہو۔

بدل تو بہت کچھ سکتا ہے۔ لیکن لگن اور جستجو بھی ہو۔ منزلیں صرف ان کو ملتی ہیں جو سفر کی کٹھنائیاں جھیلنے کا عزم رکھتے ہیں، جو سر اُٹھا کر جینا چاہتے ہیں۔

- 5 فروری کشمیریوں کے ساتھ اظہارِ یک جہتی کا دن، کشمیر پاکستان کا حصہ ہے۔ بھارتی فوج کے تمام تر مظالم کے باوجود کشمیری آج بھی آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ ان کے دل آج بھی پاکستان کے لیے دھڑکتے ہیں۔ کشمیریوں پر بھارتی فوج جو مظالم ڈھا رہی ہے، اس کا علم پوری دُنیا کو ہے لیکن افسوس عالمی مبصرین ان مظالم پر خاموش ہے۔ انسانی حقوق اور روشن خیالی کے علم برداروں کی یہ خاموشی ناقابل فہم ہے۔

بہ زورِ طاقت کشمیر آزاد کرانا ہمارے اختیار میں نہیں لیکن ہم ان مظلوم کشمیریوں کے لیے دُعا ضرور کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں آزادی کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین

اس شمارے میں: شفق افتخار اور راحیلہ ناز کے مکمل ناول، قرۃ العین رائے اور بشریٰ سیال کے ناولٹ، مسکان نور، صبغہ احمد، عائزہ احمد، فصیحہ آصف اور سباس گل کے افسانے، نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آراء کا منتظر

سردار طاہر محمود

شب کو ظلمت میں ڈھالنے والے
دن کو سورج نکالنے والے

زندگی میں بھٹک نہیں سکتے
تیرا دامن سنبھالنے والے

تو یہ مالک ہے ، تو ہی رازق ہے
ساری دنیا کو پالنے والے

رنج و غم سے نجات دے ہم کو
ہر مصیبت کو ٹالنے والے

تیرہ بختی کو روشنی دے دے
ہر سحر کو اجالنے والے

ہر ظلمات سے رہائی دے
رات سے دن نکالنے والے

[illegible] مضطر تری پناہ میں ہے
[illegible] کسوں کو سنبھالنے والے

مضطر بخاری

مرا قلم ہے کہاں ، آپؐ کا خیال کہاں
لکھوں میں آپؐ کے بارے میری مجال کہاں

حضورؐ آپ سے پہلے جو آئے دھرتی پر
نبی تو سب تھے مگر آپؐ کی مثال کہاں

سوال کتنا بھی مشکل ہو خیر ملتی ہے
در حضورؐ پہ مشکل کوئی سوال کہاں

بلندیوں سے گرائے گا کون دنیا میں
غلام ہیں جو نبیؐ کے انہیں زوال کہاں

فلک کی وسعت قلبی سے پوچھنا ہے ابھی
ترا وجود کہاں ، آمنہ کا لعل کہاں

پلک جھپکنے سے پہلے ملے خدا سے نبیؐ
مقام مکہؐ کہاں دعوت وصال کہاں

قرآن لکھا گیا جن کی شان میں مضطر
میں شان ان کی لکھوں میری یہ مجال کہاں

مضطر بخاری

پیارے نبی کی پیاری باتیں

ادارہ

یتیم لڑکیوں سے حسن سلوک

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص دو لڑکیوں کو پالے ان کے جوان ہونے تک، تو قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح سے آئیں گے۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ملایا (یعنی قیامت کے دن میرا اس کا ساتھ ہوگا، مسلمان کو چاہیے کہ اگر خود اس کی لڑکیاں ہوں تو خیر ورنہ دو یتیم لڑکیوں کو پالے اور جوان ہونے پر ان کا نکاح کردے تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ اس کو نصیب ہو۔) (مسلم)

جہاد

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا۔

''میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرتا ہوں اور اللہ سے اس کا ثواب چاہتا ہوں''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟''

وہ بولا کہ۔

''دونوں زندہ ہیں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''تو اللہ سے ثواب چاہتا ہے؟''

وہ بولا۔

''ہاں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تو اپنے والدین کے پاس لوٹ جاؤ اور ان سے نیک سلوک کر۔'' (مسلم)

باپ کے دوستوں سے اچھا سلوک

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ مکہ کو جاتے تو اپنے ساتھ ایک گدھا تفریح کے لئے رکھتے اور جب اونٹ کی سواری سے تھک جاتے تو اس پر چڑھتے اور ایک عمامہ رکھتے جو سر میں باندھتے، ایک دن وہ گدھے پر جا رہے تھے کہ اتنے میں ایک اعرابی نکلا، سیدنا عبداللہ نے کہا۔

''تو فلاں کا بیٹا ہے فلاں کا پوتا؟'' وہ بولا۔

''ہاں۔''

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کو گدھا دے دیا اور کہا کہ۔

''اس پر چڑھ'' اور عمامہ بھی دے دیا اور کہا کہ ''اپنے سر پر باندھ'' سیدنا عبداللہ کے بعض ساتھی بولے۔

''تم نے اپنی تفریح کا گدھا دے دیا اور عمامہ بھی دے دیا جو اپنے سر پر باندھتے تھے اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے۔''

انہوں نے کہا۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے مرجانے کے بعد اس کے دوستوں سے (اچھا) سلوک کرے۔" اور اس دیہاتی کا باپ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دوست تھا۔ (مسلم)

کالے رنگ کا کمبل پہننا

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صبح کو نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کالے بالوں کا ایک کمبل اوڑھے ہوئے تھے جس پر پالان کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ (صحیح مسلم)

ضروری بستر بنا کر رکھنے کے متعلق

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

"ایک بستر آدمی کے لئے چاہیے اور ایک اس کی بیوی کے لئے اور ایک بستر مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کا ہوگا۔" (یعنی جو لوگوں کو دکھانے اور اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے بنایا جائے) (صحیح مسلم)

اچھا گمان رکھنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث قدسی میں اپنے رب کا یہ ارشاد مبارک نقل فرماتے ہیں۔

"میں اپنے بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جس وقت وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔" (مسلم)

بلند مرتبہ کی چیز

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی چیز نہیں ہے۔" (ترمذی)

خوشحالی میں دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جو شخص یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ سختیوں اور بے چینیوں کے وقت اس کی دعا قبول فرمائے، اسے چاہیے کہ وہ خوشحالی کے زمانے میں زیادہ دعا کیا کرے۔" (ترمذی)

جلد بازی کی ممانعت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"بندہ جب تک گناہ اور قطع رحمی کی دعا نہ کرے، اس کی دعا قبول ہوتی رہتی ہے بشرطیکہ وہ جلد بازی نہ کرے۔" پوچھا گیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جلد بازی کا کیا مطلب ہے؟" ارشاد فرمایا۔

"بندہ کہتا ہے میں نے دعا کی پھر دعا کی لیکن مجھے تو قبول ہوتی نظر نہیں آتی، پھر اکتا کر دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے۔" (مسلم)

دعا میں نگاہ اٹھانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''لوگ نماز میں دعا کے وقت اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آجائیں ورنہ ان کی بینائی اچک لی جائے گی۔'' (مسلم)

نماز میں دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے خاص طور پر اس وجہ سے منع کیا گیا ہے کہ دعا کے وقت نگاہ آسمان کی طرف اٹھ ہی جاتی ہے۔ (فتح الملھم)

غیر ضروری تفصیل سے بچنا

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں دعا میں یوں کہہ رہا تھا۔

''اے اللہ! میں تجھ سے جنت اور اس کی نعمتوں اور اس کی بہاروں اور فلاں فلاں چیزوں کا سوال کرتا ہوں اور میں جہنم سے اور اس کی زنجیروں، ہتھکڑیوں اور فلاں فلاں قسم کے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔'' میرے والد سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سنا تو ارشاد فرمایا۔

''میرے پیارے بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

''عنقریب ایسے لوگ ہوں گے جو دعا میں مبالغہ سے کام لیا کریں گے۔'' تم ان لوگوں میں شامل ہونے سے بچو، اگر تمہیں جنت مل گئی تو جنت کی ساری نعمتیں مل جائیں گی اور اگر تمہیں جہنم سے نجات مل گئی تو جہنم کی تمام تکلیفوں سے نجات مل جائے گی۔'' (لہٰذا دعا میں اس تفصیل کی ضرورت نہیں، بلکہ جنت کی طلب اور دوزخ سے پناہ مانگنا کافی ہے۔) (ابوداؤد)

قبولیت کی گھڑی

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

''ہر رات میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ مسلمان بندہ اس میں دنیا و آخرت کی جو خیر مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرماتا ہے۔'' (مسلم)

رات کا آخری حصہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے ''کون ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے، میں اس کو عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے میں اس کی مغفرت کروں؟'' (بخاری)

بار بار کہو

حضرت ربیعہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

''دعا میں یا ذالجلال والاکرام کے ذریعہ اصرار کرو یعنی اس لفظ کو دعا میں بار بار کہو۔'' (مستدرک حاکم)

بیادِ انشاء

ابنِ انشاء

شام حسرتوں کی شام

رات تھی جدائی کی

صبح صبح ہرکارہ

ڈاک سے ہوائی کی

نامۂ وفا لایا

پھر تمہارا خط آیا

پھر کبھی نہ آؤ گی

موجۂ صبا ہو تم

سب کو بھول جاؤ گی

سخت بے وفا ہو تم

دشمنوں نے فرمایا

دوستوں نے سمجھایا

پھر تمہارا خط آیا

ہم لو جان بیٹھے تھے

ہم تو مان بیٹھے تھے

تیری طلعت ریبا

تیرا دید کا وعدہ

تیری زلف کی خوشبو

دشت دور کے آہو

سب فریب سب مایا

پھر تمہارا خط آیا

ساتویں سمندر کے

ساحلوں سے کیوں تم نے

پھر مجھے صدا دی ہے

دعوت وفا دی ہے

تیرے عشق میں جانی

اور ہم نے کیا پایا

درد کی دوا پائی

درد لا دوا پایا

کیوں تمہارا خط آیا

☆☆☆

سبز رتوں کی پہلی کرن

فوزیہ شفیق

سالگرہ نمبر اور سال نو کے حوالے سے کچھ سوالات مصنفین سے کیے گئے جن کے جوابات انتہائی دلچسپ انداز میں ملے۔ آیئے آپ اور ہم مل کر دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے خیالات کے موتی کس طرح بکھیر رہی ہیں۔

سوالات

1- وقت انسان کو کچھ نہ کچھ سکھا کر جاتا ہے، آپ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں تو اپنے دامن میں کیا پاتے ہیں؟ کوئی تجربہ، کوئی احساس یا کوئی سبق جو زندگی کے گزرتے سالوں نے آپ کو دیا ہو؟

2- 2023ء کے آغاز پر آپ نے اپنے آپ سے کچھ عہد و پیماں کیے ہوں گے، کچھ کرنے کے ارادے باندھے ہوں گے، اب جب سال کا اختتام ہے آپ اپنے ارادوں میں کتنے کامیاب رہے۔ قارئین کو بتایئے۔

3- نئے سال کو لے کر آپ کا کوئی ارادہ یا پلان؟

4- کوئی خوش کن احساس، میٹھا جملہ، محبت بھری نظر یا کوئی تحسین آمیز بات جس سے دل کو بے اختیار خوشی حاصل ہوئی ہو۔

5- کوئی واقعہ یا کردار جس پر لکھنے کی خواہش کے باوجود نہ لکھ پائیں ہوں؟

سمیرا سرفراز — کراچی

(۱) میں نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا نقصان اُٹھا کر جانا کہ اپنی زندگی کے فیصلے خود لیں۔ غیر ضروری لوگوں سے ملنا چھوڑ دیں، اپنے فرائض پورے کریں۔ مگر اپنی عزت نفس کی قیمت پر خود کو بے مول مت کریں۔ اللہ کے سوا کسی پر توکل نہ کریں۔

(۲) یہ سال بہت سالوں بعد بہت اچھا رہا۔ الحمدللہ جو بھی ارادہ کیا اللہ کی رضا سے تکمیل تک پہنچا۔ یہ سال میری تشکیل نو کا سال تھا۔

(۳) اللہ رب العزت ہمارے علم و عمل میں اضافہ فرمائیں۔ بس یہی دعا ہے اور یہی ارادہ۔

(۴) ایک تعریف جو میرے قارئین ہمیشہ کرتے ہیں کہ آپ کے کردار ماورائی نہیں ہوتے۔ ان کا حقیقت میں ملنا ناممکن نہیں لگتا۔

(۵) ”سمن تم میری کہانی لکھو گی؟ میں تمہیں سب لکھ کر دوں گی تم بس اس کی کہانی بنا دینا“ امی کے یہ الفاظ آج بھی میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔ وہ بھی تب جب وہ اس کی خواہش لیے منوں مٹی تلے جا سوئیں اور میں کبھی ان کے لیے کچھ نہیں لکھ سکی۔ ہمت ہی نہیں ہوتی۔

سباس گل — رحیم یار خان

سب سے پہلے تو فوزیہ آپی آپ کو ”حنا“ کے تمام عزیز مدیران کو قاری اور لکھاری بہنوں کو

ہو۔ ہماری دعا ہے کہ سن 2024ء آپ کے ہمارے، ہم سب کے لیے خوشی، خوشحالی، امن، سکون لائے اور وطن عزیز میں سیاسی اور معاشی استحکام صاف شفاف انتخابات کے ذریعے پیدا ہو۔ آمین ثم آمین

(۱) فوزیہ آپی! زندگی تو تلخ تجربات، تکلیف دہ احساسات اور ناقابل بیان اسباق کا مجموعہ ہے۔ کہاں تک پڑھیں گی؟ کہاں تک لکھیں ہم؟ تجربات کا سب سے بڑا سبق تو یہ ہے کہ لوگ صرف اپنے سگے ہیں۔ اپنے فائدے اور خوشی کے لیے آپ کو بڑے حیلے بہانوں سے اور چالوں سے استعمال کیے جاتے ہیں۔ آپ کے خلوص کا جائز و ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ آپ کے احساسات کو ٹھیس پہنچاتے ہیں اور یہ سبق دے جاتے ہیں کہ بھروسہ، اعتبار، پیار، خلوص اور ہمدردی فی زمانہ سب سے زیادہ استعمال کرنے روندے جانے والے جذبات ہیں۔ بدلے میں آپ کو صرف دکھ، آنسو، اذیت اور پریشانی ہی دیں گے۔ لہٰذا ہر کسی کے ساتھ زیادہ اچھا اور سچا بننے سے گریز کریں، نہ ہی اپنے لیے کسی اپنے پرائے سے اچھائی،، خلوص و محبت کی توقع رکھیں۔ بلکہ ہر شخص کے منفی رویے اور عمل کے لیے ہمیشہ تیار رہیں۔ اس طرح آپ کو دکھ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب آپ کسی سے کوئی توقع نہیں رکھتے، آس نہیں لگاتے تو وہ کچھ کہے یا کرے آپ کی ذات کو اُس کی پروا نہیں ہوتی۔ کوئی فرق نہیں پڑتا اور آپ مزید کوئی تلخ سبق سیکھنے سے بچے رہتے ہیں۔

(۲) وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا
انڈے پہ ہاتھی کھڑا ہو گیا (ہاہاہا)
عہد خود سے بہت کیے تھے مگر وقت،

کچھ ادھوری کہانیاں تھیں میری جنہیں چاہا تھا مکمل کر لوں، نہ ہوئیں۔ کچھ ارادے فقط ارادے رہے۔
شاید کن کی کمی رہی ہوگی۔

جو عہد و پیاں ہوئے نہ ہوں پورے
ہم نشیں! ان پہ بات کیا کرنی
دل اُداسی میں گھر سا جائے گا
اس سحر کی یوں رات کیا کرنی؟

(۳) نئے برس میں گئے برس کے ادھورے خوابوں اور نامکمل کاموں کو مکمل کرنے کا پلان اور ارادہ ہے۔ آگے جو اللہ کی مرضی۔

(۴) ہائے ہائے محبت بھری نظر کا تو نہیں پتا۔ البتہ دوستانہ خلوص میں لپٹا ڈائجسٹ اینڈ ڈرامہ رائٹر مصباح نوشین کا جملہ یاد ہے ''آپ تو جگر ہیں ڈارلنگ''
سابقہ رائٹر موجودہ ڈاکٹر نوشین ناز جی کے محبت بھرے جملے جو ہمارے پاس محفوظ ہیں۔
''آپ تو میری وہ Loyal فرینڈ ہیں کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔''
''آپ تو خود ہی چلتی پھرتی بے لوث محبت کی تصویر ہو۔''
"You really very precious to me"
شاعرہ رضوانہ بتول کے بارہا کہے گئے جملے
''میری گل آپی! دنیا کی سب سے اچھی سب سے پیاری آپی ہیں۔ لو یو آپی جان، اللہ آپ کو ڈھیروں خوشیاں دے۔ آمین

(۵) واقعہ کربلا پر لکھنے کی خواہش بہت پرانی ہے۔ مگر چاہ کر بھی اس پر کوئی ناول یا افسانہ نہیں لکھ پائے۔ البتہ سلام اور نوحہ ضرور لکھا ہے۔ کردار بھی ہے گزشتہ سولہ برس میں اس کی کہانی کے تانے بانے بنے۔ مگر کہانی لکھنے کا آغاز نہ کر

سکے۔ عجیب کردار تھا وہ بھی کبھی سچا، اچھا اور انوکھا لگتا تھا۔ تو کبھی جھوٹا ڈرامہ اور دنیا سے ماورا لگتا تھا۔ کبھی عجیب کبھی حبیب۔ کبھی غریب اور کبھی حسن و محبت اور خلوص و پیار کا پیکر دِکھتا تھا۔ ایسا کردار تھا جو خود کہتا تھا مجھے لکھو۔ میرے بارے میں لکھو۔ پتا نہیں کب کیسے مٹ گیا؟ کاتب تقدیر ہی اسے پھر سے لکھے شاید"

فصیحہ آصف خان ملتان

اسلام علیکم سروے کے جواب حاضر خدمت ہیں۔

(۱) وقت گزر جاتا ہے ماضی کا حصہ بن جاتا ھے، بھت ساری تلخ و شیریں یادیں چھوڑ جاتا ھے، بے شمار پیارے بچھڑ گئے، اس برس مھنگائی کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے حساس دل غریب اور غربت کو دیکھ کر بے حد دکھی ہوا، اور ہو رہا ہے۔ گزرے سال یہی موضوع ہر خاص و عام کے زیر بحث رہا کہ بچت نہیں ہو رہی، تجربہ سے بھی یہی ثابت ھوا، حالات دگر گوں ھیں بلوں نے مت ماردی ھے۔ ایسے میں سکون کے لمحات کیسے میسر آسکتے ھیں،

اب نئے سال میں دعا ھے کہ ایک بار ملی زندگی چین و راحت سے گزر جائے آمین،

(۲) ھم کیا اور ھمارے ارادے کیا؟

سب سے بڑا پلانر تو اللہ ھے کوشش کی کہ اچھے کام کریں گے نیکیاں کمائیں گے، اور بہت سارا لکھوں گی، مگرنا کام رہی۔

میرا تحریری مواد شاعری اور نثر کا ماشاءاللہ کافی سارا ھے دو، تین کتابیں چھپ سکتی ہیں

مگر یہ خواہش یا ارادہ کہیں کامیابی نہیں ملی، وجوہات بہت ہیں چلیں جانے دیں۔ اللہ مالک ھے،

(۳) 2024۔ میں آرزو ھے کہ ایک بار پھر اللہ کا گھر دیکھوں، دیار نبی کی مٹی چوموں، جس قدر ممکن ھو ضرورت مندوں کے کام آوں، انشاءاللہ،

(۴) بالکل یہ لمحات کئی بار آئے۔

میری بہت اچھی عزیزہ رشیدہ سلیم بخاری، جب مدھر لہجے میں دعائیں دیتے ھوئے کہتی ہیں کہ فصیحہ تم بہت اچھی ھو تو ان کی مٹھاس بھری آواز سکون کی طرح دل میں اتر جاتی ہے۔

(۵) اس سوال کا جواب بہت مشکل لگا۔

ایک ناول کافی عرصہ سے شروع کر رکھا ہے، جو باوجود کوشش کے۔ مکمل نہیں ہو رہا

اس کی پوری کہانی، تھیم، کردار سب میرے سامنے ہیں۔ مگر جانے کیوں قلم تھم جاتا ھے اس سال خود سے یہ وعدہ ہے کہ اسے لازمی مکمل کر کے حنا میں ہی بھجواوں گی۔ انشاءاللہ

زندگی بخیر، بہنو،

دعاؤں میں شامل رکھیئے گا،

اللہ آپ سب کو صحت مند رکھے اور جملہ مسائل حل فرمائے آمین،

کیسی ہیں آپ؟ امید ہے بخیریت ہوں گی فوزیہ آپی سب سے پہلے تو ماہنامہ، حنا، اور آپی فوزیہ کی خصوصی شفقت کہ آپ نے مجھ ناچیز کو سال نو کے سروے کے لیے یاد رکھا ہے۔

(۱) وقت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ زندگی کے اختتام تک اپنی اہمیت جتاتا نظر آتا ہے جس سے وقت گزرنے کے ساتھ زندگی کے تجربات و سبق میں سیر حاصل اضافہ ہی ہوتا نظر آتا ہے جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو زندگی کے تجربات و مشاہدات میں طفل مکتب ہوں سفر زیست میں جو سب سے انمول سرمایہ کھو یا وہ میری اماں جی کا

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اماں جی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام دے آمین ثم آمین

(۲) جب نیا سال شروع ہوتا ہے تو ایک موہوم سی امید دل کے نہاں خانوں میں ڈیرا ڈال لیتی ہے کہ پچھلے سال کے رکے کام اس سال انجام پذیر ہوں گے لیکن وقت گزرتے احساس نہیں ہوتا اور سال اختتام کی طرف گامزن ہوتا چلا جاتا ہے خود سے باندھے ہوئے ارادے جوں کے توں ہماری طرف تکتے رہتے ہیں

(۳) ہاں جی نئے سال کو لیکر کافی زیادہ اکسائیٹڈ ہوں کہ پہلا کام انشاء اللہ الیکشن ہیں پیارے ملک کے دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے مخلص لیڈر کو کامیابی سے ہم کنار کریں آمین ثم آمین مخلص کون؟ بھئی عمران خان کے علاوہ کون ہے؟ ذاتی طور پر چاہوں گی میری رکی ہوئی تحریریں سانس لیں چلتی پھرتی نظر آئیں کامیابی اللہ تعالیٰ دے گا انشاءاللہ

(۴) ایسی خوش کن بات جملے اکثر و بیشتر سننے کو مل جاتے ہیں اہم اہم

(۵) ابھی تو پاؤں پاؤں اس میدان میں چلنا شروع کیا ہے ابھی بہت کچھ لکھنا چاہتی ہوں آدھی ادھوری تحریریں مکمل کرنا چاہتی ہوں۔۔

آخر میں ایک بار پھر فوزیہ آپی کا خصوصی شکریہ ادارہ ماہنامہ، حنا، کا مجھے اپنی خوشیوں میں شریک ہونے کا اعزاز بخشا، حنا، کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔۔۔

دعا ہے ماہنامہ، حنا، اپنی روشنی سے قارئین کو منور کرتا رہے آمین ثم آمین اتنا وقت گزرنے کے باوجود بھی ماہنامہ، حنا، آج بھی قاری کو اپنی گرفت میں لے ہوئے ہے اس کی وجہ ادارہ سردار طاہر صاحب فوزیہ شفیق کی خصوصی توجہ و

ہے جو سب، حنا، کے ساتھ کو اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہیں۔

(۱) وقت بہت بے رحم شے ہے ہر گزرتا لمحہ کچھ نہ کچھ سکھا کر جاتا ہے میں نے گزرتے وقت سے بہت کچھ سیکھا ہے کبھی کسی پر اعتبار نہ کرو ہمیشہ آپ کے اپنے ہی اعتبار کا گلہ گھونٹتے ہیں اتنا بے اعتبار کر دیتے ہیں کہ کبھی زندگی میں کسی پر بھروسہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے دوسرا کسی سے نیکی کرو تو اس کے شر سے ڈرو سب سے پہلے وہ ہی پیٹھ میں چھرا گھونپتے ہیں۔ پیچھے مڑ کر دیکھیں تو اذیت کے سیاہ ناگ ڈستے ہیں ان حالات سے یہی سبق ملا اور تجربہ ہوا ہے کسی پر اعتبار نہ کرو۔

(۲) جو عہد و پیاں کیے اس میں کامیابی بھی ہوئی لیکن حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ سب عہد و پیاں دھرے کے دھرے رہ گئے۔

(۳) جی بالکل اللہ تعالیٰ مجھے اپنے در پر بلا لے اس کی بخشی ہوئی نئی زندگی کا شکر ادا اس کے در پر سجدہ کر کے کرنا چاہتی ہوں ۔۔۔ان شاءاللہ

(۴) بہت سے ہیں بس اللہ پاک سلامت رکھے آمین

(۵) جی ایسے بہت سے واقعے اور کردار ہیں جن میں نہیں لکھ پائی ۔نئے سال میں اس پر لکھوں گی ان شاءاللہ

آخر فوزیہ آپ کے اور حنا کی ٹیم کے لیے بہت سی دعائیں اللہ کریم سب کے آسانیاں عطا فرمائے۔آمین

فضہ ہاشمی — عارف والا

(۱) وقت انسان کو بہت کچھ سکھاتا ہے اور سب سے بڑا سبق یہ کہ مخلصی بہت بڑا جرم ہے۔

بالخصوص غیروں سے۔ [illegible]

ہے۔ خلوص صرف ان لوگوں سے فائدہ دیتے ہیں جو اپنے خالص اور قدرتی رشتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ آپ کا کبھی بھی نقصان نہ ہو۔ مگر افسوس ہم ان کے کڑوے لہجوں اور تلخی نوک زبان کو سمجھ نہیں پاتے۔

برے تجربے ضروری نہیں کہ ہمیں اپنوں کے ساتھ ہی ہوں۔ بعض اوقات ہمیں برے تجربے ان لوگوں سے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ ہمارے ساتھ ایسا کبھی کر ہی نہیں سکتے۔

پھر جب ہماری توقعات ٹوٹتی ہیں تو دل میں رنج کا نہ ختم ہونے والا احساس جاگزیں رہتا ہے جو پل پل ہمیں درد کا احساس بخشتا ہے۔ بلکہ آہستہ آہستہ آپ کو کھوکھلا کرتا چلا جاتا ہے۔ یوں ہماری مخلصی کا مذاق اُڑایا جاتا ہے اور ہم چاہنے کے باوجود بھی اپنے اندر پکتے آتش فشاں کو لاوے کی طرح باہر نہیں نکلنے دیتے۔ بہرحال جو سبق ہمیں تجربے کی بنیاد پر حاصل ہوتا ہے وہ ہم زندگی بھر بھلا نہیں پاتے۔

(۲) میں اپنے آپ سے کبھی وعدہ نہیں کرتی۔ کیونکہ میرے ساتھ جو ہوتا ہے وہ سب اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ کیونکہ میری آج تک کوئی بھی ایسی خواہش پوری نہیں ہوئی کہ جو چاہوں وہ ابھی ہو جائے۔ میرے ساتھ جو بھی ہوتا ہے وہ خالصتاً اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔ کیونکہ ابن آدم سے بہتر اللہ کی مرضی ہے۔ ویسے بھی حضرت علی کا قول ہے کہ میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اللہ کو پہچانا۔ اس لیے میں اللہ کی مرضی میں خوش رہنے کو ترجیح دیتی ہوں۔

(۲) 2023ء میرے لیے اس لحاظ سے بہت یادگار گزرا ہے کہ اس سال میں نے [illegible] زیارت کربلائے معلیٰ کی ہے۔ یقین جانیے جب میں حرم امام حسینؑ میں گئی تو یوں لگ رہا تھا جیسے میں جنت میں آ گئی ہوں۔ یقین نہیں ہوتا تھا کہ مجھ جیسی گناہگار بندی حرم امام حسینؑ میں کھڑی ہے۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اک جھڑی تھی جو آنسو بن کر گوشہ چشم سے پھوٹ رہی تھی۔ پھر نجف اشرف میں حضرت علیؑ کے مرقد پہ حاضری تھی۔ اس کے علاوہ مسجد کوفہ جہاں حضرت علیؑ کو ضرب لگائی گئی تھی۔ اب تک کیفیت خواب میں ہوں۔ یوں لگتا ہے جیسے ہی آنکھ کھلی خواب ٹوٹ جائے گا۔

لیکن چونکہ میں قبیل نوع انساں سے تعلق رکھتی ہوں اس لیے اس شعر کا مصداق ہوں:

ع ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

(۳) نئے سال کے کچھ خاص پلان نہیں ہیں، بس یہی کہ مجھ سے متعلق ہر رشتہ خوش رہے۔ ترقی کرے، خوش حال رہے۔ ملک پاکستان ترقی کرے سب کے لیے نئے راستے بن جائیں۔ کوئی غم کا بادل ان کی زندگی میں نہ آئے۔ دوستوں میں ضروری لوگ جو شامل ہیں ان میں میرے اساتذہ، بہن بھائی فوزیہ شفیق حنا اور ہر بندہ شامل ہے جو مجھ سے Related ہے۔

(۴) کوئی خوش کن احساس میٹھا جملہ محبت بھری بات جو باعث خوشی ہو۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے سوائے ملائکہ اور حسن کی شرارتوں، نیناں اور حنا کی نوک جھونک نے ہمارے گھر میں رونق لگائی ہوئی ہے۔

زندگی میں اس مقام پر آ چکے ہیں جہاں ذمہ داریاں نبھانی ہیں۔ وہ بھی فرض عین سمجھتے ہوئے۔ ایسے میں جب میری مما مجھے شاباش دیتی ہیں تو وہ میرے لیے ہفت اقلیم سے بڑھ کر

ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے دن بھر کی تھکن اڑن چھو ہو گئی ہو۔

(۵) آخری سوال تو میرے سلگتے زخموں پہ نمک ہی چھڑکا گیا ہے۔ اس لیے مجھے در پردہ اپنی دوست سے بھی شکایت ہے جن کی ڈھیر ساری مصروفیت میرے ایک اچھی رائٹر بننے کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ سمجھ تو آپ گئے ہی ہیں۔ (بہت معذرت فضہ)

ہر حال حساب دوستاں در دل ہوتا ہے۔ جن سے بہت زیادہ شکوہ ہے پر کردار میرے پاس ڈھیر سارے ہیں جن پہ مجھے لگتا ہے کہ دل کھول کے لکھنا چاہیے لیکن وقت کی کمی حد سے زیادہ مصروفیت اور اس کے ساتھ ساتھ شکوے والی بات ہے کہ میری تحریر فوزیہ کی نظر کرم کی محتاج بن کے رہ گئی ہے۔

مگر ان ڈھیر سارے کرداروں میں فقط دو کرداروں پہ لکھنا چاہتی ہوں۔ ایک ایسا کردار جو انتہائی سنجیدہ قسم کا ہو یعنی جو اپنی خوبیوں خامیوں کا مرقع ہو اور دوسرا ایک ایسا کردار جو انتہائی صبر والا جو ہمیں سکھائے کہ حد صبر پے انسان کے ساتھ کیا ہوتا ہے اور یہ دونوں کردار میرے ساتھ Related ہیں۔

ریما نور رضوان — کراچی

(۱) بے شک وقت ہمیشہ سیکھا کر جاتا ہے ہم گر وقت کو سنجیدگی کے ساتھ گزاریں تو ہمیں سکھ ملتا ہے۔ وقت کا کام گزرنا ہے وہ تیز رفتاری سے گزر رہا ہے ہم پہ ڈیپنڈ کرتا ہے کہ ہم اس گزرتے وقت ولمحات پر غور وفکر کر کے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ تجربات سے سیکھا کہ جتنی مرضی اپنے سے وابستہ رشتوں یا لوگوں کو اہمیت دو انھوں نے اپنے مفاد کے بعد آپ سے لاتعلقی اختیار کر لینی ہے۔ یا آپ کی اچھائی اور نیکی کا صلہ ... آزاری کی صورت یا غلط بیانی سے دینا ہے۔ سبق یہ ملا کہ ہمیں ساری کوشش دنیا کو ایکسکیوزمی کرنے میں وقف نہیں کرنی چاہیے بلکہ علم دین حاصل کرنا چاہیے۔ دنیا اور دنیا کی اسکرز یہیں رہ جانی ہے اگلے جہان میں جو کام آنا ہے جو مقصد حیات ہے اس پہ توجہ دینی چاہیے۔ الحمدللہ جتنا شکر کروں کم ہے کہ اللہ پاک نے ہدایت بخشی۔ گزشتہ تین سال سے مدرسے سے جڑی ہوئی ہوں۔ تفسیر قرآن کریم کی کلاسز متواتر اٹینڈ کرتی ہوں۔ فقہ کی کلاس ہر جمعہ کو لیتی ہوں شرعی مسائل سیکھنے کو مل رہے ہیں۔ قرآن کریم عربیک تلفظ میں نہیں پڑھا ہوا تھا تو اب قرآن پاک بھی تجوید کے ساتھ پڑھنا شروع کیا ہوا ہے۔

(۲) پہلے بہت زیادہ پلاننگز کرتی تھی۔ خوابوں خیالوں کی دنیا سے باہر نہیں آتی تھی اور پلاننگز کمپلیٹ نہ ہو تو ڈپریسڈ ہوتی تھی۔ اب حقیقت پسند ہو گئی ہوں۔ اب بس یکسوئی اور سچے کے ساتھ دعا کرتی ہوں۔ اللہ پاک سے مدد طلب کرتی ہوں۔ امی کے انتقال کے بعد سے بدل گئی ہوں۔ اب طبیعت میں وہ بچپنا پن چلبلا پن شرارتی پن لاابالی پن نہ رہا۔ سنجیدگی مزاج میں بس گئی۔ اب بس رب العالمین سے خیر و عافیت طلب کرتی ہوں۔ ارادے باندھتی ہوں لیکن اب وہ شدت نہیں الحمدللہ اللہ پاک نے طبیعت میں ٹھہراؤ پیدا کر دیا ہے۔

(۳) جی بالکل ہر سال کی طرح اس سال بھی یہی خواہش ہے کہ اللہ پاک رمضان المبارک کے مہینے میں مکہ مکرمہ مدینہ منورہ کا مہمان بنا دے۔ اور بھی کئی خواہشات باری تعالیٰ ہم سب کی تمام نیک و جائز خواہشات کو پورا کرے آمین ثم آمین۔

(۴) الحمدللہ رب العالمین جتنا شکر کروں کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین انسان کی شریک حیات چنا یہ ماشاءاللہ بہت زیادہ سپورٹیو ہیں۔ موٹیویشن بھی دیتے ہیں۔ اصلاح بھی کرتے ہیں۔ الحمدللہ شوہر پلس دوست ہیں۔ ہم زندگی کے ہر پہلو ہر مسئلے پر ڈسکس کرتے ہیں۔ جہاں میں غلطی کروں یہ پوائنٹ آؤٹ کرتے ہیں جہاں ان کی مسٹیک نظر آئے میں ٹوکتی ہوں۔

(۵) جی بالکل بہت سارے پراجیکٹس پہ بیک وقت کام کررہی تھی ٹی وی چینل اور یوٹیوب چینل کے لیے اسکرپٹ بھی لکھ رہی تھی ہائے میرے آدھے ادھورے کئی سارے پلاٹس چاہ کربھی لکھ نہیں پاتی امی کے جانے کے بعد ایک ویرانی خالی پن اداسی ہے اس کیفیت سے نکل نہیں پاتی نکلوں تو اپنے من پسند کرداروں پہ کام کروں۔ سروے کے اختتام پہ حنا ڈائجسٹ کے قارئین کی صحت وتندرستی کی ڈھیر ساری دعائیں محبت و احترام کے ساتھ سدا سلامت شادوآباد رہیں آمین ثم آمین۔

افشاں علی — کراچی

پرخلوص محبتوں، عقیدتوں کے پھول و دعاؤں کے نذرانے لیے یکم جنوری کے ساتھ شروع ہونے والے سال نو کی خیر و عافیت کی ڈھیروں دُعاؤں سنگ آپ سب پیاری پیاری قارئین اور رائٹرز وتمام اسٹاف کو افشاں علی کا محبت بھرا اسلام اُلفت اور سالِ نو کی بہت بہت مبارک باد!!

وقت کا تند وتیز دھارا ہر شے کو بہا کر لے جاتا ہے۔ ابھی سال کا آغاز ہوا تھا کہ اختتام آ پہنچا۔ پلک جھپکتے سال بیت چلا۔ زندگی کی راہ گزر نے ایک سال کی مسافت طے کرلی۔ نئی خواہشوں، نئے خیالوں، نئی اُمیدوں اور نئے خوابوں تلے ایک اور سورج طلوع ہونے کو ہے۔

سالِ نو دہلیز پر آ کھڑا ہے اور سالِ گزشتہ یادوں کی کھڑکی سے دبے پاؤں رُخصت ہو چلا۔ سالِ نو نئی چوکھٹ پہ آ کھڑا ہوا ہے۔ اسے نیک تمناؤں کے ساتھ خوش آمدید کہتے ہیں۔ اس دعا کے ساتھ کہ اب کے نیا برس میرے لیے آپ کے لیے ہم سب کے لیے اور ہمارے وطن کے لیے خوش آئند ومبارک ثابت ہو۔ آمین

اب آتے ہیں سروے کے جوابات کی طرف سب سے پہلے تو شکریہ!! فوزیہ شفیق کا جنہوں نے ہمیشہ کی طرح ہمیں یاد رکھا۔ آپ کی محبت وخلوص کے ہمیشہ مقروض رہیں گے۔

(۱) زندگی کی ہچکولے کھاتی ناؤ میں وقت اپنا آپ دکھاتا ہے اور ضرور دکھاتا ہے۔ کبھی ہوا بن کر تو کبھی پانی کی گہری لہر کی موج بن کر۔ مسئلہ دریا کا نہیں ہے مسئلہ چاروں اور سے آتی ہوا کا بھی نہیں ہے۔ مسئلہ تو وقت کا ہے جو کبھی تو بے رحم بن کر طوفان کی اس بپھری ہوئی موج میں بدل جاتا ہے جو سب کچھ ڈبو دینے کے درپے ہوتی ہے تو کبھی اس سبک رو انداز میں چلتی ہوا میں بدل جاتا ہے کہ جس کا کام پھر سے اُمید دینا ہوتا ہے۔ بس اسی اُمیدی اور نا اُمیدی میں زندگی کٹتی چلی جاتی ہے۔ بس دعا مانگتے رہا کریں۔ بھلے ہی آپ کا کچھ رہے نہ رہے۔ یہ وقت آپ کا ہے تو سب آپ کا ہے۔ اس وقت سے بڑا اُستاد کوئی نہیں۔ بے شک وقت ہی انسان کو بہت کچھ دکھاتا اور سکھاتا ہے۔ گزرتا و بیتا وقت ہمیں کوئی نا کوئی سبق یا تجربہ دے جاتا ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھوں تو ایسا لگتا ہے ابھی کل ہی کی بات تھی جب ہم لڑکپن میں تھے۔ بے فکری خودمختاری اور پرسکون زندگی۔ نہ آج کی فکر ہوتی

نہ آنے والے کل کی اور پھر جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھتے زندگی کے اسٹیشن پہ شادی نامی ٹرین پل بھر کو کیا رُکی بچپن کی یادوں و دعاؤں سمیت ہمیں لے کر ہی رُخصت ہوئی اور پھر یہ ازدواجی زندگی و عملی زندگی کی شادی نامی ٹرین ہر گزرتے اسٹیشن پہ نئی ذمہ داریاں اور نئے تجربات کی گٹھری ہمیں پکڑاتی گئی۔ ذمہ داریاں کیا بڑھیں ہم بھی مصروف تر ہوتے گئے۔ مگر ذمہ داریوں کے بوجھ تلے ان مصروف لمحوں اور گزرتے وقت نے ہمیں بہت کچھ سکھایا۔ بچپن ولڑکپن میں جو ہم نہ دیکھ پائے نہ سمجھ پائے وہ شادی شدہ زندگی کے ان تین سالوں نے ہمیں سبق سکھادیے۔ خاص کر ایک ماں کے عہدے پہ فائز ہونے کے بعد ہمیں سمجھ آیا کہ ایک ماں کی ذمہ داری صرف بچے کو پالنا۔ اس کی پرورش و تربیت کرنا ہی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات ہمیں معاشرے کے بیمار ذہن لوگوں کو بھی اپنی ممتا کے امتحان دینے پڑتے ہیں جن کا کام بنا بات اور بلاوجہ مین میخ نکالنا اور کچھ بھی غلط ہو تو بس ماں پر اس کی تربیت پر سوالیہ نشان بنانا ہوتا ہے۔ ہماری امی کے اس دنیا سے رُخصت ہو جانے کے بعد ہمیں سمجھ آیا یہ دنیا یہاں کے ہر رشتے جیسے فریب و مطلبی ہیں۔ جنہوں نے اپنائیت کا لبادہ امی کے رُخصت ہو جانے کے بعد نہ صرف اُتار پھینکا بلکہ اپنی اصلیت بھی واضح کی۔ سچ کہوں تو مجھے لگتا ہے آج ہماری امی حیات ہوتیں تو ہماری زندگی کی کہانی ہی کچھ اور ہوتی۔ کیونکہ ایک ماں کے اختیار میں سب ہوتا ہے۔ بس ایک نصیب نہیں ہوتا۔ مگر اس نصیب کے لیے ہمیں وہ تادم حیات دنیا سے لڑتی ہے۔ منتیں مرادیں، دُعائیں اور وظیفے کرتی ہے۔ اللہ سب کے والدین کو سلامت رکھے اور میری والدہ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرتے ہوئے ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

دوسرا اور سب سے اہم سبق و تجربہ جو ہمیں وقت نے بتایا کہ جینے کے لیے خاص الخاص شے پیسہ ہے۔ آپ کی عزت، مقام، محبت، رشتے سب پیسے کے پجاری ہیں۔ پیسہ ہے آپ کے پاس تو سمجھیں سب کچھ آپ کا ہے۔ حتیٰ کہ وقت بھی ورنہ اس کے بنا آپ تہی دامن و خالی ہاتھ ہیں۔ بس اک واحد و خالص رشتہ جو بنا کسی لالچ کے آپ کے ساتھ تادم حیات مخلص رہتا ہے وہ والدین و اولاد کا ہے۔ اس کے علاوہ ہر رشتہ ہر بندہ ہر مقام ہر شے مرہون و محتاج پیسہ ہے۔ زر وزمین ہے تو سب کچھ ہے، ورنہ تُو کون میں کون؟؟

(۲) اے جاتے ہوئے سال تیرا شکریہ!!
اس قدر حسین تحفہ تو نے دیا

2023ء ایک سال 365 دن، میری ذات کی تکمیل اور میری فیملی کے مکمل ہونے کا سال تھوڑی خوشی تھوڑے غم دونوں کا ہی امتزاج رہا یہ سال۔ اس سال الحمدللہ!! اللہ پاک نے مجھے رحمت کا حقدار ٹھہرایا۔ 2023ء نے جاتے جاتے 3 دسمبر کو ضفار بن ضیاء کو زخرف فاطمہ کے روپ میں پہنا دے دی۔ سال 2023ء میں کیے گئے ارادے کی بات کی جائے تو شادی کے بعد سے اب تک گزرے ان تین سالوں میں ہر بار یہ ہی ارادہ کرتی ہوں کہ اس سال اس ماہ اس دن سے لکھنا شروع کرنا ہے اور شروع بھی کر دیتی ہوں۔ مگر اختتام رہ ہی جاتا ہے۔ مصروفیات اور شب و روز کی بھاگ دوڑ میں قلم کاغذ کا ساتھ چھوٹ جاتا ہے۔ 2023ء کی شروعات میں بھی یہ ہی ارادہ باندھا تھا۔ ایک افسانہ تو مکمل ہی کیا مگر بھیجنا رہ گیا۔ جبکہ ایک

ناول کا بھی آغاز کیا تھا۔ دعا ہے اور اُمید واثق ہے کہ 2023ء میں اُس ناول کو حتمی شکل دے پاؤں۔ ان شاء اللہ۔

دوسری سالگرہ (جو کہ جولائی 2023ء میں ہوئی تھی) سے پہلے پہلے اپنے بیٹے کے لیے ڈائری ضرور لکھوں گی اور اس عہد میں الحمدللہ کامیاب ہوئی۔ 2023ء کا اختتام ہو چکا تو الحمدللہ ڈائری بھی مکمل ہو چکی۔ جس میں ضفار کے پیدا ہونے سے اب تک کی تمام حسین یادیں لفظوں میں پرو کر قید کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُمید ہے ان شاء اللہ جب میرا شہزادہ گڈا بڑا ہوگا تو اُسے سب پڑھ کر اپنی تصویریں دیکھ کر بہت خوشی محسوس ہوگی اور میرے ڈسپل بوائے کے چہرے پہ مسکان آ سجے گی۔ الغرض 2023ء میں خود سے کیا گیا ایک عہد تو پورا ہوا۔ قلم سے لفظ نکلے پر ناول نہ سہی ڈائری ہی کے لیے سہی۔

(۳) شروع ہوتے نئے سال پر بھی گزشتہ سال والا ہی ارادہ و عہد ہے پر اس بار بہت مضبوطی سے قلم کو تھام کر لفظوں کو کاغذ پہ سجانا ہے کہ ان شاء اللہ اپنے پڑھنے والوں کو محبت کی چاشنی و عشق کی گرماہٹ لیے ایک خوبصورت سا ناول پیش کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ 2024ء جولائی میں ماشاءاللہ محمد ضفار 3 کا ہو جائے گا تو ان شاء اللہ ارادہ ہے اس سال ضفار کی بھی Home Education مکمل کروانی ہے۔ اس کے علاوہ اس سال کا سب سے اہم Motive ہر ماہ کے اختتام تک قرآن پاک بھی مکمل کرنا ہے۔ تاکہ ہر ماہ 1 قرآن پاک پیارے آقا ﷺ تمام اہل بیت اور پیاری مرحومہ والدہ کے حضور بطور نذرانہ پیش کر سکوں۔ ان شاء اللہ۔

(۴) ماں کے عہدے پہ فائز ہونے کے بعد ہر لمحہ ہی ایک خوش کن احساس ہے۔ ممتا سے بھرے شب و روز دل کو بے تحاشا خوشیوں سے بھر دیتے ہیں۔ 2023ء میں جب سے محمد ضفار نے کچھ کچھ الفاظ بولنا شروع کیے ہیں میرے لیے وہ الفاظ وہ ٹوٹے پھوٹے جملے ہی محبت بھرے کلمے اور پیار کے نغمے ہیں۔ جو میرے دل کو گدگداتے ہیں جنہیں میں دن میں جتنی بار سنوں بے اختیار مسکرا اُٹھتی ہوں۔ ایک ماں کے لیے اور خاص کر ایسی ماں جس کے لیے اس دنیا میں سب سے قیمتی و اکلوتا مخلص رشتہ اولاد ہی ہو اس کے لیے تو اپنے بچے کی ہر حرکات و سکنات، ہر فیز، ہر جملہ، محبت سے پرنور اور تحسین آمیز ہے۔ گویا ہر طلوع ہوتا سورج نیا دن لے کر آتا ہو۔ ایک ماں کے لیے اپنی اولاد کے ہمراہ بیتا ہر پل ہر لمحہ ہی یادگار اور خوش کن ہوتا ہے اور اب خیر سے گڈے کے ہمراہ ہماری زندگی میں گڑیا کا بھی اضافہ ہو گیا ہے جو شکل و صورت میں ہے تو اپنے بھیا جیسی مگر عادات و اطوار یقیناً مختلف ہوں گے۔ کیونکہ ابھی تو ننھی گڑیا محض 15 دن کی ہے۔ مگر اب تک اپنے 15 رنگ دکھا چکی ہے۔

(۴) میرے لیے ستائش بھرا جملہ، خوش کن احساس میرے یہ بچے ہی ہیں۔ دن بھر کی مصروفیات کے بعد رات کو جب محمد ضفار کو سلاتی ہوں اور وہ سوتے ہوئے میرے اردگرد اپنی بانہیں حمائل کر کے مجھے زور سے گلے لگا کر میرے گالوں کو چوم کر سونے لگتے ہیں تو وہ لمحہ سب سے قیمتی اور وہ رات کا پہر سب سے خوبصورت و حسین بن جاتا ہے۔ دن بھر کی تھکن اس لمحے کے فسوں میں کہیں زائل ہو جاتی ہے۔ اللہ یہ لمحے یہ خوشیوں بھرے پل دراز کرے اور

میرے بچوں کو سلامت رکھے۔ آمین

(۵) جب سے حنا سے تعلق جڑا ہے تب سے ایک کہانی ایک کردار ذہن کے پردے پر جھلملاتا ہے۔ بہت چاہ ہے اور بہت کوشش بھی ہے کہ اس پر لکھ سکوں۔ بس مصروفیت آڑے آ جاتی ہے ورنہ مجھے اُمید ہے ان شاءاللہ جب بھی وہ کہانی وہ طویل ناول کی شکل میں منظرعام پہ آیا میرا اب تک کا وہ ماسٹر پیس کہلائے گا۔ (پلیز افشاں جلد ملواؤ اس ماسٹر پیس سے) کیونکہ تخیل سے زیادہ مشکل حقیقت کو کہانی کا روپ دینا ہے۔ مگر شاہکار چیزیں ہمیشہ حقیقت سے قریب تر ہی ہوتی ہیں۔

تو ملتے ہیں بہت جلد ایک خوبصورت مگر حقیقی نگر میں۔ ان شاءاللہ

اُم ہانی **راولپنڈی**

(۱) وقت ضائع ہونے کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھوں تو احساس ہوتا ہے کہ زندگی میں اگر وقت کی قدر کی ہوتی تو بہت سے مثبت کام کر ڈالے ہوتے۔ بہت سی کامیابیاں سمیٹ لی ہوتیں۔ بہت سی کہانیاں لکھ ڈالی ہوتیں۔ بہت سی منازل طے کر لی ہوتیں۔ مگر افسوس کہ وقت کو اس شدت سے استعمال نہیں کیا جتنا اس کا حق تھا اور اب گیا وقت ہاتھ آ نہیں سکتا۔

(۲) ہمارے اکثر ارادے تکمیل کے مراحل سے گزرنے کیلئے دوسروں کے محتاج بھی ہوتے ہیں۔ جیسے کہ سال کے شروع میں یہ تہیہ کیا تھا کہ کسی ڈائجسٹ میں سلسلے وار کہانی لکھنا شروع کروں گی لیکن سال کے اختتام تک اس ارادے کی تکمیل میں ناکام رہی۔ وجہ کچھ میری سستی اور کوتاہی اور کچھ ادارے کی جانب سے جگہ کی قلت۔

(۳) نئے سال کو لے کر اب یہی ارادہ ہے کہ اس سال ایک سلسلہ وار کہانی شروع کرنی ہے۔ دیکھیں اب کتنا اس ارادے پہ عمل درآمد ہوتا ہے۔

(۴) ایک ایڈیٹر نے مجھے میسج کیا تھا کہ ام ہانی آپ بہت اچھا لکھتی ہیں اور مزید اچھا لکھ سکتی ہیں۔ اس تعریف پہ کتنی دیر بے یقین رہی کیونکہ یہ ایک جانی مانی ایڈیٹر نے کہا تھا اور میں تب سے مزید اچھا لکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

(۵) ایسے بہت سے کردار ہیں جنھیں لکھنے کی شدید خواہش ہے لیکن تاحال لکھ نہیں سکی۔ کچھ کردار ایسے ہیں جو بہت تجرباتی ہیں اور مجھے لگتا ہے کہ لکھ لئے گئے تو کہانی امر ہو جائے گی لیکن شاید ہی کوئی ادارہ اتنا بڑا رسک لے (ہم لیں گے یہ رِسک۔ اُم ہانی ہمارے لیے آپ کی تحریر ایک اعزاز ہوگی تو پلیز) اور ایسی کہانیوں کو جگہ دے پائیں اسی لیے تاحال وہ تخیل میں ہی بسے ہوئے ہیں۔ صفحے پہ منتقل نہیں ہو سکے۔

سیّدہ فرزانہ حبیب **کراچی**

(۱) سب سے پہلے حنا کی ٹیم اور قارئین کو سال نو کی مبارک باد۔ کہتے ہیں کہ وقت سب سے بڑا اُستاد ہوتا ہے۔ کتابوں کے علم سے زیادہ لوگوں کے رویے زندگی گزارنے کا سبق دیتے ہیں۔ میں نے بھی اپنے اردگرد بسنے والوں سے بہت کچھ سیکھا۔ اپنی ایک بہت ہی مخلص کولیگ سے انکساری، نرم گفتاری سیکھی اور کچھ لوگوں سے یہ سیکھا کہ ہر کسی پر اعتبار کرنا اس کو اپنا سمجھنا خلوص سے پیش آنا بھی مناسب نہیں۔ لوگ آپ کی محبت کو کمزوری سمجھ کر ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ لہٰذا اپنے لوگوں سے محتوط رہنا ضروری ہے۔ ''دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا''

(۲) انسان کی سوچ کی پرواز بہت بلند ہے۔

وہ بہت کچھ سوچتا ہے، منصوبے بناتا ہے۔ کچھ کرنے کے ارادے باندھتا ہے مگر افسوس سب کچھ مکمل نہیں ہوسکتا۔ بقول شاعر:

ارادے باندھتی ہوں، سوچتی ہوں توڑ دیتی ہوں
کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے

تو بس کچھ منصوبے وعہد و پیماں 2023ء میں مکمل ہوئے۔ باقی انشاء اللہ اگر میرے حق میں بہتر ہوا تو رب کائنات ضرور پورے کرے گا۔

(۳) وہی بات منصوبے تو انسان بہت بناتا ہے مگر اس کی تعبیر اللہ کے حکم سے ہوتی ہے۔ کچھ آرٹیکلز اور ناول Pending میں ہیں۔ پروفیشنل مصروفیات آڑے آجاتی ہیں۔ اس کو مکمل کرنے کی پوری کوشش کروں گی اور بھی کچھ ذاتی نوعیت کے منصوبے ہیں۔ اللہ کی رضا سے ضرور 2024ء میں پورا ہو جائے گا۔

(۴) زندگی کے اس کٹھن سفر اور دوڑ دھوپ اپنی ماں کے خوبصورت لبوں سے ادا ہوا ہر حوصلہ افزا جملہ میرے لیے سرشاری و مسرت کا باعث بنتا ہے اور میرے شریکِ سفر کا میرے لیے احساس، فکرمندی اور جن کے میری ہر اذیت و تکالیف کو جھیل کر اپنے مہربان و پرخلوص جملوں کا مرہم رکھنا میری زندگی کا سرمایہ ہے۔ اللہ پاک میرے پیاروں کو ہمیشہ خوش و آباد رکھے۔ آمین

ماریہ شہزاد **جدہ**

بیعت الحزن بنی تو کبھی انبساط ہو گئی
زیست بھی یہ ہماری عجب تغیرات میں رہی

(۱) مجھے اپنا یہ شعر بہت پسند ہے۔ اس زندگی میں ہر طرح کا وقت آتا ہے اور اسی دوران اسے ہر طرح کے انسانوں اور حالات سے واسطہ پڑتا ہے اور پھر اس اچھے یا برے حالات کا کٹھن یا پرسکون راستہ گزارنے کے بعد ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہمارے لیے کون کتنا مخلص ہے ''میری زندگی کا سب سے قیمتی تجربہ ہے کہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات سے لے کر بڑی سے بڑی مشکل میں صرف اور صرف ایک ہی ذات پر اُمید اور توکل کریں اور وہ ہے اللہ پاک کی ذات اقدس۔ یقین مانیں پھر کوئی غم اور نہ کوئی مشکل آپ کو توڑ سکے گی۔ انسان ہم سے حالات کے مطابق پیار کرتے ہیں اور اللہ ہم سے بلاتفریق پیار کرتا ہے۔ کیونکہ ہم اس کی مخلوق ہیں۔ اس لیے حالات اور انسانوں کو ہمارے مطابق بنا دیتا ہے۔ یہ میرا کامل یقین ہے۔

(۲) میرے لیے بہت ہی قیمتی سال رہا۔ کیونکہ اس سال کے شروع میں ہی میرا بہت بڑا خواب میرے اللہ کی مدد سے 2023 میں پورا ہوا۔ میرا پہلا مکمل ناول جو کتاب کی شکل میں شائع ہوا ''نورِ سحر'' کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ دو طرح کے یقین انسان کو کبھی ناکام نہیں ہونے دیتے۔ ایک ''یقین کامل'' جو وہ اللہ کی ذات اقدس پر رکھ کر کوئی کام شروع کرتا ہے اور دوسرا ''یقین مجازی'' جو وہ خود پر رکھ کر ان تھک محنت کرتا ہے تو پھر کامیابی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

(۳) نئے سال کے لیے میرا ارادہ ہے اور دعا ہے کہ میرا رب جو مجھ سے دین کا کام لے رہا ہے اپنی کرم نوازی کا معاملہ فرماتے ہوئے اس میں لامتناہی وسعتیں عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ اس میں محنت کر کے میں اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے اپنے اساتذہ کے لیے اسے صدقہ جاریہ بنا سکوں۔

(۴) بہت ہی خوش کن احساس تھا میری زندگی میں جب میری پہلی کتاب کا آخری صفحہ پڑھ کر میرے شوہر نے مجھے انعام دیا اور بہت اچھے

الفاظ میں کہا کہ تم نے اختتام بہت خوبصورت اور قابل تحسین کیا ہے" بے اختیار خوشی تب ملی جب میں نے اپنی پہلی کتاب بے شمار تعریف کے بعد صحن حرم میں شکرانے کے نوافل ادا کیے۔ یہ میرے لیے آسان نہیں تھا سب کچھ۔ مگر میرے اللہ نے میرے گمان سے بھی زیادہ اس کو میرے لیے آسان بنا دیا۔ الحمدللہ

(۵) یہ حقیقت ہے کہ بعض دفعہ ہم چاہ کر بھی قلم سے وہ الفاظ یا وہ جذبات تحریر نہیں کر پاتے جن کا ہماری زندگی پر کہیں نہ کہیں اچھا یا برا اثر ہو چکا ہو۔ کچھ لوگوں کو پتہ بھی نہیں ہوتا ہوگا اور وہ ہماری دعاؤں کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ہمیشہ کے لیے کئی سال پہلے جب میں پہلی بار ریاض الجنۃ میں روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کے پاس کھڑی تھی تو میرے ساتھ بھی ایک خوبصورت واقعہ پیش آیا۔ میری دلی خواہش ہے کہ میں اس بارے میں کچھ لکھوں مگر شاید ابھی اللہ کو منظور نہیں۔

قرۃ العین رائے **شیخوپورہ**

(۱) جی بالکل وقت انسان کو کچھ نہ کچھ سکھا کر جاتا ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھو تو میرے دامن میں وقت نے بہت کچھ بھرا۔ کچھ خزاں رسیدہ زرد اور سوکھے ہوئے پتے۔ کچھ موتیے کے سفید پھول۔ کچھ نرگس کے پھول کی خوشبو۔ دیسی گلاب کی مہک۔ سردیوں کی اُداس شامیں، پورے جوبن پر آئے چودھویں کے چاند کی رات بہت کچھ اور بہت کچھ۔

بہت سے احساس دیے۔ اچھے انسان بننے کا احساس، نرم مزاج، نرم دل احساس اور اسی طرح سے تجربے بھی بہت سے ہوئے۔ تلخ و شیریں بھی اور سبق وقت نے یہی دیا کہ حال میں جینا سیکھو جس نے اپنا حال اچھا جی لیا اُس نے مستقبل بھی اچھا کر لیا۔ ماضی میں رہنے والے لوگ نہ حال اچھا جی سکتے ہیں اور نہ مستقبل روشن کر پاتے ہیں۔ چند مہینے قبل مجھے وقت نے یہ بھی سبق دیا زندگی کے سفر میں جو احباب آپ سے بچھڑ جاتے ہیں وہ پھر کبھی نہیں آتے۔ یہ سچ ہے بعد میں چاہے انہیں پکارتے رہ جائیں وقت نے مجھے اس سال اپنے پیار سے بھائی سے بچھڑنے کے دکھ کا احساس دیا۔ میں ان محسوسات سے کبھی نہیں گزری جو مجھے اس کے بچھڑنے پر ہے اور نہ آگے وقت دکھائے۔ وہ میرا بھائی تھا۔ میرا مان تھا۔ میرا آسمان تھا اور ظالموں نے ناحق اس معصوم کو ہم سے سر میں گولیاں مار کر چھین لیا۔ بہت اکیلا پن اور خالی پن بھر گیا دل میں۔ خالی پن کے احساس سے میں کبھی دو چار نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس دنیا میں نہیں رہا مگر آج بھی اپنے فون سے اس کا نمبر ڈیلیٹ کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ وہ جو آدھی رات کو بھی فوراً میرا فون اُٹھا لیتا تھا، بات کرتے ہفتوں گزر جاتے مصروفیات آڑے آ جاتی ہم دونوں کے درمیان مگر میں جب بھی اسے فون کرتی وہ یوں اُٹھاتا جیسے میری کال کا ہی تو منتظر تھا اور اب جیسے روح کا رابطہ ہی ٹوٹ گیا۔ کہاں سے ایسا فون نمبر لاؤں جس پر وہ میری کال یونہی اُٹھائے جیسے میری کال کا ہی تو منتظر ہوں وہ مجھ سے چھوٹا تھا مگر مجھے ٹریٹ ہمیشہ یوں کیا جیسے میں اس سے چھوٹی ہوں۔ روٹھنا میرا کام ہوتا تھا اور منانے اس کا پہلی بار۔ ایسا روٹھا ہے کہ مان ہی نہیں سکتا۔ ایک بار ناراض ہوئی تو رات کو ہی مجھے منانے چلا آیا۔ گلے لگا کر کہتا "بس مجھ سے ناراض نہ ہوا کر" کان ترستے ہیں اس کی آواز کو اور آنکھیں ترستی ہیں اس کے وجود کو۔ میرا جسم اس کے مضبوط بازوؤں میں چھپ جانا چاہتا ہے

مگر وقت نے سکھایا کہ یہ ممکن نہیں۔ یہ فانی زندگی ہے اور وہ ابدی زندگی میں جا چکا ہے۔ موت بھی اس کو کچھ یوں آئی کہ دل کو یہ یقین ہے کہ اس کی اگلی زندگی بے حد اچھی اور آسان ہے۔ اس کا ناحق قتل کیا گیا پیچھے سے وار کیا تھا۔ ظالموں نے اسے تو شاید اپنے قاتل تک دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ بس وہ ایک دن تھا جب مجھے پتہ چلا کہ میرے گوہر علی کو گولی لگی ہے اور اب وہ اس دنیا میں نہیں۔ وقت نے مجھے یہ احساس دیا کہ ایک بہن کی یہ خبر سن کر کیا حالت ہوتی ہے۔ ایک ماں جب اپنے لختِ جگر کے سر کے ٹکڑے زمین سے اُٹھا اُٹھا کر اپنی گود میں ڈالتی ہے تو اس کے ہاتھوں کی اُنگلیاں پتھر کی ہی نہیں ہو جاتیں اس کا دل بھی پتھر کا ہو جاتا ہے۔ ایک بیوی جب اپنے شوہر کے ساکن وجود کو خون میں نہائے اوندھے منہ گرا دیکھ کر اس کا چہرہ گود میں رکھے تڑپ تڑپ کر روتی ہے تو پھر یہ رونا صرف اس وقت کا نہیں ہوتا عمر بھر کا ہوتا ہے۔ اس کا تین سال کا بیٹا روز حویلی میں شام کو خاموش اس کرسی کے پاس جا بیٹھتا ہے جس پر اس کا باپ بیٹھتا تھا اور اس کا چار ماہ کا چھوٹا بیٹا اس بات سے انجان ہے کہ اس نے کیا کھو دیا ہے۔ وقت نے انہیں معصوم اور بے خبر ہی رہنے دیا۔ اس سال وقت مجھے عجیب سے احساس اور تجربے سے آشنا کر گیا۔ اللہ میرے بھائی گوہر علی کی مغفرت کرے۔ آمین

(۲) سال کے شروع میں تو نہیں ہاں میں موڈ اور حالات کے مطابق کوئی نہ کوئی ارادہ اور عہد کرتی رہتی ہوں اور پھر پوری جی جان سے اسے پورا کرنے کی تگ و دو میں لگ جاتی ہوں۔ میں ٹک کر بیٹھ جانے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ایک بیکار اور لگی بندھی زندگی جینا مجھے پسند نہیں۔ اس لیے کچھ نہ کچھ نیا اور بعض دفعہ عجیب میری زندگی میں ہوتا رہتا ہے اور کافی حد تک میں اپنے ارادوں میں کامیاب بھی رہتی ہوں۔ میاں صاحب کا کہنا ہے جب میں کسی بات کو کرنے کی ٹھان لیتی ہوں تو اللہ کے حکم اور فضل سے کر کے دم لیتی ہوں۔ غیر مستقل مزاج ہونے کے باوجود ارادے میں بہت مستقل مزاج ہوں۔ الحمدللہ

(۳) جی ہیں لیکن کہا ناں کہ سال کے شروع یا اختتام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا رب جب چاہے اس کی مرضی اور حکم سے وہ ارادہ یا پلان پورا کروا دیتا ہے۔ کوشش ضرور کرتی ہوں۔ کچھ ناولز کے پلاٹ کافی عرصے سے دماغ میں پڑے ہیں۔ ارادہ ہے کہ انہیں کاغذ پر لکھ کر اپنے پیارے قارئین کے دلوں تک پہنچا پاؤں اور فوزیہ جی کی محبت یہ ارادہ مجھ سے پایہ تکمیل کو پہنچا کر ہی دم لے گی۔ مجھے اُمید ہے۔

(۴) ایسے بھی بہت سے ہیں اور بہت سے موقعوں پر بولے گئے ہیں۔ جیسے میرے چھوٹے بھائی کامران کا جملہ "میں جو ہوں تمہارا مان" اللہ اسے صحت و زندگی دے۔ میرے سسر کے پیار بھرے جملے کسی کا یہ کہنا کہ یہ تو بیمار رہنے ہی نہیں دیتی۔ اپنی باتوں سے آدھی بیماری ختم کر دیتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

(۵) جی جناب کردار ہیں ایسے جیسے ایک کہانی کا خیال ہیجڑے کی زندگی پر۔ اس پر لکھنے کے باوجود ابھی تک لکھ نہیں پائی۔ وہ کردار میرے تصور میں ابھی مبہم ہے واضح نہیں جب بھی اس کردار کی تلاش میں نکلتی ہوں۔ ان دیکھی دُھند میں کھو جاتا ہے۔ اس کردار نے ابھی تک مجھ سے دوستی نہیں کی اور نہ ہی ڈیمانڈ کی کہ لو مجھ پر کہانی لکھو۔ مجھے صفحۂ قرطاس پر بکھرا دیکھ کر میرا

تصور اس کردار سے مکمل آشنائی حاصل کر پاتا ہے اور کب اس پر کہانی لکھوں گی اور آخر میں آپ سب کے لیے نیک تمنائیں۔

مبشرہ انصاری (مانہ) لاہور

(۱) سب سے پہلے میرے تمام قارئین کو اسلام علیکم! امید کرتی ہوں سب خیریت سے ہوں گے۔ فوزی جی نے تقریباً ایک ہفتہ پہلے سوالات کی لسٹ مجھے واٹس ایپ کی تھی۔ روز کہتی تھی کی آج یہ کام کرلوں لیکن مصروفیت اتنی تھی کہ یہ کام بیچ میں ہی رہ جاتا تھا۔ ابھی فجر کی نماز پڑھ کر لیٹی تو نیند نہیں آرہی تھی۔ تبھی سوچا کہ یہی مناسب وقت ہے جلدی سے تمام سوالات کی جوابات لکھ دیتی ہوں۔ اب آجاتے ہیں جی سوالات کے جوابات کی طرف۔ وقت نے کچھ نہیں بلکہ بہت کچھ سکھایا ہے جی۔ وقت اور زندگی بڑے سخت قسم کے اساتذہ ہیں۔ یہ اپنے شاگردوں کو ایسی ایسی مشکل ترین سلگتی بھٹی میں سے گزار کر وہ سبق سکھا دیتے ہیں جسکا انسان نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔ پھر جو سبق سیکھ جائے اس کے لیے کچھ آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں بلکہ وہ وقت اور حالات کے متابق خود کو ڈھال لیتا ہے۔ اور جو سبق نہیں سیکھتا، وہ پھر بار بار اسی سلگتی بھٹی میں سے گزرتا رہتا ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ کیونکہ سوائے دل آزاری کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ زندگی اور وقت نے سب کے چہرے بے نقاب کیے ہیں۔ منافقوں سے بھری ہوئی ہے یہ دنیا۔ ہر کوئی ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ بنا یہ جانے کے جو چیز جو عزت جو ذلت جو حق جسکا ہے وہ اسی کا ہی ہے۔ نہ کوئی چھین سکتا ہے نہ ہی دے سکتا ہے۔ انسان کی یہ اوقات ہی نہیں۔ وہ ایک ذات جو اوپر بیٹھی ہے وہی ہماری زندگی کا مالک ہے اور اسی کے فیصلے ہی چلتے ہیں۔ آج اگر ہمارے ساتھ کچھ برا ہوتا ہے تو میرا ایمان ہے کہ اس میں بھی میرے پاک پروردگار کی کوئی مصلحت ہے۔ کوئی راز پوشیدہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مشکل کسی بڑی مصیبت سے بچانے کا اک ذریعہ ہو۔ جو بھی ہماری زندگی میں ہوتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اس لیے میں پریشانی کے وقت کبھی بھی پریشان نہیں ہوتی۔ پریشان ہونے سے اگر مسلے کا حل نکلتا ہو تو بات ہے۔ ورنہ پریشان ہونے کا فائدہ؟ مشکل وقت اپنے مقررہ وقت سے پہلے کبھی ٹلتا نہیں۔ اس لئے پریشان ہونے کہ بجائے آرام سے سکون سے پریشانی کا حل ڈھونڈ کر اسے حل کردیا جائے تو یہ دن آرام سے صبر شکر سے گزر جاتے ہیں۔ مجھے لوگوں کی فضول حرکات اور باتیں بالکل بھی ڈسٹرب نہیں کرتیں۔ میرا رابطہ اللہ سے ہے۔ جب وہ میرے ساتھ ہے تو دنیا والے کیا بولتے ہیں کیا کرتے ہیں میرے جوتی کو بھی پرواہ نہیں۔ زندگی نے وقت سے پہلی مچیور کر دیا ہے۔ لوگوں کو بتایا گیا کہ وہ اپنے خدوخال، گورے رنگ، پیسہ اور شہرت کی وجہ سے خوبصورت لگتے ہیں۔ جبکہ ایسا کچھ بھی نہیں۔ میری نظر میں ہر وہ انسان خوبصورت ہے جو ایک ہمدرد روح، اچھے اخلاق اور خوبصورت مسکراہٹ کا مالک ہے۔

(۲) جی بالکل اس سال کے آغاز میں، میں نے خود سے کچھ عہد و پیماں ضرور کیے تھے اور الحمدللہ انکو پایا تکمیل تک بھی پہنچایا۔ اللہ کی ذات کا بہت بہت شکر یہ کہ اُس نے اِس نہ چیز پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیے۔ جب آپکا ایمان پکا ہو، خود پر بھرپور یقین ہو، نیت صاف

ہوتو جو آپ کرنا چاہتے ہیں یا بننا چاہتے ہیں۔ اللہ آپکی مدد ضرور کرتا ہے۔ میں روحانی تعلق پر پختہ یقین رکھتی ہوں۔ اللہ کا جتنا شکر ادا کروں وہ کم ہے۔ اس دنیا میں آپ کے ساتھ سب سے مخلص شخص آپ خود ہیں۔ اس لیے اللہ کے بعد خود پر یقین رکھیں اور ہمت کے ساتھ اپنے خوابوں کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے جدوجہد کرتے رہیں۔ انشاءاللہ کامیابی آپکا مقدر ہوگی۔

(۳) نئے سال کو لیکر میں بہت پُراُمید ہوں۔ جو کھودیا اس سال اس سے بہترین حاصل کرنے کی جستجو ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے ناں کہ کہیں آپ کسی کے راستے سے ذرا سا کانٹا ہٹا رہے ہوتے ہیں اور کہیں آپکے راستے کی خاردار جھاڑیوں کو اللہ کے حکم سے ختم کر دیا جاتا ہے۔ اسی عزم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کر کے اپنے لئے اللہ کو راضی رکھنا ہے اور اللہ کے حکم سے اپنے تمام خوابوں کو حقیقت کا روپ دینا ہے انشاءاللہ۔ دوسروں کو نقصان پہنچائے بغیر، اُن کو بدنام کئے بغیر، اُن سے حسد کئے بغیر، اُن سے اُلجھے بغیر، اُن سے آگے نکل جانے کا ہنر سیکھیے۔ آسمان سے کبھی ناکامی کا پیغام نہیں آتا※ آسمان سے ہمیشہ ایک یقین دہانی آتی ہے کہ غم نہ کھاؤ بے شک اللہ ہمارے (تمہارے) ساتھ ہے۔

(۴) بہت سے ایسے لمحات اور واقعات ہیں جو صرف محسوس کر کے ہی دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ بہت اچھا لگتا ہے جب کوئی آپکی اور آپکے کام کی قدر کرتا ہے۔ بہت سی چیزیں اچانک سے ہو جاتی ہیں۔ میں بچپن سے ہر سال ایک خواب دیکھتی تھی۔ اور وہ خواب ہر سال باقائدگی سے مجھے آتا تھا۔ میں سوچتی تھی کہ اسکی کیا تعبیر ہو سکتی ہے۔ میں خوش بھی ہوتی تھی اور افسردہ بھی۔ یہ سوچ کر کے میرا یہ خواب پورا ہونے کے کوئی چانسز ہی نہیں۔ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ شاید مجھے جلد ہی اس خواب کی تعبیر ملنے والی ہے۔ میں سب سے یہی کہوں گی کہ زندگی جہاں لے کر جاتی ہے سکون سے چلے جائیں اللہ کے بنائے ہوئے نقشے سے الجھنے کی بجائے اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ زندگی آسان ہو جائے گی۔

(۵) میرا ایک ناول ہے جو میں پچھلے کئی سالوں سے لکھنے کی کوشش میں ہوں۔ آدھا لکھ چکی ہوں۔ آدھا باقی ہے۔ میری زندگی کے کچھ تلخ اور حقیقت پر مبنی کچھ واقعات ہیں جو میں قلم کے ذریعہ اوراق میں قید کر رہی ہوں۔ ناول سبق آموز اور بہت خوبصورت ہے اسکا اختتام بھی بہت خوبصورت انداز میں کرنا چاہتی ہوں۔ بس کچھ وقت کی قلت ہے۔ مصروفیات کی وجہ سے ناول ابھی ادھورا ہے۔ کوشش یہی ہے کہ جلد از جلد وہ ناول اپنے قارئین تک پہنچاؤں۔ انشاءاللہ آپ لوگوں کو ضرور پسند آئیگا۔ ابھی صبح کے 6 بج رہے ہیں۔ تھوڑی دیر سو لیتی ہوں پھر 10 بجے مجھے کام کیلیے نکلنا ہے۔ امید کرتی ہوں آپ تمام قارئین کو میری باتیں بری نہیں لگی ہونگی۔ آپ سب سے ریکویسٹ ہے کہ میرے یوٹیوب چینل (The Artist Mana) کو ضرور سبسکرائب کریں جہاں میں ڈیلی روٹین سے ولوگز لگاتی رہتی ہوں۔ اور اگر آپ لوگ مجھ سے ان ٹچ رہنا چاہتے ہیں تو مجھے انسٹا گرام (LEORAIN FILMS) پر فولو کر سکتے ہیں۔ فوزیہ جی کے پیار اور محبت کا بہت بہت شکریہ۔ آپ ہر سال اس نہ چیز کو اتنی محبت سے اس خوبصورت سلسلے کا حصہ بناتی ہیں۔ میں آپ

کی دل سے مشکور ہوں۔ اللہ پاک آپ سب کو اپنی حفظ و آمان میں رکھے آمین ثم آمین۔

نجمہ جبار بہاولپور

سوالات وجوابات

سب سے پہلے تو میری طرف سے حنا کے اسٹاف اور تمام قارئین کو نئے سال کی بہت مبارک باد۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ میں حنا کے اس خاص شمارے میں شرکت کر رہی ہوں کہ حنا سے تو بہت پرانی وابستگی ہے۔ فوزیہ شفیق کا تہہ دل سے شکریہ کہ سروے میں شامل کر کے دلی خواہش پوری کر دی۔ حنا ایک ٹیم ورک ہی ہے جو کہ ادارہ ہر ماہ اتنی عرق ریزی سے اس مہنگائی کے دور میں ہمیں معیاری تفریح فراہم کر رہا ہے۔

(۱) وقت کا کام ہی ہے گزر جانا مگر یہ ہمیشہ انسان کو سبق دے کر جاتا ہے اور انسان پر منحصر ہے کہ وہ گزرے وقت سے کچھ سیکھتا ہے یا نہیں۔ زندگی کے ان گزرے سالوں میں ہاں بہت کچھ سیکھا ان میں سب سے بڑھ کر جو دو خاص باتیں تھیں ایک ہے صبر اور دوسرا ہے در گزر۔ زندگی میں بہت ایسے لمحات آئے جب صبر کرنا بہت مشکل انسان کو لگتا ہے مگر یہ ناممکن نہیں ہے تو میں نے بھی صبر ہی کیا۔ صبر و شکر انسان میں درحقیقت سکون پیدا کر دیتے ہیں اور انسان کو ہر طرح کے حالات فیس کرنے کے قابل بنا دیتے ہیں۔ دوسرا در گزر یہ بھی بہت مشکل کام ہے کہ انسان کسی کی بہت سی زیادتیوں کو معاف کر دے اور آگے موو آن کرے اور سب بھول جائے تو میری زندگی میں بھی ایسا ہوا کہ میں نے در گزر کیا اور اللہ سے ہی اپنی ہر پریشانی ڈسکس کی اور ور امید رہی اور صبر و برداشت اور شکر کے ساتھ مثبت سوچ و عمل کے سنگ وقت گزرتا چلا گیا اور آج بہت سکون ہے کہ وہ کچھ گزرے تلخ دن اب ایک طویل تجربے کی حیثیت رکھتے ہیں جو مجھے زندگی کے اصل مقصد کی طرف جانے کو کہتے ہیں۔ صبر کا پھل بہت میٹھا ہوتا ہے یہ واقعی سچ ہے اور یہ ہی میرا تجربہ رہا ہے۔ میں یہ ہی کہوں گی کہ موو آن کریں اور اگنور کریں جیسے بھی حالات ہوں اللہ کو ہی بس ہم راز بنائیں اور دیکھیں گی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ پریشانیوں کے بادل ختم ہو جائیں گے اور نئی اور خوشیوں کی روشن صبح زندگی میں ضرور ہوگی۔

(۲) جی جی بالکل میں نے خود سے سال کے شروع میں بہت سی باتیں کیں تھیں کہ اس سال میں کیا کیا میں نے کرنا ہے اور اللہ سے دعا بھی مانگی کہ میں ثابت قدم رہوں اور شکر ہے کہ جو سوچا تھا وہ سب کر ہی لیا۔ کچھ گھر اور بچوں کے حوالے سے پلاننگ کی تھیں پھر ان کے لیے میں اور میرے شریک حیات جن کی سپورٹ کے بغیر میں کچھ نہیں ہم نے محنت کی اور سب اچھا ہی ہوا ہاں ساتھ اپنے چینلز کے لیے بھی کچھ سوچا تھا اور ان پر بھی محنت کی اور اس محنت کا بھی اچھے سے ریسلٹ ملا۔ میرے دو چینلز ہیں ایک Najma Studio اور دوسرا Novels Stock جن پر رائیٹرز کی آڈیو میں اپنی دلچسپی کی بناء پر رائیٹرز کی اجازت سے کہانیاں پڑھتی ہوں۔ میں نے سال میں جو اپنے ہدف بنائے اللہ کا کرم کہ وہ پورے ہوئے۔

(۳) نئے سال کے لیے ہاں ایک ارادہ تو بہت ہی خاص ہے اور کاش وہ پورا ہو جائے نا صرف میرا بلکہ ہر مسلمان کا اور وہ ہے بیت اللہ شریف کی حاضری تو یہ ارادہ بھی ہے اور ساتھ کوشش بھی بس تو اللہ سے دعا ہے کہ یہ میرے اور تمام کے حق میں جلد پوری ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی

ارادہ ہے کہ اب سے میں نے پہلے کی ہی طرح ڈائجسٹوں میں شرکت کرنی ہے اور بھرپور انداز میں شرکت کرنی ہے کہ پڑھنا اور لکھنا ہی تو سب سے خاص اور میری پسندیدہ سرگرمی ہے جس سے ذہنی سکون سا ہوتا ہے اور آپ تمام سے رابطہ بھی رکھنا ہے۔

(۴) ابھی کچھ دن پہلے ہی میں کراچی سے آئی ہوں کہ میرے دو چھوٹے بھائیوں کی شادی تھی اور میرے لیے میرے بڑے بھائی شروع سے ہی بہت idealized ہیں اور اپنے والد کی وفات کے بعد ان کی موجودگی سے ایک تحفظ اور سکون کا احساس ہوتا ہے۔ شادی بہت اچھے سے ہوئی اور یہ لمحات تیراں سال بعد ہمارے گھر میں آئے جو ہم نے بہت اچھے سے انجوائے کیے اور میری میرے بڑے بھائی سے جو شروع سے ہی ایک خاص understanding رہی ہے تو ایک طویل عرصے بھی پھر سے پہلے کی طرح ان کی پرخلوص محبت اور خیال باتیں اور موجودگی میرے لیے بہت خاص رہی اور یہ گزرے لمحات میں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ محبت اور عزت یہ سب give and take والے معاملے ہیں آپ کسی کے ساتھ جیسا کریں گے کبھی نا کبھی زندگی کے کسی موڑ پر آپ کو آپ کے اس عمل کا اجر ضرور ملے گا اب یہ انسان پر ہے کہ وہ کیسا نتیجہ چاہتا ہے اگر اچھا چاہتا ہے تو اچھا ہی رہے اور اگر کسی کے ساتھ زیادتی محض اپنی انا پرستی کی وجہ سے کرتا رہے تو اس کا بدلہ بھی کہیں نا کہیں اللہ دنیا میں بھی لے لیتا ہے اور پھر انسان کو احساس ہوتا ہے جب خود کسی مشکل میں گرتا ہے۔ اللہ پاک تمام بھائیوں کا سایہ بہنوں پر قایم رکھے۔

(۵) اس آخری سوال کا جواب شاید مصنفین کے لیے ہے خیر زندگی میں ایسے بہت سے دلکش یا تلخ لمحات آتے ہیں یا ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ہم پر زندگی کے سفر میں ایک گہرا اثر چھوڑتے ہیں اور ہم خود اپنی ذات سے ہی باتیں کرتے رہتے ہیں یا دل بہت کرتا ہے کہ اپنے ان خیالات کو صفحہ قرطاس پر بکھیر دیں مگر شاید الفاظ ہی ملتے ہیں اور یہ خیالات یا باتیں ہم خود ہی سے بیان کرتے رہتے ہیں یا پھر اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ سب سے بڑا رازدار تو اللہ ہی ہے مگر انسان میں بھی رازداری کی عادت ہونی چاہیے کہ یہ ایک طرح سے امانت ہوتی ہے جس میں خیانت نہیں کتنی چاہیے اور ہمیں نا صرف اپنے بلکہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ بھی ڈالنا چاہیے۔ فلحال تو کچھ ایسے واقعات ہیں اور کردار بھی مگر وہی بات کہ الفاظ کا ساتھ نہیں آمادہ کرتا رہا تو اگلی بار دیکھتے ہیں۔ جی تو یہ تھے ہمارے خیالات اور آخر میں دعا کہ آپ تمام قارئین آباد و شاد رہیں اور یہ نیا سال ہمارے لیے اور ہمارے ملک کے لیے بہت اچھا ثابت ہو۔ امین

گمان سے یقین تک

شفق افتخار

حورین کو یہاں آئے کافی دن ہو گئے تھے اور حیران تھی کہ ان گزرے سبھی دنوں میں ایک بار بھی نہ گھر سے کوئی فون آیا تھا اور نہ ہی کوئی اسے لینے آیا تھا...... حالانکہ گھر میں رامین کی شادی کی تیاریاں زور شور سے جاری تھیں اور تاریخ بھی رکھی جا چکی تھی...... ایسے میں ایک بار بھی کسی کو اس کی غیر موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا...... یہاں تک کہ معیز بھی اس سے لاتعلق ہو گیا تھا۔ اس نے ایک دو بار کے علاوہ پھر اسے کال بھی نہیں کی تھی...... وہ دل ہی دل میں معیز سے بہت خفا تھی کہ وہ اتنے دن سے اس سے بے خبر تھا...... کہ ان ہی بھاگتے دوڑتے دنوں میں ایک دن ممی چلی آئی تھیں...... حورین اور ابی جان ناشتے کے بعد باہر لان میں ہی بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ تبھی گیٹ کے باہر کوئی گاڑی آ کر رکی تھی تو چوکیدار نے پہلے جھانکا اور پھر پورا گیٹ وا کر دیا تھا...... گاڑی ڈرائیو اولے پر آہستہ آہستہ آ کر رک گئی تھی...... ممی گاڑی سے اتر کر سیدھی لان کی طرف آ رہی تھیں اور اس لمحے انہیں وہاں دیکھ کر جانے کیوں حورین کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا...... اس نے ایک بے چینی سی محسوس کی تھی...... جسے وہ سمجھ نہیں پائی تھی...... ممی ان دونوں کے پاس ہی چلی آئیں اور سلام دعا کے بعد وہاں ایک چیئر پر عین ابی جان کے سامنے بیٹھ گئی تھیں...... وہ رامین کی شادی کا دعوت نامہ لے کر آئی تھیں۔

''دراصل بھائی صاحب...... میرے یہاں اس طرح سے اچانک آنے کا ایک اور مقصد بھی ہے...... ورنہ کارڈ تو میں واٹس ایپ بھی کر سکتی تھی مگر جو بات میں کرنے والی ہوں وہ آمنے سامنے بیٹھ کر ہی کرنا مناسب ہے...... میں جانتی ہوں آپ کو برا تو لگے گا مگر آپ میری مجبوری کو

مکمل ناول

دوسرا حصہ

بھی سمجھنے کی کوشش کیجئے گا...... اگر آپ باپ ہیں تو میں بھی ماں ہوں......"

چائے پینے کے بعد وہ اب اس مقصد کی طرف آئی تھیں...... جس کے لئے وہ اتنی دور سے خود چل کر آئی تھیں......

"جی آپ بولیں کیا بات ہے...... سب خیریت ہے نا......"

ابی جان نے ان کی اتنی لمبی تنبیہ سے گھبرا کر پوچھا تھا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میں رامین کے ولیمے کے دن معیز کا نکاح صبا سے کر رہی ہوں......"

"یہ کیا کہہ رہی ہیں ممی آپ...... ایسا کیسے ہو سکتا ہے اور معیز یہ سب کیسے کر سکتا ہے میرے ساتھ......"

حورین ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑی تھی...... بے ہنگم دھڑکن کا سبب اب سمجھ میں آیا تھا......

"دیکھو بیٹا...... مجھے امید ہے تم میری بات سمجھو گی...... میری بات کڑوی ہے مگر سچ ہے...... تمہیں بری لگے گی اور تمہارا دل بھی دکھے گا...... مگر حقیقت یہی ہے اور اس سے چاہ کر بھی نظریں نہیں چرا سکتے ہیں...... معیز میرا اکلوتا بیٹا ہے اور میں پچھلے اڑھائی سال سے اس کی اولاد کی منتظر ہوں اس آس پر کہ اللہ کرم کرے گا...... مگر اب جبکہ یہ امید ہی دم توڑ چکی ہے...... رپورٹس میں بھی واضح آ چکا ہے تو میں مزید صبر نہیں کر سکتی ہوں...... اسی لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے...... صبا اس کی سابقہ منگیتر ہے اور اس بچی نے ابھی تک کہیں اور شادی نہیں کی ہے...... کیونکہ وہ آج بھی معیز کو چاہتی ہے اور اب میں مزید اس بچی کا دل نہیں دکھا سکتی ہوں...... اور وہاں معیز تو وہ مجھے کبھی انکار کر ہی نہیں سکتا ہے...... کیونکہ صبا نہ سہی کوئی اور سہی آج نہیں تو کل...... اولاد کے لئے میں اس کی دوسری شادی ضرور کروں گی......"

انہوں نے اپنے مخصوص نخوت زدہ انداز میں ایک سچ حورین کے کانوں میں کسی پگھلے سیسے کی طرح انڈیلا تھا...... جو تھا تو سچ مگر اس کی جان نکال کر لے گیا تھا...... یہ وقت یہ لمحہ بھی آنا تھا...... اس نے سوچا تو دور کبھی اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا...... وہ باقی سب سے کسی بھی قسم کے رویے کی توقع کر سکتی تھی...... مگر معیز اس کے ساتھ ایسا کرے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی......

یہ دل اب بھی اس کے نام کی...... اس کی محبت کی مالا جپ رہا تھا...... اس کا دل کرلا رہا تھا...... دلنشین آنکھوں میں سمندر اُمڈ آیا تھا۔

"مگر یہ سب اس طرح سے اچانک...... آپ لوگ ایسا کیسے کر سکتے ہیں...... یہ میری بیٹی کے ساتھ ظلم ہے...... اگر اللہ نے اس کی ذات میں ایک کمی اس کی قسمت میں ایک دکھ لکھ دیا ہے...... تو آپ لوگ اس پر مزید ظلم کیوں کر رہے ہیں...... اتنا تو سوچیں اس کے دل پر کیا گزرے گی...... اپنے دل پر ہاتھ رکھیں آپ بھی ایک بیٹی کی ماں ہیں اور اس کی شادی کرنے جا رہی ہیں...... اگر کل کو خدانخواستہ اس کے ساتھ ایسا کچھ ہوا تو......"

ابی جان نے ایک نگاہ حورین کے زرد پڑتے چہرے پر ڈال کر ممی سے کہا تھا۔ کوئی باپ بھلا کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ اس کے سامنے اس کی اولاد پر ستم ڈھایا جائے...... اسے کند چھری سے ذبح کیا جائے...... اور کہا جائے کہ اُف بھی نہ کرے اور چپ چاپ سہہ جائے...... اور جس طرح سے وہ بات کر رہی

تھیں...... انہیں بہت برا لگ رہا تھا...... ان کا لہجہ...... ان کا انداز......

''آپ کی سب باتیں ٹھیک ہیں بھائی صاحب...... میں آپ کے دل کی کیفیت سمجھ سکتی ہوں...... مگر آپ میرے دل سے پوچھیں معیز میرا اکلوتا بیٹا ہے اور میرے دل میں بھی کئی ارمان ہیں اس کی زندگی...... اس کی اولاد کے حوالے سے...... میرے دل پر اس کی سونی زندگی دیکھ کر کیا گزرتی ہے، میں آپ کو بتا نہیں سکتی ہوں...... اور ایسے میں جب ہمارے پاس ایک آپشن موجود ہے تو ہم کیوں نہ استعمال کریں...... حورین کو بھی اس بات کو سمجھنا چاہئے اگر وہ معیز سے محبت کرتی ہے تو اسے اس کی خوشی میں خوش ہونا چاہئے...... میں نے بھی بہت مجبوری میں یہ فیصلہ کیا ہے...... وہ گھر آج بھی حورین کا ہے، وہ جب چاہے وہاں آ سکتی ہے...... میں اب چلتی ہوں...... آپ لوگ آئیے گا ضرور...... ہمیں خوشی ہوگی......''

وہ اپنا بیگ اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئیں...... ابی جان کو خدا حافظ کہا...... حورین کو گلے لگا کر پیار کیا...... اور جیسے آئی تھیں...... ویسے ہی واپس چلی گئیں...... اس بات کا سوچے...... احساس کئے بناء کہ ان کا یہاں اس طرح سے آنا اور ان کی کی گئی باتیں...... یہاں کیا قیامت برپا کر گئی ہیں...... ہم کیسے اس طرح سے کسی کی بھی زندگی سے اس کے جذبات سے کھیل جاتے ہیں اور پل بھر کے لئے بھی کچھ نہیں سوچتے ہیں کہ جب وہی تکلیف پلٹ کر خود پر آئے گی تو کیسا محسوس ہوگا...... مگر افسوس انسان بہت ناسمجھ اور کم عقل ہے۔

✧✧✧

''حورین بیٹا اٹھو کچھ کھا لو...... کب تک اس طرح سے خود کو سزا دیتی رہو گی...... اٹھو شاباش میرا بچہ......''

وہ دھیرے دھیرے اپنی وہیل چیئر چلا کر اس کے بیڈ کے پاس لے آئے تھے...... جہاں وہ ابھی بھی گم صم سی بیٹھی تھی...... پچھلے دو دن سے جب سے ممی ہو کر گئی تھیں اس نے خود کو کمرے میں بند کر رکھا تھا اور بوڑھا باپ اس کی پریشانی میں چکراتا پھر رہا تھا۔

''مجھے بالکل بھوک نہیں ہے ابی جان...... کچھ بھی کھانے کو دل نہیں کر رہا ہے......''

وہ انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھی تھی...... مگر اسے دیکھ کر ان کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا تھا...... سوجی متورم آنکھیں...... اداس چہرہ...... یہ ان کی حورین تو نہیں تھی...... اسے اس طرح سے دیکھ کر ان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''میری جان...... میں تمہارا دکھ یہاں محسوس کر سکتا ہوں...... اپنے بہت اندر تک......''

ابی جان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر عین دل کے مقام پر رکھا تھا۔

''مگر میرے بچے...... حوصلہ کرو...... میری خاطر خود کو سنبھالو...... اگر تم اس طرح کرو گی تو مجھے کیسے حوصلہ ملے گا...... میں کیسے تمہارے لئے لڑوں گا......''

حورین نے ایک نگاہ ان کے چہرے کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں آنسو بہت تیزی سے پھر سے جمع ہونا شروع ہوئے تھے۔

''ابی جان...... میں برداشت نہیں کر پا رہی ہوں...... وہ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے...... میں نہیں سہہ پا رہی ہوں...... وہ سب جانتا ہے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں...... اس کے بناء نہیں رہ سکتی میں...... پھر وہ کیوں

ایک ایسی بات کی سزا مجھے دے رہا ہے جس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے...... میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہو رہا ہے...... کیوں ابی جان...... کیوں......"

وہ ان کے سینے سے لگ کر ہچکیوں سے رونے لگی تھی...... بہت ساری آدھی ادھوری باتیں جو آج تک ان سے چھپاتی آئی تھی...... وہ سب انہیں کہتی چلی گئی تھی...... اور وہ اس کا سینے پر رکھا سر تھپکتے ہوئے بہت دھیان سے اس کی باتیں...... اس کے بے ربط دکھ سن رہے تھے...... وہ اسے ٹوک نہیں رہے تھے...... صرف اس لئے کہ وہ اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لے اور پھر اپنے لئے کوئی فیصلہ کر سکے...... کیونکہ معیز کی ممی کا انداز انہیں صاف بتا گیا تھا کہ ان کا ارادہ اٹل تھا اور وہ اپنے ارادے کو کسی صورت نہیں بدلیں گی...... اب انہیں حورین کو سمجھانا تھا......

"دیکھو بچے...... میں جانتا ہوں یہ سب تمہارے لئے بہت مشکل ہے...... مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میری بیٹی بہت بہادر ہے...... اپنے اندر حالات سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا کرو...... جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا...... تم کیوں خود کو ارزاں کر رہی ہو...... ایک ایسے انسان کے لئے...... جس نے تمہاری قدر نہیں کی...... اللہ کی دی گئی کمی کو تمہارا قصور بنا دیا...... آزمائے ہوئے تو دوبارہ نہیں آزماتے ہیں لیکن پھر بھی تمہاری تسلی کے لئے تم اس کے پاس جاؤ...... خود اس کے پاس جاؤ...... پھر جو تمہارا دل چاہے...... وہ فیصلہ کرو......"

کسی بچے کی طرح اسے سنبھالے...... وہ قطرہ قطرہ حوصلہ اور امید اس کے اندر انڈیل رہے تھے۔

"ابی جان...... میں اتنی بہادر قطعی نہیں ہوں...... صرف یہ سوچ کر آج تک سب کچھ برداشت کرتی رہی کہ آپ نے رخصت کرتے وقت کہا تھا کہ اپنا گھر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ بیٹی اپنے گھر کی اور شوہر کی بات کبھی مجھے نہ بتانا اور میں نے وہی کیا...... لب سیئے اتنا عرصہ گزار دیا...... کہ معیز میری پسند تھا اور اپنے پسند کردہ شخص کے دیئے گھاؤ میں آپکی جھولی میں کیوں ڈالوں...... مگر اب یہ سب میں اکیلے برداشت نہیں کر سکتی ہوں...... ابی جان...... میں اور اکیلے نہیں رہ سکتی ہوں...... پر آپ ٹھیک کہتے ہیں کم از کم ایک بار اس کے پاس جا کر اس سے یہ ضرور پوچھوں گی...... کہ یہ محبت کرنے والے آخر بیچ راہ میں چھوڑ کر کیوں جاتے ہیں...... اکیلا کرنے کی اتنی وجوہات کیوں ڈھونڈتے ہیں...... زمانے کے ہاتھوں کٹھ پتلی کیوں بن جاتے ہیں...... اوروں کے اشارے پر تماشا دکھانے والی...... مجبوریوں کی ڈوری سے بندھی کٹھ پتلی...... میں ایک بار اس سے یہ ضرور پوچھوں گی......"

حورین نے چھلکتے آنسو تو اب صاف کر لئے تھے مگر آنکھوں کی سرخی صاف چغلی کھا رہی تھی کہ ان دلربا آنکھوں نے محبت کے نام پر کتنے دریا بہا دیئے ہیں...... ابی جان خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں ابی جان...... آپ پریشان نہ ہوں...... آپ ٹھیک کہتے ہیں...... جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا...... مجھے اب خود کو مضبوط کرنا ہوگا...... اپنے دل کو سمجھانا ہوگا......"

وہ اب ان کے ہاتھ تھامے انہیں تسلی دے رہی تھی...... وہ مسکرا دیئے تھے...... بچپن میں بھی وہ ایسے ہی کرتی تھی...... چوٹ لگنے پر پہلے خود

روتی تھی...... سب کو پریشان کرتی تھی...... پھر سب کو فکر مند دیکھ کر خود ہی سب کو تسلی دینے لگتی تھی......

''میں ٹھیک ہوں...... تم میری فکر نہ کرو......''

انہوں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا تھا۔

''چلیں چل کر کھانا کھاتے ہیں...... آپ کو بھوک لگی ہوگی...... پھر آپ کو دوا بھی نہیں دی ہوگی......''

حورین نے اپنے چہرے پر رکھے ان کے دونوں بے جان ہاتھوں کو باری باری چوم لیا تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی...... واش روم میں جا کر اچھی طرح سے منہ ہاتھ دھویا اور ان کی وہیل چیئر دھکیلتی باہر لے آئی تھی...... جہاں نفیس خان رات کا کھانا ٹیبل پر لگائے ان کا منتظر تھا۔

✧✧✧

''میں یہ نکاح نہیں کر سکتا ہوں ممی...... کسی صورت بھی نہیں......''

اس رات ممی جب اسے صبا کے لئے لایا جانے والا عروسی جوڑا دکھا رہی تھیں...... تب اس نے کتنے ہی دنوں سے دل میں دبے انکار کو ان کے سامنے کر دیا تھا......

''کیا مطلب...... کیا کہہ رہے ہو تم...... تمہارا دماغ ٹھکانے پر ہے...... مجھ سے یہ فضول باتیں مت کرو معیز...... اتنی فارغ نہیں ہوں میں کہ ہر وقت تم لوگوں کی یہ الٹی سیدھی باتیں سنتی رہوں میں......''

وہ ابھی تک مصروف سی اسی جوڑے میں مگن تھیں...... جو انہوں نے بڑے چاؤ سے صبا کے لئے خریدا تھا...... انہوں نے معیز کی بات کو سنجیدگی سے لیا ہی نہیں تھا...... اور نہ اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ممی میں مذاق نہیں کر رہا ہوں...... بہت سنجیدگی سے اپنے پورے ہوش و حواس میں یہ بات کر رہا ہوں اور مجھے میری مرضی کے بناء مجبور نہیں کر سکتی ہیں......''

وہ اب بھی پوری سنجیدگی سے کہہ رہا تھا...... اپنے اندر کا دکھ صرف وہ ہی جانتا تھا...... اور اس کی مردانہ اَنا اس بات کو گوارا نہیں کرتی تھی کہ وہ اپنے اندر چھپے دکھ سب کے سامنے عیاں کرے چاہے وہ اس کی ماں اور بیوی ہی کیوں نہ ہوں یوں بھی ہمارے معاشرے میں عورت کو موردِ الزام ٹھہرانا بہت آسان ہوتا ہے...... چاہے وہ قصوروار ہو یا نہ ہو......

''اور یہ خناس تمہارے دماغ میں کس نے بھرا ہے...... ذرا مجھے یہ بھی بتا دو...... کل تک تو تم ایسا کچھ نہیں کہہ رہے تھے اور سب کچھ ہنسی خوشی کر رہے تھے...... اب اچانک سے کیا ہو گیا ہے تمہیں معیز...... ذرا پتہ تو چلے......''

ہاتھ میں تھاما عروسی جوڑے کا دوپٹہ ایک سائیڈ پر رکھ کر اب وہ پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں......

''یہ میری زندگی ہے ممی...... اسے اپنی مرضی سے گزارنے کا اور اس کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے کا پورا حق ہے مجھے...... اور نہ ہی میں پابند ہوں سب کچھ آپ کو بتانے کا...... میں نہ کل صبا میں انٹرسٹڈ تھا اور نہ آج ہوں...... آپ نے خود ہی سب کچھ پلان بھی کر لیا اور خود ہی سب کچھ سوچ بھی لیا...... ایک بار بھی مجھ سے پوچھنا تک گوارا نہیں کیا اور یہاں تک کہ حورین اور انکل سے بھی جا کر کہہ دیا...... میری انگلی پکڑ کر مجھے کیوں چلانا چاہتی ہیں آپ......''

وہ حد درجہ بیزار لہجے میں چلایا تھا...... کس قدر ٹوٹا ہوا لہجہ تھا اس پل معیز کا مگر ان کے پاس یہ سب محسوس کرنے کی فرصت نہیں تھی...... انہیں بھی اپنی خوشی اور خواہش زیادہ پیاری تھی۔

''اچھا تو میں اب سمجھی کہ یہ کس کا سکھایا ہوا تم بول رہے ہو...... اس کا جادو ابھی تک تمہارے سر سے اترا نہیں ہے...... اسی لئے میں چاہتی ہوں کہ یہ سب اس کی غیر موجودگی میں ہو...... وہ اگر یہاں پہنچ گئی تو میرا سارا کیا کرایا پلان بگڑ جائے گا......''

''ممی پلیز اب آپ حورین کے متعلق ایک لفظ نہیں کہیں گی کیونکہ اگر وہ میری زندگی سے ہمیشہ کے لئے چلی بھی جائے نا میں تب بھی کبھی صبا سے شادی نہیں کروں گا...... یہ میرا آخری فیصلہ ہے......''

''معیز رکو میری بات سنو......''

وہ بہت واضح الفاظ میں انہیں یہ باور کرا گیا تھا کہ وہ چاہتا ہے اور اگر اس کے ساتھ زبردستی کی گئی تو اس کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے...... لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اور وہ پیچھے اسے پکارتی ہی رہ گئی تھیں......

✧✧✧

''میں آپ کو کیسے سمجھاؤں ممی کہ میں حورین کو ایک دھوکا دے چکا ہوں...... اب کوئی اور دھوکا نہیں دے سکتا ہوں اور یہ بات میں کبھی کسی کو نہیں سمجھا پاؤں گا کہ میں نے ایسا کیوں کیا......''

کمرے میں اس وقت مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی اور اس تاریکی میں معیز کے لبوں میں دبے سگریٹ کا ننھا شعلہ بہت نمایاں لگ رہا تھا۔

''میں کبھی کسی کو نہیں سمجھا پاؤں گا کہ جب کل وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ وہ میرے بغیر نہیں رہ پائے گی...... اسے میرے بغیر نیند نہیں آتی تو میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر میرے اردگرد گر رہا تھا اور میں خاموش تماشائی بنا سب دیکھ رہا تھا......''

''میں بہت مجبور ہوں حورین...... تم جانتی ہو نا کہ صبا...... فہد کی بہن ہے اور میں اگر اب بھی صبا سے نکاح نہیں کرتا تو وہ رامین کا رشتہ بھی توڑ دیں گے اور میں اپنی بہن کو یہ دکھ نہیں دے سکتا، وہ بھی عین شادی سے کچھ دن پہلے...... وہ نہیں سہہ پائے گی...... بہت محبت کرتی ہے وہ فہد سے...... بچپن سے دونوں ساتھ ہیں......''

وہ اس کے ہاتھ تھامے اسے دھیرے سے سمجھا رہا تھا۔ ان ملائم ہاتھوں کی نرماہٹ اپنے اندر اتار رہا تھا۔ اسے پتہ تھا کہ یہ ہاتھ پورے حق سے وہ اب کبھی نہیں تھام سکے گا......

''اور میں...... میرا نہیں سوچا تم نے معیز...... کیا میں یہ سب سہہ پاؤں گی...... نہیں سوچا...... بالکل نہیں سوچا...... صرف اس لئے کیوں کہ میں تمہیں اولاد نہیں دے سکتی...... تو میری باقی ساری محبتیں...... ساری وفائیں کچھ معنی نہیں رکھتی ہیں......''

اس کی آنکھوں میں چھپے تمام شکوؤں اور تمام سوالوں کا جواب اس لمحے معیز کا دل دے رہا تھا۔

''مجھ سے پوچھو...... تم میرے لئے کیا ہو پگلی......''

''میں تمہیں چھوڑ تو نہیں رہا نا حورین...... ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے......''

''پر میرا دل اتنا بڑا نہیں ہے معیز...... میری محبت وہ محبت نہیں ہے کہ میں تمہیں شیئر کر سکوں...... میں خود میں اتنا ظرف نہیں پاتی......''

مجھے بتاؤ میں کیا کروں...... میں مجبور ہوں اس معاملے میں......"

اس کے چھلکتے آنسو معیز کے پیروں کی زنجیر بن رہے تھے۔ پر اسے اس لمحے خود کو مضبوط ظاہر کرنا تھا...... حالانکہ اس لمحے اس کا وجود بھر بھری مٹی میں تبدیل ہو رہا تھا...... اسے آج پتہ چلا تھا کہ وہ حورین سے کتنی محبت کرتا ہے۔

"میں بہت مجبور ہوں حورین...... اس بار میں ممی کی خواہش رد نہیں کر سکتا ہوں...... آئی ایم سوری......"

معیز نے اس کے ہاتھ چھوڑ کر اسے خود سے لگا لیا تھا۔

"ٹھیک ہے معیز...... میں اب تمہیں مزید کسی آزمائش میں نہیں ڈالوں گی...... پر مجھے اتنا پتہ ہے کہ میں اب کبھی واپس پلٹ کر تمہاری زندگی میں بھی نہیں آؤں گی......"

یہ حورین کے وہ الفاظ تھے جو معیز کی پوری ہستی کو ہلا کر گئے تھے...... اپنے ہاتھوں سے خود اپنی عزیز از جان ہستی کو اپنی زندگی سے بے دخل کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے...... یہ معیز نے آج جانا تھا...... حورین جاتے جاتے اس کی زندگی کے سب رنگ بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی...... پر معیز شاید مطمئن تھا ہاں پر اس کا دل ضرور رو رہا تھا...... اور شاید اسے ساری زندگی رونا ہی تھا...... کیونکہ مکین دل جب رخصت ہو جائیں تو خالی در و دیوار آسیب زدہ ہو کر ماتم ہی کرتے ہیں...... رامین کی شادی کے کچھ دن بعد معیز نے اسے طلاق بھجوادی تھی اور خود ملک سے باہر چلا گیا تھا...... مگر حورین اس حقیقت سے بے خبر تھی۔

✧✧✧

پلوشہ گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی...... کہاں، کسی کو پتہ نہیں تھا...... اور ایسا اس نے اس لئے کیا تھا...... کیونکہ دونوں گھرانوں کے لوگ اس وقت آرش کے ساتھ تھے اور سب اسے ہی برا بھلا کہہ رہے تھے...... کیونکہ وہ اپنی بسی بتائی جنت اجاڑنے پر تلی ہوئی تھی...... اور کوئی بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا گھر خراب ہو اور آرش اسے طلاق دے...... اور پلوشہ اب کسی صورت اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی...... اور ایسی صورت میں اس کے پاس بس ایک ہی حل رہ گیا تھا کہ چپ چاپ یہ گھر چھوڑ دے اور اپنی من پسند انسان کے ساتھ زندگی گزارے اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر وہ ایسا کچھ بھی کرے گی تو آرش اسے کبھی بھی دوبارہ نہیں اپنائے گا اور وہ یہی چاہتی تھی...... آرش کا دل اس سے اس قدر خراب ہو چکا تھا...... اس کا دل اس عورت کی چال بازیوں سے اس قدر تنگ آ چکا تھا کہ اس نے اسے قطعی ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی تھی...... اور پھر جو عورت اپنا بسا بسایا گھر چھوڑ کر یہاں تک کہ اپنے چھ ماہ کے شیر خوار بچے کی پرواہ کئے بناء چلی جائے...... اسے ڈھونڈ کر وہ بھلا اس سے کس وفا کی امید رکھتا...... وہ اب مکمل طور پر اس کے دل سے اتر چکی تھی......

البتہ اس کے گھر والے...... بالخصوص اس کے بھائی اسے ڈھونڈ رہے تھے...... مگر ابھی تک اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں مل سکا تھا۔ اب انہیں پتہ چل رہا تھا کہ حد سے بڑھا ہوا لاڈ پیار اور بے جا اس کی حمایت نے انہیں اب زمانے بھر میں رسوا کر دیا تھا...... وہ سب اس وقت آرش سے بے حد شرمندہ تھے...... مورلے اور بابا جان اس کے پاس آ گئے تھے اور وہ اس قدر غصے میں تھا کہ کسی کی بھی کوئی بھی بات سننے کو تیار نہ تھا۔

”بچے ذرا ٹھنڈے دماغ سے کام لو۔۔۔۔۔۔ اسے تو جو کالک ہمارے منہ پر ملنا تھی وہ مل کر جا چکی ہے۔۔۔۔۔۔ پر تم تو کچھ ہوش کے ناخن لو۔۔۔۔۔۔ اپنے بیٹے کا ہی کچھ خیال کرو۔۔۔۔۔۔“

مورلے جب سے آئی تھیں وہ مستقل اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں کہ وہ جذبات میں آ کر کہیں کوئی انتہائی قدم نہ اٹھالے۔۔۔۔۔۔

”آپ لوگ اب بھی یہی کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ اب بھی مجھے ہی سمجھا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ کسی کو یہ نظر نہیں آ رہا کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔۔۔۔۔۔ میری کتنی بے عزتی ہو رہی ہے۔۔۔۔۔۔ میری بیوی گھر سے بھاگ گئی ہے اور نامردوں کی طرح ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھ جاؤں۔۔۔۔۔۔ میں اسے ڈھونڈ کر اسے گولی مار دوں۔۔۔۔۔۔ مگر بہت معذرت کے ساتھ مورلے۔۔۔۔۔۔ یہ سب آپ لوگوں کا قصور ہے۔۔۔۔۔۔ آپ لوگوں نے بہت غلط کیا میرے ساتھ۔۔۔۔۔۔ بہت برا۔۔۔۔۔۔ کہ زمانے بھر میں صرف ایک وہی رہ گئی میرے لئے۔۔۔۔۔۔ اگر اس وقت کچھ سمجھ سے کام لیا ہوتا تو آج ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔۔۔۔۔۔ سب کچھ جانتے بوجھتے جب آپ لوگ جانتے تھے کہ اس کے گھر والے جانتے تھے کہ وہ یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تو کیوں میری زندگی خراب کی۔۔۔۔۔۔ کیوں اس معصوم کی زندگی برباد کی سب نے مل کر۔۔۔۔۔۔ اب بتائیں مجھے میں کیا کروں۔۔۔۔۔۔ میں اگر آج تک خاموش تھا تو صرف آپ لوگوں کی وجہ سے وگرنہ وہ عورت کسی طور بسانے کے قابل نہیں تھی۔۔۔۔۔۔ مگر اب اور نہیں اب اس نے میری غیرت پر وار کیا ہے۔۔۔۔۔۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔۔۔۔۔۔“

وہ اس وقت پورے لاؤنج میں چکراتا پھر رہا تھا۔۔۔۔۔۔ اس کا غیور خون اس کے دماغ میں ٹھوکریں مار رہا تھا۔۔۔۔۔۔ میکال مورلے کی گود میں سو رہا تھا۔۔۔۔۔۔ ملازموں کو اس نے فی الحال چھٹی دے دی تھی۔۔۔۔۔۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہاں کسی کو اس بارے میں پتہ چلے۔۔۔۔۔۔ بعد میں وہ کچھ بھی کہہ سکتا تھا اس کی غیر موجودگی کے بارے میں۔۔۔۔۔۔ مگر ابھی وہ خود صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔ بابا جان خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے اور مورلے بس خاموش آنسو بہا رہی تھیں۔۔۔۔۔۔ وہ جب سے آئی تھیں۔۔۔۔۔۔ بس یہی کر رہی تھیں۔۔۔۔۔۔ یا اسے سمجھا رہی تھیں۔۔۔۔۔۔ یا آنسو بہا رہی تھیں۔۔۔۔۔۔

”ٹھنڈے ہو جاؤ آرش خان۔۔۔۔۔۔ ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔۔۔۔۔۔ ایسی عورتوں کو زیادہ سر پر سوار نہیں کیا کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔ شریف خون ہوتی تو بستی۔۔۔۔۔۔ نہیں تھی اس لئے بھاگ گئی۔۔۔۔۔۔ نظر آئے تو بے دریغ گولی مار دینا۔۔۔۔۔۔ مگر اب سوچو کہ آگے کیا کرنا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ سچ ہے کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی۔۔۔۔۔۔ تم ہمارے اکلوتے بیٹے تھے۔۔۔۔۔۔ ہمیں تمہاری زندگی کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے تھا۔۔۔۔۔۔ پر میں بھی اس وقت تمہاری ماں کی باتوں میں آ گیا تھا۔۔۔۔۔۔ سب کا خیال تھا کہ وہ شادی کے بعد ٹھیک ہو جائے گی۔۔۔۔۔۔ مگر وہ اتنی کم ظرف نکلے گی ہم نہیں جانتے تھے۔۔۔۔۔۔ سوچا تھا خاندان کی بچی ہے، پردہ رکھتے ہیں اس کا مگر جو زمانے میں بے پردہ اور رسوا ہونا چاہے تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔۔۔۔۔۔“

اس بار بابا جان نے اپنے لفظوں میں اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی اور ان کے الفاظ نے آرش کا غصہ کسی قدر کم کر دیا تھا۔۔۔۔۔۔

”یہی مسئلہ ہے بابا جان ہمارے معاشرے کا کہ ہر مسئلے کے حل کو شادی سے مشروط کر دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔ کوئی بیمار ہے تو اس کی شادی کر دو ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔ کوئی کسی کو پسند

کرتا ہے، شادی کر دو ٹھیک ہو جائے گا...... لیکن ہر مسئلے کو اس حساب سے حل کرنا چاہئے جو اس مسئلے کا اصل حل ہے...... اس طرح سے شاید کتنی ہی زندگیاں برباد ہونے سے بچ جائیں گی......

یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے بابا جان، میں کیسے جاؤں...... وہ میری بیوی تھی...... میرے بچے کی ماں...... پچھلے دو سال سے وہ عورت میرے ضبط کو آزماتی رہی ہے...... میری زندگی کے دو قیمتی سال بابا جان...... اتنا آسان نہیں ہے بھلانا......"

اپنے قریب بیٹھے جوان بیٹے پر انہیں اس وقت بے پناہ ترس آ رہا تھا...... کیونکہ ان کا بیٹا اس سب کے قابل نہیں تھا...... جو سب اس کے ساتھ ہوا...... مگر اب کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا...... قسمت نے اپنی چال چل دی تھی...... اور اب آگے آنے والا وقت اس کے لئے کیا لے کر آنے والا تھا...... یہ وہ نہیں جانتے تھے، بس دعا ہی کر سکتے تھے...... کہ اب اس کے ساتھ کچھ برا نہ ہو...... کیونکہ یہ سچ ہے کہ وقت گزر جاتا ہے، ہم آگے بڑھ جاتے ہیں...... مگر انسان اپنے ماضی کو کبھی مکمل بھول نہیں پاتا ہے...... خاص کر وہ لمحے جن میں اس نے کوئی چوٹ کھائی ہو...... تکلیف اٹھائی ہو...... وقت کی رفتار کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ہے...... گھڑی کی ٹک ٹک انہیں جلد ہی آگے پہنچا دیتی ہے......

❖❖❖

زندگی بھی کتنی عجیب چیز ہے نا......

جن لوگوں کے بناء ہم کبھی جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں...... ایک دن بھی ان سے دور نہیں رہ سکتے ہیں اور جب وہی لوگ ہماری زندگیوں سے دور چلے جاتے ہیں تو ہم چند نہ سہی مگر چند مہینوں میں انہیں مکمل بھول تو نہیں جاتے مگر ان کے بغیر جینا ضرور سیکھ لیتے ہیں......

کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ اگر وہ چاہے تو جلد آگے بڑھ سکتا ہے اور اگر نہ چاہے تو سدا ماضی کی گلیوں میں بھٹکتا رہتا ہے...... اور حورین کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ وہ جو کبھی معیز کے بنا جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی...... اب پچھلے چھ ماہ سے اس کے بنا رہ رہی تھی...... دل سے اس بات کو تسلیم کر چکی تھی کہ اب وہ اس کی زندگی میں نہیں ہے...... اس کے لئے نامحرم ہے...... اور اب ان دونوں کا کوئی تعلق نہیں ہے...... اور اب تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے کبھی کوئی تعلق تھا ہی نہیں...... ہاں البتہ اسے معیز سے شکایتیں بہت تھیں...... شکوے تھے...... محبت کرنے والے...... سدا ساتھ نبھانے کے وعدے کرنے والے جب بیچ راہ میں ساتھ چھوڑ جائیں تو دکھ تو ہوتا ہے نا...... دل میں ایک چبھن تو ہوتی ہے نا کہ آخر ہمارے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا...... اور یہ تمام سوچیں انسان جب تک زندہ ہے اس کے لگی ہی رہتی ہیں...... امی جان اس کا پہلے سے بڑھ کر خیال رکھنے لگے تھے اور آرش بھی اکثر ہی آ جاتا تھا...... وہ بھی اپنے مسائل بھلا کر حورین کے لئے پریشان تھا...... مگر قسمت میں یہی لکھا تھا...... اسے بھلا کون جھٹلا سکتا تھا...... اس دن بھی وہ باہر لان میں امی جان کے ساتھ بیٹھی چائے پی رہی تھی، موسم بہت اچھا تھا...... بہار کی آمد آمد تھی...... اور ہوا خوشگوار تھی...... شدید سردی کے بعد یہ موسم اب جسم و جان کے ساتھ ساتھ دل کو بھی بھلا لگ رہا تھا...... وجود پہ خوشگوار اثر چھوڑ رہا تھا...... گو کہ درختوں پر ابھی تک پوری طرح بہار نہیں اتری تھی...... کچھ پھول پورے خواب کھلکھلا کر بہار کی آمد کا پتہ دے رہے تھے۔ ایسے میں مدھم چلتی ہوائیں شام کے

اس پہر لان میں بیٹھ کر چائے پینا بہت اچھا لگ رہا تھا...... وہ اور ابی جان اکثر ہی یہاں آ بیٹھتے تھے۔ تبھی آرش وہاں چلا آیا تھا...... ان دونوں کو وہیں لان میں بیٹھا دیکھ کر وہ بھی وہیں چلا آیا تھا...... وہ اب روز ہی تقریباً پہلے کی طرح چکر لگا تا تھا...... اور وہ کبھی ویک اینڈ پر میکال کو بھی ساتھ لے آتا تھا...... مگر وہ یہاں زیادہ کسی سے مانوس نہیں تھا تو ایڈجسٹ نہیں کر پاتا تھا...... وہ علاوہ اپنی گورنس کے اور کسی کے ساتھ بھی زیادہ مانوس نہیں تھا......

''اور آرش بیٹا سب کیسا چل رہا ہے...... پوچھنا تو نہیں چاہئے مگر پھر بھی پلوشہ کا کچھ پتہ چلا......''

چائے پینے کے دوران ابی جان نے اس سے پوچھا تھا...... اور پلوشہ کے ذکر پر لمحہ بھر میں اس کے چہرے پر لالی چھلکنے لگی تھی...... جسے اس نے بمشکل ضبط کیا تھا......

''نہیں...... ابی جان......''

اس کے مختصر جواب نے ابی جان کو مزید کچھ بھی سوچنے سے روک دیا تھا۔

''سچ کہوں ابی جان تو میں نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش ہی نہیں کی ہے......''

''اسے ڈھونڈنا بھی مجھے اپنی توہین لگتا ہے......''

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے ابی جان سے کہا تھا...... جواباً ابی جان نے خاموش منتظر نگاہوں سے اسے دیکھا تھا...... جیسے اس کو مزید سننے کے منتظر ہوں......

''کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ وہ عورت میری اور میرے بیٹے کی زندگی میں واپس آئے...... مجھے اس کے بارے میں سوچ کر بھی گھن آتی ہے...... خود پر شرم آتی ہے مجھے کہ میں نے دو سال ایسی عورت کے اوپر اپنے خالص جذبات لٹائے جس کے دل میں کوئی اور تھا...... میں چاہوں تو چند گھنٹوں میں اسے ڈھونڈ نکالوں...... مگر میں نے سرے سے ایسی کوئی کوشش کی ہی نہیں...... صرف اس لئے کہ اگر وہ مل گئی تو کہیں مجھے کوئی اور سمجھوتہ نہ کرنا پڑ جائے...... اب نہ میرے گھر میں اور نہ میری زندگی میں اس کی کوئی جگہ ہے......''

''اور میکال...... اس سب میں اس معصوم کا کیا قصور ہے...... اسے تو زندگی کے ایک ایک قدم پر ماں کی ضرورت ہے...... یہ غلط ہے آرش، آپ کو کم از کم ایک بار اسے ڈھونڈنے کی کوشش ضرور کرنا چاہئے تھی...... پتہ تو چلے کچھ کہ وہ کن حالات میں ہے......''

حورین نے اس کے خاموش ہوتے ہی کافی دیر سے دل میں مچلتے سوالوں کو اس سے کہہ ڈالا تھا...... وگرنہ وہ اس معاملے میں بولنا نہیں چاہ رہی تھی کہ کہیں آرش کو برا نہ لگ جائے کہیں...... مگر اس سے ایک معصوم بچے کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی...... وہ ایک سال کا بچہ مکمل طور پر گورنس کے حوالے تھا...... آرش بھی اسے مکمل وقت نہیں دے پاتا تھا...... مگر وہ بھی کیا کرتا، وہ بھی مجبور تھا، وہ اب مزید اپنی مردانہ اَنا کا سر نہیں کچل سکتا تھا......

''حورین...... میکال نے کبھی ماں کی محبت دیکھی ہی نہیں ہے...... وہ ممتا بھرا لمس...... وہ شفقت جو اس کا حق تھی اس نے کبھی محسوس ہی نہیں کی ہے...... پلوشہ نے اسے پیدا ضرور کیا مگر کبھی اسے قبول نہیں کیا اور نہ ہی اس کی کوئی ذمہ داری نبھائی...... وہ شروع سے ہی گورنس کے پاس رہا ہے اور اب بھی وہی اسے سنبھالتی ہے...... ہاں میری غیر موجودگی میں گاؤں سے

کوئی نہ کوئی آ جاتا ہے...... کبھی مور لے تو کبھی کوئی بہن...... اتنا مجھے پتہ ہے کہ پلوشہ کے نہ ہونے سے میکال کو کوئی فرق نہیں پڑا ہے......''
آرش نے چائے کا کپ خالی کر کے ٹیبل پر رکھتے ہوئے اسے خاصا تفصیلی جواب دیا تھا۔
''پر بیٹا ایسا کب تک چلے گا...... اس مسئلے کا کوئی حل تو ہوگا ناں...... پلوشہ نے غلط کیا...... بہت غلط...... اسے اس طرح نہیں کرنا چاہئے تھا...... ایک اپنے نفس کی خاطر اس نے کتنی زندگیاں داؤ پر لگا دی ہیں...... اپنے خاندان کی عزت روند دی...... اپنے بچے کا بھی خیال نہیں کیا......''
ابی جان نے تاسف بھرے انداز میں کہا تھا...... آرش کی تکلیف...... اس کا دکھ...... وہ اپنے بہت اندر تک محسوس کرتے تھے...... وہ ان کا بہت عزیز بیٹا تھا...... بہت صبر والا اور یہ سوچ گران کا دل بہت دکھتا تھا کہ اس نے جو کچھ سہا ہے وہ اس سب کے قابل نہیں تھا...... وہ ہمیشہ ایک بہت اچھی اور خوشگوار زندگی کا خواب دیکھتا تھا...... مگر افسوس اس کی زندگی ویسی نہ ہو سکی...... بے شک وہ اپنی زبان سے کچھ نہیں کہتا تھا...... مگر وہ جانتے تھے...... سمجھتے تھے اس کے دل کے درد کو......
''بس ابی جان...... کچھ لوگوں کی فطرت ایسی ہوتی ہے...... انہیں نہ عزت راس آتی ہے اور نہ محبت...... دراصل وہ اس قابل ہی نہیں ہوتے ہیں مگر پھر بھی اگر قسمت انہیں یہ موقع فراہم کرتی ہے اور انہیں پلیٹ میں سجا کر دونوں چیزیں مل جائیں تو وہ ٹھوکر مار کر چلے جاتے ہیں...... اور پھر ساری زندگی عزت اور محبت کے لئے ترستے رہتے ہیں...... آپ پریشان نہ ہوں...... میں ٹھیک ہوں......''
آرش نے اپنے مخصوص دھیمے انداز میں انہیں تسلی دی تھی...... وہ اپنے والدین اور ابی جان کے سامنے کوشش کرتا تھا کہ نارمل ہی رہا کرے تاکہ وہ لوگ پریشان نہ ہوں...... اور اپنے اندر اس کی وجہ سے کوئی گلٹ محسوس نہ کریں...... کیونکہ اب جو ہونا تھا...... وہ ہو چکا تھا...... اب لکیر پیٹنے کا کیا فائدہ......

✧✧✧

گزرتا وقت اپنے ساتھ بہت کچھ لے جاتا ہے...... قیمتی لمحے...... قیمتی لوگ...... قیمتی یادیں...... مروقت کی اچھائی یہ ہے کہ گزر جاتا ہے...... بچھڑنے والے بچھڑ جاتے ہیں اور یاد کرنے والے بے شک انہیں یاد کرتے رہ جاتے ہیں...... لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وقت سے بڑا مرہم اور کوئی نہیں ہوتا ہے...... حورین نے اپنی زندگی سے...... اپنے دل سے معیز کی یاد کو بھلانے کی پوری کوشش کی تھی...... اس کی دی ہوئی ایک ایک چیز اٹھا کر پھینک دی تھی...... اپنی شادی کی تصویریں...... ویڈیوز...... اٹھا کر سٹور میں ڈال دی تھیں...... اپنے موبائل سے اس کی ہر یاد...... ہر تصویر...... میسج مٹا دیا تھا...... اپنے بیڈ سائیڈ ٹیبل سے اپنی اور اس کی تصویر بھی اسی دن ہٹا دی تھی...... جب سے وہ دونوں الگ ہوئے تھے...... وہ پوری کوشش کر رہی تھی اپنی زندگی میں آگے بڑھنے کی...... ابی جان کی خاطر خوش رہنے کی کوشش کرتی تھی...... کیونکہ وہ اسے اداس اور خاموش دیکھ کر پریشان ہو جاتے تھے...... اور حورین کے پاس اب اس کی زندگی میں ایک ہی قیمتی رشتہ تھا اور وہ تھے اس کے ابی جان...... اس کے جان سے پیارے ابی جان...... اس نے ابھی تک اپنی جاب دوبارہ سے شروع کرنے کا نہیں سوچا

تھا...... مگر فی الحال خود کو گھر میں بزی کر لیا تھا...... ان کے کچن میں آج بھی نفیس خان کی ہی اجارہ داری تھی...... ہاں اب حورین نفیس خان سے لڑ جھگڑ کر اپنا اور ابی جان کا ناشتہ خود بنا لیا کرتی تھی...... باقی کچن نفیس خان ہی سنبھالتے تھے...... فارغ وقت میں وہ ابی جان کے ساتھ گپ شپ کرتی تھی...... اچھی اچھی کتابیں پڑھتی تھی...... شادی سے پہلے اسے پنسل سکیچنگ کا بہت شوق تھا...... اس نے باقاعدہ یہ کام سیکھا تھا اور بہت اچھی سکیچنگ کیا کرتی تھی...... لیکن شادی کے بعد اس نے کوئی سکیچ نہیں بنایا تھا...... لیکن اب وہ پھر سے اپنے شوق پر توجہ دے رہی تھی...... آرش اکثر شام کو آ جاتا تھا اور اکثر میکال بھی اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ اب ایک سال کا ہو گیا تھا۔ میکال اب چلنا سیکھ گیا تھا...... سو سارے گھر میں ننھے قدموں سے چلتا رہتا تھا...... گرتا تھا سنبھلتا تھا...... وہ ہو بہو آرش کے جیسا تھا۔ وہ زیادہ صاف نہیں بولتا تھا...... مگر ابی جان کو دادا بلاتا تھا اور آرش کو بابا...... پلوشہ کے گھر والے آرش سے بہت شرمسار تھے...... کیونکہ انہوں نے پلوشہ کا پتہ لگا لیا تھا...... وہ اپنی اس سہیلی کے گھر میں رہ رہی تھی...... جس کے بھائی کو وہ پسند کرتی تھی۔ اس نے نکاح پر نکاح کر لیا تھا اور کسی طور واپس آنے کو تیار نہ تھی...... اور آرش کو اس کی چنداں پرواہ نہ تھی...... اسے اس کے بارے میں سوچ کر ہی گھن آتی تھی...... کوئی اس قدر بھی گر سکتی ہے...... اس نے سوچا بھی نہیں تھا...... ایسی عورت کہ اولاد جیسی خوبصورت نعمت اس کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکے...... ایسی نفس کی غلام عورت کا خیال بھی وہ اپنے دل میں لانا گناہ سمجھتا تھا...... میکال کو آج بھی اس کی گورنس ہی سنبھالتی تھی...... ہاں گاؤں سے اکثر کوئی نہ کوئی آ جاتا تھا...... یہاں بھی اب سب سے یہ بات جان چکے تھے کہ آرش نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے...... مورلے اب مستقل اس کے پاس آ کر رہنا چاہتی تھیں...... مگر بابا جان وہاں اکیلے ہو جاتے تھے اور آج بھی کسی طور اپنا گاؤں چھوڑنے پر راضی نہیں تھے...... سو وہ ان کی وجہ سے مجبور ہو کر رک جاتی تھیں......

✦✦✦

"حورین یہاں بیٹھو بیٹا...... تم سے کچھ بات کرنی ہے......"

رات جب وہ کھانے کے بعد ابی جان کے لئے دودھ لے کر آئی تو انہوں نے اسے روک لیا تھا...... انہوں نے کتاب بند کر کے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور اپنے قریب اس کے بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی تھی۔

"کیا بات ہے ابی جان...... سب خیریت ہے نا......"

حورین نے ایک نگاہ ان کے پرسوچ چہرے پر ڈال کر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ان سے پوچھا تھا......

"ہوں...... سب خیریت ہے...... حورین......"

وہ لمحہ بھر کو ٹھہرے...... حورین نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا۔

"تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے بیٹے...... کب تک اس طرح سے اکیلی رہو گی......"

"کیا مطلب ابی جان...... میں اکیلی تو نہیں ہوں...... آپ ہیں نا میرے ساتھ۔"

حورین نے محبت سے ان کے ہاتھ کا بوسہ لیا تھا۔

''میری جان...... میں کب تک رہوں گا...... میں مزید تمہیں اس طرح سے اکیلا اور تنہا نہیں دیکھ سکتا ہوں...... میں چاہتا ہوں کہ کوئی ہوا ایسا کہ جس کے ہاتھ میں میں تمہارا ہاتھ دے کر مطمئن ہو جاؤں کہ ہاں میرے بعد یہ تمہارا خیال رکھے گا...... میری بات مان لو میرے بچے...... شادی کرلو......''

انہوں نے پہلے بھی کئی بار حورین سے یہ بات کہی تھی...... آج پھر دوہرا رہے تھے...... مگر وہ ہمیشہ انکار کر دیتی تھی...... وہ اپنے وجود کی محرومی کو کسی اور کی زندگی میں شامل نہیں کر سکتی تھی۔

''ابی جان پلیز...... ہم پہلے بھی اس ٹاپک پر بات کر چکے ہیں اور میرا جواب بھی آپ جانتے ہیں...... پھر بھی آپ ایسی بات کیوں کر رہے ہیں اور پھر کون کرے گا مجھ سے شادی...... کون اتنا اعلیٰ ظرف ہوگا جو مجھے اس کمی کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہے گا...... کوئی بھی نہیں......''

اب کے حورین قدرے ناراضگی سے بولی تھی...... وہ پہلے بھی کئی بار انہیں منع کر چکی تھی۔ پر وہ باپ تھے، اپنے دل کا کیا کرتے جو بیٹی کو آباد دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کی تنہائی...... یہ اکیلا پن ان سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔

''آرش...... میں چاہتا ہوں حورین تمہاری شادی آرش سے ہو...... میرے پاس اس سے بہتر اور کوئی آپشن نہیں ہے...... میری ہمیشہ سے یہی خواہش تھی تم جانتی ہو...... مگر تقدیر کو کچھ اور منظور تھا اور اب میں اس سے بات کر چکا ہوں اور اسے کوئی اعتراض بھی نہیں ہے...... پلیز میرا بچہ...... میری خاطر......''

''ابی جان پلیز اس طرح نہ کریں...... سب کچھ جانتے بوجھتے میں کس طرح یہ کر سکتی ہوں...... پلیز مجھے مجبور نہ کریں...... پلیز......''

حورین نے اپنے ہاتھوں میں دبے ان کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے ہوئے التجائیہ انداز میں کہا تھا...... ان کا ہر حکم سر آنکھوں پر مگر وہ اس بات کے لئے اپنے دل کو کسی طور رضامند نہیں پاتی تھی......

''وہ سب جانتا ہے حورین...... مجھے اعتبار ہے اس پر...... پھر اس کی پاس میکال ہے...... اسے صرف ضرورت ہے ایک اچھے لائف پارٹنر کی...... جو اس کے ساتھ مخلص ہو اور اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکے اور میکال کے لئے ایک اچھی ماں کی...... جو دل سے اس کے بیٹے کو قبول کر لے...... اور تم سے بہتر اس کے پاس اور کوئی آپشن نہیں ہے...... تمہیں پتہ ہے حورین...... زندگی میں میرے لئے دو لمحے بے حد تکلیف دہ تھے...... ایک وہ جب میں سیاچن کے مقام پر پوسٹڈ تھا اور وہاں سے فراسٹ بائٹ کا شکار ہو کر واپس آیا اور مجھے پتہ چلا کہ میں اپنے دونوں ہاتھوں اور پیروں سے محروم ہو چکا ہوں اور مجھے پتہ چلا کہ میں اب مزید اپنے ملک کو سرو نہیں کر سکتا ہوں...... یہ ایک فوجی کے لئے بہت تکلیف دہ بات ہوتی ہے کہ وہ Dusing the Seaice کسی وجہ سے اپنے ملک سرو نہ کر سکے۔ پر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اتنی ہمت دی کہ میں نے اپنے نقلی ہاتھ پیروں کی مدد سے اپنی ملازمت کی مدت کو پورا کیا اور دوسرا اب...... اور اب میں زیادہ تکلیف میں ہوں...... یہ دیکھ کر کہ میری اولاد تکلیف میں ہے...... پر میں گزرا وقت واپس نہیں لا سکتا پر اتنا تو کر سکتا ہوں نا کہ ایک غلط فیصلے کے بعد ایک ایسے انسان کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ دوں......

جس پر مجھے خود سے زیادہ بھروسہ ہے اور یہ یقین ہے کہ وہ میرا مان کبھی نہیں توڑے گا...... پلیز میری بات مان جاؤ حورین...... اچھی طرح سوچ لو...... پھر فیصلہ کرو...... جلد بازی مت کرو بیٹا...... میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے اور میرے بعد کوئی نہیں ہوگا......"

حورین نے ان کی بات درمیان میں سے کاٹ دی تھی۔

"ابی جان پلیز ایسی باتیں نہ کریں...... ٹھیک ہے، مجھے کچھ وقت دیں، میں ایک بار پھر جلد بازی میں کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتی ہوں...... بس تھوڑا سا وقت...... پھر جیسا آپ کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی۔"

ابی جان کی بات سن کر اس کی آنکھوں میں نمی بس چھلکنے کو تھی...... ان کے سوا اب اس کا اور تھا ہی کون......

"ٹھیک ہے بیٹا...... جتنا وقت چاہئے لے لو...... مگر ہو سکے تو میرا مان رکھ لینا......"

ابی جان نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے اسے خود بھی لگا لیا تھا...... اور ان کے سینے سے لگتے ہی اس کی آنکھوں میں کب سے رکے آنسو بہہ نکلے تھے...... یہ زندگی کس موڑ پر آ ٹھہری تھی...... اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

✦✦✦

ابی جان اس سے اس معاملے پر کئی بار پوچھ چکے تھے...... مگر وہ ابھی تک خاموشی اختیار کئے ہوئے تھے...... حقیقتاً وہ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی...... ہاں یا ناں...... کوئی نیا رسک لینے سے اس کا دل ڈرتا تھا...... وہ انہیں کیا جواب دے...... یا شاید اس کے دل میں ابھی بھی کہیں نہ کہیں معیز کا خیال موجود تھا۔ وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی...... اسے پتہ تھا اس کا انکار ابی جان کو تکلیف دے گا مگر وہ خود بھی الجھن کا شکار تھی...... وہ چاہتی تھی کہ ایک بار اس مسئلے پر آرش سے کھل کر بات کرے...... کیونکہ وہ دونوں ہی مجبور تھے اور معاملے کی نزاکت کو سمجھتے تھے...... بات کر سکتے تھے...... مگر اتفاق سے آرش پچھلے کئی دنوں سے گھر پر آیا ہی نہیں تھا...... شاید اسی وجہ سے یا پھر یہاں موجود نہیں تھا...... کیا وجہ تھی اسے معلوم نہیں تھا...... اس کا نمبر بھی بند تھا...... یونہی ایک شام وہ واک کے لئے نکلی تو جانے دل میں کیا سمائی کہ اس کے گھر چلی آئی تھی...... آفیسرز کالونی میں جہاں آرش کی رہائش تھی...... وہاں سب ہی گھر خوبصورت طرزِ تعمیر کا نمونہ تھے...... گیٹ پر میجر آرش خان کی نیم پلیٹ جگمگا رہی تھی...... چوکیدار نے اسے دیکھ کر گیٹ وا کر دیا تھا...... کیونکہ وہ اسے جانتا تھا...... لان میں خاموشی چھائی ہوئی تھی...... وہ اندر چلی آئی تھی...... مگر اندر لاؤنج میں چھائی خاموشی بتا رہی تھی کہ شاید گھر پر کوئی نہیں ہے...... لاؤنج کا دروازہ نیم وا سا تھا...... ایک دو بار ناک کرنے پر کوئی جواب نہ پا کر وہ اندر چلی آئی تھی...... چند لمحے وہ وہیں لاؤنج میں کھڑی یہ سوچتی رہی کہ رکے یا واپس چلی جائے، تبھی اسے سامنے والے کمرے سے میکال کے رونے کی آواز آئی تھی...... وہ وہیں چلی گئی۔ یہ میکال کا کمرہ تھا۔

"بی بی جی آپ...... السلام علیکم......"

گورنس اسے جانتی تھی اس لئے اسے پہچان کر سلام کیا تھا...... میکال اس کی گود میں تھا او رمسلسل رو رہا تھا...... اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں جیسے اسے بخار ہو......

"وعلیکم السلام...... کیا بات ہے...... میکال اتنا کیوں رو رہا ہے......"

اس نے سلام کا جواب دے کر اس کے قریب آتے ہوئے پوچھا تھا۔

''بی بی جی...... اسے صبح سے بخار ہے...... اسی لئے رو رہا ہے...... چپ ہی نہیں کر رہا ہے...... کب سے کوشش کر رہی ہوں......''

ملازمہ مسلسل اسے چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی...... مگر وہ مسلسل رو رہا تھا۔

''اسے ڈاکٹر کو دکھایا اور یہ آرش صاحب کدھر ہیں......''

حورین اسے گود میں لینے لگی تو بجائے اس کے پاس آنے کے مزید گورنس سے چمٹ گیا تھا...... البتہ اب وہ خاموش ہو گیا تھا۔

''جی صاحب تو اپنے آفس کے کام سے ایک ہفتے سے شہر سے باہر...... اس کی دادی کو فون کر دیا ہے...... وہ صبح آ جائیں گی اور ڈاکٹر رضا اس کا علاج کرتے ہیں، وہ آ کر اسے دیکھ گئے ہیں، کہہ رہے تھے کہ صبح تک بخار اتر جائے گا...... دوا دے دی ہے......''

ملازمہ نے اسے تفصیلاً بتا دیا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جو حورین سے وہ فیصلہ کرا گیا تھا...... جو وہ اتنے دن سے کر نہیں پا رہی تھی...... اس بچے کی معصومیت...... بخار کی حالت میں اس کا اکیلا پن...... کوئی بھی اس وقت اس کے پاس نہیں تھا...... جو اسے سینے سے لگا کر بہلا سکتا...... اس کا خیال رکھتا...... اس کے ماتھے پر پٹیاں رکھ سکتا...... اسے دوا کھلا سکتا...... نہ ماں نہ باپ...... اتنا چھوٹا سا بچہ اس اتنے بڑے گھر میں گورنس کے ساتھ اکیلا تھا...... حورین کے دل میں تاسف کے ساتھ بے پناہ ترس بھی اتر آیا تھا...... وہ اتنا چھوٹا سا بچہ جو ابھی ٹھیک سے بول بھی نہیں سکتا تھا...... اپنی تکلیف کا اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا...... وہ اس طرح بخار میں بے سدھ پڑا تھا...... اگر خدانہ کرے کچھ ہو جائے تو...... وہ اکیلی ملازمہ کیا کر سکتی تھی...... وہ اس وقت کیا محسوس کر رہی تھی...... وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی...... اسے اس کی بے بسی پر بے پناہ ترس آیا تھا...... وہ معصوم بچہ اس سب میں اس کا کیا قصور تھا......

ملازمہ اسے کچھ کہہ رہی تھی...... مگر اس کا دھیان قطعی اس کی طرف نہیں تھا...... وہ اپنی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی تھی۔

''ہوں ٹھیک ہے...... آپ ایسا کریں...... میکال کا ضروری سامان لے لیں اور آپ دونوں میرے ساتھ میرے گھر چلیں...... میں ابھی آرش کو کال کر دیتی ہوں اور اس کی دادی کو بھی...... وہ صبح وہیں آ جائیں گی...... جلدی کریں اور اگر ضرورت پڑی تو اسے راستے میں کسی ڈاکٹر کو بھی دکھا دیں گے......''

اس نے سوتے ہوئے میکال کو آہستگی سے اپنی گود میں لے لیا تھا...... ایک ٹھنڈک کا احساس سا تھا جو اس لمحے اس کے وجود میں اتر آیا تھا...... کیا ممتا کا جذبہ اس کے اندر سر اٹھا رہا تھا...... اس معصوم کے بخار میں تپتے وجود نے اس کے اندر ہلچل سی مچا دی تھی...... ملازمہ نے ضروری سامان پیک کر لیا تھا...... اس نے ابی جان کو فون کیا اور ان کو بتا کر ان دونوں کو اپنے ساتھ گھر لے آئی تھی...... ابی جان نے ہی آرش کو فون کر کے بتا دیا تھا...... وہ خود بھی وہاں میکال کی وجہ سے پریشان تھا...... اس نے سن کر اطمینان کا اظہار کیا تھا...... پھر آرش جب تک واپس نہیں آیا...... میکال وہیں رہا تھا...... اس کی گورنس بھی وہیں تھی...... حورین نے ہی اس کی دیکھ بھال کی تھی اور اب وہ اس سے خاصا مانوس ہو گیا تھا...... مور لے البتہ بابا جان کی خرابی طبیعت کے باعث فی الحال آنہیں سکی تھیں مگر وہ

میکال کے وہاں ہونے سے مطمئن تھیں...... پھر جس دن آرش میکال کو لینے آیا اسی رات حورین نے ابی جان سے اس شادی کے لئے رضامندی دے دی تھی...... وہ بے تحاشا خوش ہو گئے تھے...... برسوں سے ان کے دل میں دبی خواہش پوری ہو رہی تھی...... چاہے دیر سے ہی سہی اور پھر ایک جمعہ کے دن کی مبارک ساعت کو سب بڑوں کی موجودگی میں ان دونوں کا نکاح ہو گیا تھا......

''اللہ تم دونوں کو ایک دوسرے کے لئے مبارک کرے......''

آرش کے پہلو میں اسے بٹھاتے ہوئے جب مورلے نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعا دی تھی...... تو وہاں موجود تمام لوگوں نے صدقِ دل سے آمین کہا تھا۔

✧✧✧

ان دونوں کے لئے ہی یہ دن بہت عجیب تھا...... کبھی سوچا نہیں تھا کہ ان دونوں کی زندگی میں اس طرح سے یہ دن بھی کبھی آئے گا کہ وہ دوسے کے نام سے جڑے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے...... ایک گھر میں رہنے اور اچھی دوستی ہونے کے باوجود وہ دونوں ہمیشہ ایک فاصلے پر رہے تھے۔ جب بھی ملاقات ہوئی ایک خوشگوار ماحول میں ہوئی...... ہر موضوع پر آسانی سے گفتگو کر لینے کے باوجود دونوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ کبھی ایک دوسرے کے شریک حیات بنیں گے...... ہاں آرش کے ذہن میں تب یہ خیال آیا جب ابی جان نے اس سے حورین کے بارے میں بات کی...... لیکن تب تک حورین کی زندگی میں معیز آچکا تھا...... یوں وہ بات شروع ہونے سے پہلے ہی وہیں ختم ہو گئی...... مگر اب زندگی نے انہیں بالکل ایک نئے موڑ پر لا کھڑا کیا تھا...... حورین کے سامنے بیٹھا آرش پچھلے پندرہ منٹ سے یہی سوچ رہا تھا کہ بات کو کہاں سے شروع کرے اور حورین بھی اس شش و پنج میں تھی کہ بات کون شروع کرے گا۔

''حورین...... مجھے سچ میں سمجھ نہیں آ رہا کہ میں بات کہاں سے شروع کروں۔ سب کچھ ہم دونوں کے سامنے ہے۔ ان حالات میں یہ شادی ہم دونوں کی ضرورت تھی، میں یہ قطعی نہیں کہوں گا کہ میں نے یہ شادی صرف میکال کی خاطر کی ہے...... مجھے بھی ایسے ساتھی کی ضرورت تھی...... جو مجھے...... میرے بیٹے کو...... میرے اس گھر کو اپنا سمجھے...... اپنا کہے...... میں آج پورے دل سے...... دیانت داری سے یہ ذمہ داری تمہیں سونپتا ہوں...... لمبے چوڑے وعدے نہیں کروں گا...... مجھے صرف اتنا پتہ ہے کہ آنے والی زندگی کے ہر موڑ پر تم مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی اور بدلے میں میں تم سے صرف وفاداری اور دیانت داری کی امید رکھتا ہوں...... کیونکہ وفاداری ہی اس کا گھر بساتی ہے......''

پندرہ منٹ کی خاموشی کے بعد آرش نے دھیمے لہجے میں اس کے ہاتھ تھام کر اپنے دل کی تمام تر باتیں اس سے کہہ دی تھیں......

''آرش...... میرے نزدیک بھی یہ شادی کرنے کی دو وجوہات تھیں...... ابی جان اور میکال...... اور میں پوری کوشش کروں گی اپنی ذمہ داری کو سنبھالنے کی...... آپ کی امیدوں پر پورا اترنے کی...... میرے نزدیک میرا گھر سب سے اہم ہوگا اور اپنی وفا اور دیانت داری کا یقین میں آپ کو دلاتی ہوں اور بدلے میں آپ سے بھی عزت اور بھروسے کی امید رکھتی ہوں......''

حورین نے اپنا ہاتھ تھامے اس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ کر اپنے دل کی تمام تر سچائی سے اسے اپنے ساتھ کا یقین دلایا تھا اور آرش کو اس سے یہی امید تھی...... وہ جانتا تھا کہ اپی جان کا انتخاب اس کے لئے کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتا ہے...... اور کچھ وہ خود بھی بذات خود حورین کی اچھائیوں سے واقف تھا...... اس نے خوشدلی سے مسکرا کر اسے دیکھا تھا......

''ویسے آج تم بہت پیاری لگ رہی ہو...... کچھ الگ...... کچھ مختلف سی...... اور بہت اپنی اپنی سی......''

آرش نے دھیرے سے اس کے کان کے جھمکے کو چھوا تو حورین نے مسکرا کر سر جھکا دیا تھا۔

✦✦✦

آرش نے شادی کے لئے کوئی چھٹی وغیرہ نہیں لی تھی اس لئے وہ روٹین کے مطابق ہی آفس جا رہا تھا...... ہاں یہ الگ بات تھی کہ اب وہ گھر کی طرف سے بے فکر ہو کر آفس جاتا تھا...... اور بہت اطمینان اور سکون سے کام کرتا تھا۔ وہ بار بار گھر فون کر کے میکال کے بارے میں نہیں پوچھتا تھا اور نہ ہی اسے ایسی کوئی ٹینشن ہوتی تھی...... آج کرنل صاحب کے ساتھ اس کی ایک میٹنگ تھی جو اس نے اپنے پہلے سے انداز میں اٹینڈ کی تھی اور انہوں نے اسے پہلے کی طرح سراہا تھا۔ مورلے اور بابا جان اس کے نکاح کے بعد ابھی تک وہیں رکے ہوئے تھے مگر آج انہوں نے واپس چلے جانا تھا...... آرش نے انہیں خدا حافظ کہہ دیا تھا...... کیونکہ دو گھنٹے بعد اس کا چھٹی لے کر آنا مشکل تھا۔ ہاں ڈرائیور کو اس نے تاکید کی تھی کہ وہ انہیں خیال سے چھوڑ کر آئے البتہ حورین ان کے جانے سے تھوڑی روہانسی ہو رہی تھی اور وہ اکیلے کیسے رہے گی...... مورلے نے اسے پیار کرتے ہوئے پھر سے آنے کی یقین دہانی کرائی تھی......

''آرش...... میں بہت مطمئن ہو کر اس بار تیرے گھر سے جا رہی ہوں بچے...... میں ذرا سا پریشان تھی کہ جانے حورین اب مزاجاً کیسی ہو...... مگر اب میرا دل پرسکون ہے...... وہ بہت پیاری ہے...... اس نے اس گھر کو اور تم دونوں کو دل سے قبول کر لیا ہے......''

جاتے وقت وہ آرش سے ملتے ہوئے کہہ رہی تھیں...... جسے سن کر وہ کھل کر مسکرا دیا تھا...... مطمئن تو وہ تھا......

✦✦✦

اس رات اسے گھر آنے میں خاصی دیر ہو گئی تھی...... وہ کام میں ایسا پھنسا کہ حورین کو صبح کے بعد پھر سے فون تک نہیں کر سکا تھا...... اسے یقین تھا کہ وہ اب تک سو چکی ہو گی......

''السلام علیکم...... سر آپ آ گئے، کھانا لگا دوں......''

لاؤنج کے دروازے کے پاس ہی اس کی مڈبھیڑ اپنے بیٹ مین سے ہوئی تھی۔ وہ شاید اس کے انتظار میں ہی جاگ رہا تھا۔

''نہیں میں کھانا کھا چکا ہوں...... باقی سب سو گئے ہیں......''

اس نے اندر آتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں سر...... بیگم صاحبہ آپ کا انتظار کر رہی ہیں...... باقی میکال بابا سو گئے ہیں......''

حورین کا اپنے انتظار میں جاگنے کا سن کر اسے ایک خوشگوار حیرت ہوئی تھی...... ایک نیا سا احساس...... وہ اس کا انتظار کر رہی ہے......

''اچھا ٹھیک ہے...... آپ بھی جائیں سو جائیں جا کر......''

اسے کہہ کر وہ اندر کی طرف چلا آیا تھا جہاں

لاؤنج کے سٹنگ ایریا میں مکمل خاموشی محسوس ہو رہی تھی...... مگر سامنے صوفے پر نگاہ پڑتے ہی اس کے لبوں کو بے ساختہ مسکراہٹ نے چھوا تھا۔ وہ اس کا انتظار کرتے کرتے وہیں صوفے پر سو گئی تھی...... قریب ہی ایک کتاب اوندھی رکھی تھی...... شاید پڑھتے پڑھتے نیند نے ستایا تو وہ وہیں لیٹ گئی تھی...... وہ آہستہ قدموں سے قریب چلا آیا تھا...... اس لمحے وہ اس طرح سے سوئے ہوئے اسے اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوئی تھی...... وہ بناء کوئی آہٹ کئے جا کر کمرے سے اپنی گرم شال لے آیا تھا...... کیونکہ لاؤنج میں ہیٹر جلنے کے باوجود خاصی ٹھنڈ تھی...... آہستگی سے شال اس کے اوپر اوڑھا کر کتاب اٹھا کر ٹیبل پر رکھی اور خود کمرے میں چلا آیا تھا۔ فریش ہو کر جب وہ باہر آیا تو وہ اب بھی اسی طرح سو رہی تھی...... ہاں شال کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ لیا تھا...... وہ مسکرا کر کچن کی طرف چلا آیا تھا۔ کافی کی شدید طلب ہو رہی تھی...... اس نے حورین کو ڈسٹرب کرنے کی بجائے خود ہی بنانے کا سوچا...... اب اتنے سے کام کے لئے کسی کو کیا ڈسٹرب کرنا...... جانتا تھا کہ سارا دن میکال نے اسے تھکا دیا ہوگا......

”آپ کب آئے مجھے پتہ ہی نہیں لگا...... آپ یہ کیا کر رہے ہیں......“

آرش نے ابھی کافی بنانے کے لئے دودھ گرم ہونے کو رکھا ہی تھا کہ اسے اپنے پیچھے حورین کی آواز سنائی دی۔ شاید کھڑ پڑ کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی...... یا شال کی گرمائش نے اسے جگا دیا تھا...... کیونکہ شال اس نے ابھی بھی خود پر لپیٹ رکھی تھی......

”سوری میں نے تمہیں جگا دیا...... دراصل کافی پینے کا دل کر رہا تھا تو سوچا خود ہی بنا لوں...... تم کیوں اٹھ گئیں......“

آرش نے مڑ کر اسے ایک نگاہ دیکھا اور مسکرا کر کہا تھا...... اس کی شال اوڑھے کھڑی وہ اس لمحے اسے اپنے دل کے قریب بے حد قریب محسوس ہوئی تھی......

”ہاں آپ کا انتظار کرتے کرتے کب میں سو گئی، پتہ ہی نہیں لگا...... آپ ہٹیں، میں بنا دیتی ہوں......“

وہ اس کے پاس چلی آئی تو وہ خاموشی سے سائیڈ پر ہٹ گیا تھا...... کیونکہ اسے اچھا لگتا تھا جب وہ اس طرح سے اس کے چھوٹے چھوٹے کام اصرار کر کے خود کرتی تھی...... شاید اس طرح سے وہ دونوں اپنی محرومیوں کو ختم کر رہے تھے...... ایک دوسرے کے قریب ہو رہے تھے...... حورین نے دو کپ کافی بنائی، ایک اس کی طرف بڑھایا اور دوسرا خود تھام لیا تھا۔

”آ جاؤ...... ٹیرس میں چل کر کافی پیتے ہیں...... اس ٹھنڈ میں وہاں بیٹھ کر کافی پینے کا مزہ ہی کچھ اور ہے......“

آرش کے کہنے پر وہ مسکرا کر اس کے ساتھ چلی آئی تھی...... اور رات کے اس پہر جب نیند کی پریاں اِدھر اُدھر منڈلا رہی تھیں، اپنے پر پھیلائے انہیں اپنی آغوش میں لینے کو تیار تھیں، ان دونوں نے اس ٹھنڈ میں گرم کافی پیتے ہوئے نیند کو بھگاتے ہوئے ایک دوسرے سے کافی ساری باتیں کی تھیں...... بہت کچھ ایک دوسرے سے شیئر کیا تھا...... ستارے انہیں مسکرا کر سن رہے تھے اور چاند انہیں دیکھ کر بلائیں لے رہا تھا۔

❖❖❖

”افضل...... افضل......“

خاکی یونیفارم میں ملبوس، کندھے پر

ستارے لگائے مکمل تیار آرش اس وقت ناشتے کے لئے آ بیٹھا تھا..... ایک نگاہ ٹیبل پر ڈالی اور بیٹ مین کو آوازیں دینے لگا تھا۔

''کیا بات ہے کچھ چاہئے آپ کو.....''

اس کے لئے چائے لاتی حورین نے کچن سے آکر ٹیبل پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر اس سے پوچھا تھا جہاں تقریباً سب ہی کچھ موجود تھا پھر جانے اسے کیا چاہئے تھا جو وہ افضل کو پکار رہا تھا۔

''اسے پتہ ہے کہ میں ناشتے میں اتنا سب کچھ نہیں کھاتا ہوں..... بہت لائٹ سا ناشتہ کرتا ہوں..... پھر پوری ٹیبل بھرنے کی کیا ضرورت ہے..... افضل..... افضل.....''

اس نے قدرے غصے سے کہتے ہوئے پھر سے افضل کو آواز لگائی تو وہ خاموشی سے آکر اس کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا تھا۔

''دراصل آرش آج ناشتہ میں نے بنایا ہے..... پہلی بار بنا رہی تھی تو پتہ نہیں تھا کہ آپ کیا کھائیں گے اور کیا نہیں اس لئے ایک دو چیزیں زیادہ بنا دیں..... افضل کی کوئی غلطی نہیں ہے..... میں آئندہ خیال رکھوں گی.....''

حورین نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اسے وضاحت دی تو آرش نے اس کی طرف بے ساختہ دیکھا تھا۔

''یہ سب تم نے بنایا ہے میرے لئے حورین.....''

آرش کے پھر سے پوچھنے پر حورین نے قدرے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ حورین کے اشارہ کرنے پر افضل واپس کچن میں جا چکا تھا.....

''اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت تھی یارا..... لیکن خیر تھینک یو..... مجھے بہت اچھا لگا.....''

آرش نے چیز آملیٹ کا ایک پیس کانٹے کی مدد سے اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا تھا.....

حورین کو لگا اس کے اس ایک جملے سے اس کی ساری محنت وصول ہو گئی ہے..... اس نے چند ایک چیزیں اٹھا کر اس کی پلیٹ میں رکھ دیں۔

''ارے ارے میں بھئی..... میں اتنا نہیں کھا سکتا اور تم بھی تو کھاؤ نا.....''

آرش نے کانٹے میں پھنسا نوالہ اس کی طرف بڑھایا تو حورین نے کچھ جھینپتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کھا لیا تھا۔

''سچ بتاؤں تو حورین..... مجھے بہت اچھا لگتا ہے جب تم میرا اس طرح سے خیال رکھتی ہو..... میرے کام کرتی ہو..... پر میرے لئے خود کو اتنا تھکایا مت کرو..... مجھے تمہاری محبت اور توجہ کی ضرورت ان سب چیزوں اور کاموں سے زیادہ ہے.....''

''پر آرش..... مجھے اپنے گھر کے لئے..... آپ کے لئے یہ سب کر کے اچھا لگتا ہے..... مجھے خوشی ہوتی ہے آپ کا اور میکال کا خیال کر کے..... چھوٹے چھوٹے گھر کے کام کر کے.....''

حورین نے اس کی بات درمیان سے کاٹ کر کہا تو آرش کھل کر مسکرا دیا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے جو دل چاہے کرو..... میں تمہیں نہیں روکوں گا..... مگر اب میں چلتا ہوں..... بہت لیٹ ہو رہا ہوں.....''

وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتا اٹھ کھڑا ہوا تو حورین بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ گئی تھی.....

''ویسے تمہیں پتہ ہے ڈیئر مسز..... ہمارے یونٹ میں ایک میجر آرش خان ہیں..... ان کی بیوی بہت پیاری ہے۔''

جاتے جاتے وہ یکدم مڑ کر اس سے بولا تھا تو حورین نے پہلے اسے نا سمجھی سے دیکھا تھا اور پھر اس کی بات سمجھ کر ہنس پڑی تھی۔

''اچھا آپ کی بیوی سے بھی زیادہ......''

جواباً وہ اسے گھور کر شرارتاً بولی تھی......

''نہیں اس سے تھوڑی کم...... وہ تو دنیا کی حسین ترین عورت ہے جس کا دل سونے کا ہے...... اور جس کی چاندی جیسی مسکراہٹ نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے......''

وہ اس پر جھکتے ہوئے بولا تو حورین گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی...... اس لمحے اس کے وجود سے پھوٹی خوشبو حورین کو اپنے حواسوں پر چھائی محسوس ہو رہی تھی...... اس کی گھبراہٹ آرش کو مسرور سا کر گئی تھی...... وہ دنوں میں ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے تھے کہ جیسے ہمیشہ سے ساتھ تھے...... شاید وہ بنے ہی ایک دوسرے کے لئے تھے...... بس بیچ میں منزل پر پہنچنے کے لئے پڑاؤ غلط پڑ گیا تھا۔

''میرا خیال ہے اب آپ کو آفس چلے جانا چاہئے...... اس سے پہلے کہ فوج والے آپ کا کورٹ مارشل کر دیں......''

حورین نے اسے پرے دھکیلا تو اس لمحے آرش کا قہقہہ بے ساختہ تھا...... اس نے محبت سے اس کی پیشانی کو چھوا تو حورین نے اس کی خوشبو کو روح میں قید کر لیا تھا...... محبت اور خلوص اپنی جگہ جلد بنا لیتا ہے...... یہ ان دونوں نے اچھے سے جان لیا تھا......

✧✧✧

ان ہی گزرنے دنوں میں آرش کی چولستان کے لئے ایک ایکسرسائز آ گئی تھی اور اس بار سچ میں اسکا جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا...... اب حورین اور میکال کے بناء اس کا کہیں دل ہی نہیں لگتا تھا...... مگر اب لازمی سی بات ہے کہ وہ ان دونوں کو اپنے ساتھ وہاں نہیں لے جا سکتا تھا۔ اس شام وہ دونوں ابی جان سے ملنے آئے تھے...... میکال بھی ساتھ تھا۔

''ارے میرے بچے آئے ہیں......''

ابی جان نے انہیں دیکھ کر بے ساختہ خوشی کا اظہار کیا تھا کیونکہ حورین اور اور میکال کافی دن بعد آئے تھے جبکہ آرش اکثر آفس سے واپسی پر چکر لگا لیا کرتا تھا۔

''ابی جان دو دن بعد ایک ایکسرسائز کے لئے چولستان جانا ہے...... دراصل میں چاہ رہا ہوں کہ آپ وہاں میری طرف آ جائیں یا میں حورین اور میکال کو یہاں چھوڑ دوں۔ دراصل ان دونوں کو اکیلا گھر پر چھوڑنے کا دل نہیں کر رہا ہے میرا...... کیا کہتے ہیں آپ......''

کھانے کی میز پر آرش نے ان سے کہا تو اس کی پلیٹ میں چاول ڈالتی حورین نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''اچھا...... تو بیٹا بات یہ ہے کہ تمہیں تو پتہ ہے کہ میں اپنے گھر...... پودوں اور سٹوڈنٹس کے بناء کہیں اور رہ نہیں سکتا ہوں...... تو میرا وہاں جا کے رہنا تو ذرا مشکل ہے...... ہاں تم ان لوگوں کو بے شک یہاں چھوڑ دو...... میرا بھی دل بہل جائے گا......''

ابی جان نے گود میں بیٹھے میکال کے منہ میں نوالہ ڈالتے ہوئے کہا تھا...... وہ جب بھی یہاں آتا تھا...... ان کے ہاتھ سے ہی کھانا کھاتا تھا۔

''پر میں اور میکال آرام سے اپنے گھر میں رہ لیں گے...... آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں اور اگر ایسی ہی بات ہے تو میں گاؤں سے مورلے کو بلا لیتی ہوں، کیوں ابی جان...... بلکہ

میں تو سوچ رہی ہوں کہ اب ان لوگوں کو مستقل یہاں ہمارے ساتھ ہی رہنا چاہئے...... آپ کا کیا خیال ہے......"

حورین نے ان دونوں سے بیک وقت پوچھا تھا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ابی جان کبھی کہیں اور جا کر نہیں رہیں گے اور اب وہ اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور رہ نہیں سکتی تھی...... تو بہتر حل یہی تھا۔

"ہاں کہہ تو تم صحیح رہی ہو...... میں بھی کب سے ایسا چاہتا ہوں مگر بابا جان کبھی بھی یہاں مستقل رہنے کو نہیں مانیں گے......"

آرش نے اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے ساتھ خدشہ بھی ظاہر کیا تھا۔

"آپ فکر نہ کریں میں انہیں منا لوں گی...... آپ اپنی ایکسرسائز پر جانے کی تیاری کریں...... میں ان سے خود ہی بات کر لوں گی......"

اس نے مسکرا کر اس کی تسلی کرا دی تھی...... دراصل آرش اس بات سے پریشان تھا کہ اگر اس نے منع کر دیا کہ وہ اتنے دن ان لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی تو...... وہ کیا کرے گا...... مگر وہ غلط تھا...... وہ حورین تھی...... پلوشہ نہیں...... یہی فرق اسے اوروں سے منفرد بناتا تھا...... وہ سونے کا دل رکھتی تھی...... سچا اور کھرا...... اسے کبھی ان لوگوں کے ساتھ رہنے میں کوئی پرابلم نہیں ہو سکتی تھی...... اسے مورلے اپنی ماں کی یاد دلاتی تھی تو بابا جان ابی کی طرح ہی لگا کرتی تھی...... وہ بچپن سے ان لوگوں کو دیکھتی آ رہی تھی...... اسے بھلا ان کے ساتھ کیا مسئلہ ہو سکتا تھا۔

"ابی جان...... اب اسے مجھے دے دیں...... بہت تنگ کر لیا اس نے آپ کو......"

حورین نے میکال کو ان کی گود سے لے لیا تھا...... اب وہ اس سے بہت مانوس ہو گیا تھا اور سارا دن ماما، ماما کرتا اس کے پیچھے پھرا کرتا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے حورین...... تم نے میری کتنی بڑی مشکل دور کر دی ہے۔ مجھے لگا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہو گی...... کیونکہ پلوشہ نے مجھے ہمیشہ اس معاملے میں بہت ڈس ہارٹ کیا...... حالانکہ وہ مورلے کی سگی بھانجی تھی......"

اس رات گھر واپسی پر جب وہ میکال کو سلا کر اپنے کمرے میں آئی تو بیڈ پر نیم دراز آرش نے آئینے میں نظر آتے اس کے عکس کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا...... وہ اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی......

"کیونکہ میں پلوشہ نہیں ہوں آرش اور کبھی نہیں چاہوں گی کہ آپ میرا اس سے کمپیئر کریں...... اس گھر پر آپ پر ان کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ میرا...... تو بھلا میں اعتراض کرنے والی کون ہوتی ہوں...... وہ میرے لئے اتنے ہی قابل احترام ہیں...... جتنے کہ ابی جان......"

وہ یونہی بالوں میں برش کرتی ہوئی اس کے قریب چلی آئی تھی...... جو کہ اب سیدھا بیٹھا اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا......

"اب کیا اس بات پر تمہارا شکریہ ادا کروں......"

آرش دل سے اس کی خوبیوں کا معترف تھا...... بس ذرا شرارتاً اسے تنگ کیا تھا۔

"کوئی حرج بھی نہیں ہے...... کبھی کبھی بیوی کا شکریہ ادا کر بھی دینا چاہئے منیجر صاحب......"

اس نے ہاتھ میں تھاما ہیئر برش ذرا سا اس کے سینے پر مارا تو آرش نے اس کی وہی کلائی

تھام کر اسے اپنی جانب کھینچ لیا تھا......

''ذرا قریب سے شکریہ ادا کرنے کا موقع دیجئے بیگم صاحبہ...... بندہ دل سے آپ کا معترف ہے......''

اس کی شرارت پر وہ مسکرائی تو وہ بھی کھل کر ہنس دیا تھا...... آپ کا ہمسفر آپ کی رفاقت میں خوش اور مطمئن ہے...... اس سے بڑھ کر آپ کے لئے اور کیا بات ہوگی...... محبت کی خوشبو نے اس لمحے ان دونوں کے مشام جان کو نہایت قریب سے مہکایا تھا...... وہ معطر سی خوشبو ان کے رگ وجان میں اتر کر انہیں مہکا گئی تھی......

✦✦✦

آرش کو گئے تقریباً پندرہ سولہ دن ہو گئے تھے اور حورین کو ان گزرے ہوئے تمام دنوں میں اچھی طرح سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ ان دونوں نے اپنی اپنی زندگیوں میں بہت سے اتار چڑھاؤ دیکھے تھے اور بہت مشکل سے خود کو اس قابل کیا تھا کہ وہ زندگی میں آگے بڑھ سکیں...... اور اب تو یوں لگتا تھا کہ جیسے دونوں برسوں سے ساتھ ہیں...... مورلے اور بابا جان کو اس نے مستقل یہاں رہنے کے لیے تیار کرلیا تھا...... اور وہ دونوں آرش کے جانے کے بعد سے یہاں پر ہی تھے...... حورین ٹینشن فری ہوجاتی تھی جب مورلے یہاں ہوتی تھیں کیونکہ وہ پورے گھر پر نظر داری کرتی تھیں اور حورین کو صرف میکال کو دیکھنا پڑتا تھا۔ ابی جان بھی اکثر بابا جان کے پاس شام میں آ جاتے تھے۔ دونوں ہی شطرنج کی بساط بچھا کر بیٹھ جاتے تھے اور اگر کبھی میکال کو موقع ملتا تو وہ مزے سے جا کر ساری بساط پلٹ دیتا تھا...... مہرے اٹھا کر بھاگ جاتا تھا...... اور دونوں بجائے اس کو ڈانٹنے یا اس کے پیچھے جانے کے، قہقہہ لگا کر ہنس پڑتے تھے مگر حورین صحیح معنوں میں خود کو آرش کے بناء اکیلا محسوس کر رہی تھی۔ ایسے ہی ایک دن وہ صبح سے میکال کے پیچھے لگی تھی، وہ نہانے کا بہت چور تھا...... رو رو کر سارا گھر سر پر اٹھا لیتا تھا...... بہت مشکل ہو جاتا تھا اسے کنٹرول کرنا...... بمشکل اسے بہلا پھسلا کر وہ اسے نہلانے میں کامیاب ہوئی تھی...... اور خود تھک کر جانے کیوں ہانپنے لگی تھی...... اس کی سانس چڑھ گئی تھی...... اس کی رنگت زرد ہو گئی تھی...... گورنس اسے کپڑے پہنانے لگی تو وہ چپ چاپ اس کے بیڈ پر ایک جانب خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔ کل سے بلکہ ایک دو دن سے اس کی طبیعت عجیب سست سی ہو رہی تھی۔ وہ اسے تھکن خیال کر رہی تھی۔

''کیا بات ہے حورین بچے...... تمہاری طبیعت ٹھیک ہے...... رنگت اتنی زرد کیوں ہو رہی ہے تمہاری......''

مورلے، میکال کو دیکھنے آئیں تو اسے اس طرح نڈھال بیٹھا دیکھ کر فکرمندی سے اس کے پاس چلی آئی تھیں۔

''جی مورلے...... میں ٹھیک ہوں...... بس شاید تھوڑا تھک گئی ہوں......''

وہ سنبھل کر بیٹھ گئی...... اسے چکر آ رہے تھے...... شاید کمزوری سے۔

''طبیعت زیادہ خراب ہے تو چلو ڈاکٹر کو دکھا دیتے ہیں...... تم اپنا بالکل خیال نہیں رکھتی ہو اور پھر سارا دن یہ بچہ تمہیں ہلکان کیے رکھتا ہے......''

وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں...... حورین اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ شاید اس کا بی پی لو ہو رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں مورلے...... آپ پریشان نہ ہوں...... تھوڑی دیر آرام کروں گی تو

ٹھیک ہو جاؤں گی...... ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے......"

اس نے مسکرا کر انہیں تو تسلی دی تھی...... مگر حقیقتاً اسے اپنی طبیعت خراب لگ رہی تھی...... اسے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی گر جائے گی۔

"اچھا جاؤ تم آرام کرو...... میں میکال کو سنبھال لوں گی......"

مورلے اسے خود اس کے کمرے میں چھوڑ گئی تھیں...... وہ بیڈ پر لیٹ گئی تھی...... مگر یہ صرف اس دن کی بات نہیں تھی...... بلکہ اگلے روز بھی اس کی طبیعت ویسی ہی رہی تھی اور اس سے آنے والے چند دن بھی...... مورلے اسے زبردستی ڈاکٹر کے پاس لے آئی تھیں۔ ڈاکٹر نے اس کا چیک اپ کیا اور اسے چند ٹیسٹ کرانے کو کہا تھا۔

"آئی تھنک...... مسز آرش...... آپ ایکسپیکٹ کر رہی ہیں...... یہ چند ٹیسٹ کرائیں تاکہ کنفرم ہو سکے پھر ہم مزید ٹریٹمنٹ شروع کر سکیں۔ ویسے گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے...... آپ بالکل ٹھیک ہیں......"

ڈاکٹر کی بات سن کر حورین کا سر مزید چکرانے لگا تھا۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو ہونا ہی نہیں تھا...... پھر یہ سب کیسے...... بجائے خوش ہونے کے اس کا وجود اس لمحے ایک بے یقینی کی کیفیت میں گھر گیا تھا...... اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سچ ہے...... اور وہ اس پر کیا ری ایکٹ کرے...... ڈاکٹر اسے پتہ نہیں کیا کیا کہہ رہی تھی پھر اس لمحے اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

"اللہ کا بہت کرم ہے...... دیکھا اس نے کیسا معجزہ دکھایا...... اس کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے......"

مورلے نے جب سنا تو اسے خود سے لپٹا کر کہا تھا...... وہ گاؤں کی سادہ لوح...... سادہ دل خاتون تھیں...... وہ اللہ کی رضا میں راضی تھیں...... جب کہ حورین ابھی تک بے یقینی میں گھری تھی......

✦✦✦

آرش کے آنے تک وہ اسی شش و پنج میں مبتلا رہی تھی کہ یہ سب کیسے ہو گیا ہے۔ یہ نہیں تھا کہ اسے اللہ کی قدرت پر یقین نہیں تھا...... بس وہ ایک بے یقینی کی کیفیت میں تھی...... اور جو کچھ اس کے ساتھ ہو چکا تھا اس کے بعد اس کا ری ایکشن بالکل صحیح تھا...... البتہ باقی سب لوگ بہت خوش تھے۔ آرش سے اس تمام عرصے میں بہت کم بات ہوئی تھی کیونکہ وہ جہاں تھا وہاں سگنلز کی بہت پرابلم تھی...... وہ کبھی کبھار خود ہی کال کر لیتا تھا...... پر حورین چاہتے ہوئے بھی اس سے اس موضوع پر بات نہیں کر پاتی تھی...... وہ چاہتی تھی کہ وہ آ جائے پھر تسلی سے اس سے بات کرے......

"بیٹا تمہیں تو خوش ہونا چاہئے...... دیکھو اللہ نے کیسے تمہیں سرخرو کیا ہے...... سب کچھ بھول جاؤ...... اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں معجزانہ طور پر نوازا ہے...... بے شک وہ آزماتا ہے مگر عطا بھی کرتا ہے......"

امی جان نے بہت خوشی سے یہ خبر سنی تھی اور جواب میں ہمیشہ کی طرح اسے پیار سے سمجھا کر اس کا دل ہلکا کیا تھا۔ خوش تو وہ بھی بہت تھی...... مگر ابھی تک یقین نہیں کر پا رہی تھی...... حالانکہ سارے ٹیسٹ...... ساری رپورٹیں یہی کہہ رہی تھیں...... کہ ہاں اللہ نے اسے نواز دیا ہے......

وہ ماں بننے جا رہی ہے...... آج پورے ایک ماہ بعد آرش واپس آ رہا تھا اور حورین بے چینی سے

اس کا انتظار کر رہی تھی...... بلکہ صرف وہ ہی کیوں، سب ہی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے...... مورلے نے اس خوشی میں ڈھیروں مٹھائیاں بانٹی تھیں...... کیونکہ لازمی ہے یہ خوشی سب کے لئے بہت اچانک تھی۔ کسی کو بھی امید نہیں تھی...... سب ہی حورین کی پرابلم کے بارے میں جانتے تھے...... مگر بہرحال سب ہی اس معجزے پر دل سے شکرگزار تھے اور خوش بھی۔

✦✦✦

''حورین آرش خان...... یہ میں کیا سن رہا ہوں...... کیا یہ واقعی سچ ہے یا میرے کانوں نے کچھ غلط سنا ہے......''

خبر آتے ہی ساتھ ہی اس تک پہنچ چکی تھی اور خوشی سے بھرپور چہرہ لئے اس کے پاس آیا تھا...... جہاں وہ اپنے کمرے میں وارڈوب سے اس کے کپڑے نکال رہی تھی...... تاکہ وہ فرش ہو سکے۔ آرش کی بات پر اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا تھا...... آرش کا دل چاہا اسے اس لمحے اٹھا کر اپنے دل میں چھپا لے...... اتنی ہی دلکش لگ رہی تھی وہ......

''جانتی ہو حورین جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو میری زندگی مکمل ہو گئی ہے...... بالکل ویسی جیسی میں سوچا کرتا تھا...... پر ہمیشہ دل میں ایک خواہش سی اٹھتی تھی کہ کاش اللہ ہمیں اس خوشی سے محروم نہ کرتا...... پر دیکھو اللہ نے میری سن لی...... ہمیں مکمل کر دیا...... تھینک یو حورین...... میری زندگی میں آنے کے لئے...... مجھے مکمل کرنے کے لئے...... آج میں اتنا خوش ہوں، اتنا خوش ہوں کہ تمہیں بتا نہیں سکتا ہوں......''

آرش نے اس کے دونوں ہاتھ لبوں سے چھو کر اپنے مضبوط سینے پر رکھ دیئے تھے۔

''تم نے اتنے دن تک یہ خبر مجھ سے چھپائی کیوں......''

اس کا انداز ذرا سا خفگی لئے ہوئے تھا...... جیسے بتائے نہ جانے پر ذرا سا خفا ہو کہ یہ خبر سننے کا سب سے پہلا حق اس کا تھا۔

''میں بتانا چاہتی تھی...... سب سے پہلے آپ کو بتانا چاہتی تھی...... مگر میں خود ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں ہوں...... مگر اپنی خوشی میں کوئی میری بات...... میری کیفیت نہیں سمجھ رہا ہے...... ایسا کیسے ہو سکتا ہے آرش...... جبکہ میری ہر رپورٹ نیگیٹو آ چکی تھی......''

وہ اپنے دل کی ہر کیفیت اب اس سے کہہ رہی تھی...... کیونکہ جانتی تھی کہ وہ اس کی بات کو سمجھے گا......

''حورین میری جان...... کیا تمہیں اپنے اللہ پر یقین نہیں ہے...... اس کی خدائی پر اعتبار نہیں ہے...... دیکھو اس نے معجزہ کر دیا ناں...... بس اب ہر بات کو بھول جاؤ اور خوش رہو......''

''مگر آرش وہ رپورٹس......''

وہ ابھی تک اس میں ہی الجھی ہوئی تھی......

''اچھا بیٹھو تم میرے پاس یہاں......''

آرس نے اسی طرح اس کے ہاتھ تھامے اسے بیڈ پر بیٹھا دیا تھا اور خود بھی ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا......

''کیا وہ رپورٹس تم نے خود دیکھی تھیں......''

''نہیں......''

آرش کے پوچھنے پر اس کا جواب بے ساختہ تھا۔

''تو پھر بس...... وہ رپورٹس غلط ہو سکتی ہیں...... یا غلطی سے تم تک آ گئی ہوں...... یا ہو سکتا ہے کسی نے تم سے جھوٹ بولا ہو...... اور پھر

ڈاکٹرز خدا تو نہیں ہیں نا حورین...... جو ہم صرف ان پر اور ان کی رپورٹس پر یقین کر کے بیٹھ جائیں...... حقیقت یہ ہے کہ جو آج ہمارے سامنے ہے...... اللہ یہ ہے...... جو یہ خوشی ہمیں دے رہا ہے...... اب پچھلی ہر بات کو بھول جاؤ پلیز...... ہم نے بہت مشکل سے یہ زندگی...... یہ پل پائے ہیں...... اسے کھل کر جیو...... انہیں یوں بے یقینی کی نظر نہ کرو...... آیا کچھ سمجھ میں یا اور سمجھاؤں......''

آرش نے ابھی تک اس کے ہاتھ اسی طرح تھام رکھے تھے۔ اب اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا...... جہاں اب الجھن قدرے کم نظر آ رہی تھی...... مطلب کہ وہ اب اس بے یقینی کی کیفیت سے نکل رہی تھی......

''میں بہت خوش ہوں آرش...... بہت مطمئن...... میں اپنی پچھلی زندگی کو ایک خواب سمجھ کر بھلا چکی ہوں اور اپنی یہ زندگی مجھے دل جان سے عزیز ہے...... یہ میری زندگی کا سب سے خوبصورت وقت ہے جو اب میں گزار رہی ہوں......''

حورین نے ذرا سا اس کی جانب سرکتے ہوئے اس کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا تھا۔

''اور میں...... اس سب میں میں کہاں ہوں مسز......''

آرش کے پوچھنے پر اس نے خفگی سے اسے دیکھا تھا...... جس پر آرش کا قہقہہ بے ساختہ تھا......

''آپ ہیں تو یہ زندگی ہے آرش...... آپ کے بناء تو کچھ بھی نہیں ہے......''

حورین نے دھیمے سے کہہ کر اسے معتبر کر دیا تھا...... اس کا یہ اظہار آرش کی رگ رگ میں سکون بھر گیا تھا...... اس نے اس کے بالوں پر لب رکھ دیئے تھے...... حورین نے سکون سے پلکیں موند لی تھیں۔

✧✧✧

''گڈ مارننگ مائی لو......''

وہ ابھی ابھی واش روم سے فریش ہو کر نکلا تھا اور حورین کو جاگتے دیکھ کر اس نے وہیں ڈریسنگ کے آئینے میں نظر آتے اس کے عکس کو دیکھ کر کہا تھا...... آج اتوار تھا۔ آرش کا آف تھا مگر وہ حسب معمول جلدی ہی جاگا تھا۔

''آج میں پھر لیٹ ہو گئی......''

وہ کمبل پرے ہٹاتی بکھرے بالوں کو سمیٹ کر اٹھ بیٹھی تھی۔

''کوئی بات نہیں مگر اب جلدی سے اٹھ جاؤ...... کیونکہ ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں...... ابھی ناشتے کے بعد مارکیٹ بھی جانا ہے...... سو ہری اپ......''

آرش کے کہنے کی دیر تھی کہ وہ جلدی سے بستر چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ آج میکال کی دوسری سالگرہ تھی اور وہ دونوں اسے سیلیبریٹ کرنا چاہ رہے تھے...... کیونکہ اس معصوم کی پہلی سالگرہ تو شاید کسی کو یاد بھی نہیں تھی۔ پر آج سب لوگ ان کے گھر آ جمع ہو رہے تھے اور ابھی بہت سے کام تھے جو کرنے والے تھے۔ ناشتے کے بعد وہ دونوں مارکیٹ گئے اور جب وہاں سے واپس آئے تو لاؤنج میں سامنے ہی ایک بالکل ہی غیر متوقع منظر ان کے سامنے تھا جس نے ان دونوں کو ہی اپنی اپنی جگہ ساکت کر دیا تھا۔ وہاں مورلے اور بابا جان کے علاوہ پلوشہ بھی موجود تھی...... کالی چادر میں لپٹے اس کے وجود کو پہلے تو آرش پہچان ہی نہ پایا تھا...... اندر کو دھنسی اور ان کے گرد پڑے سیاہ حلقے...... اس کا حال ان کے گزرے ایام کی داستان آپ بیتی بیان کر

رہا تھا...... اور جب آرش نے پہچانا تو اس کے جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر جمع ہونے لگا تھا...... ماتھے پر ابھری رگوں کو دیکھ کر حورین نے بے ساختہ اس کا بازو تھام کر اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی تھی...... بابا اور مورلے دونوں ہی خاموش بیٹھے تھے۔ شاید وہ دونوں ہی اس کی داستان سن چکے تھے اور اب کہنے سننے کو کچھ باقی بچا نہیں تھا یا پھر وہ منتظر تھے آرش کے کیونکہ وہ اصل مجرم تو اس کی تھی ناں......

''اب یہاں کیوں آئی ہو تم......''

آرش نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے اس سے پوچھا تھا...... میکال اس کی گود میں تھا جسے اب حورین نے تھام لیا تھا...... اس معصوم کو تو یہ پتہ بھی نہیں تھا کہ سامنے بیٹھی یہ عورت اس کی سگی ماں ہے...... وہ مزے سے چاکلیٹ کھانے میں مگن اور حورین کی گود میں پرسکون تھا۔

''آرش خان...... مجھے معاف کر دو...... میں بہت شرمندہ ہوں...... خدا کے لئے مجھے معاف کر دو...... میں غلط تھی...... میں اپنی جنت باہر تلاش کر رہی تھی مگر درحقیقت وہ تو یہاں تھی...... اس گھر میں...... میں پاگل تھی...... جو اپنے گھر کو، اپنے شوہر کو، اپنے معصوم بچے کو دھتکارتی رہی...... ایک ایسے انسان کی خاطر جو نامحرم تھا...... جو مجھے گناہ کی جانب راغب کرتا رہا...... جس نے اس کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیا...... اپنا گھر، بچہ...... اس کے ساتھ گناہ بھری زندگی جیتی رہی...... اس کے کہنے میں آکر نکاح پر نکاح کر لیا...... میں نے سب کیا اس کے لئے پر اس نے کیا کیا میرے ساتھ...... اسے مجھ پر اعتبار نہیں تھا...... وہ کہتا تھا میں اس کے لئے جب سب چھوڑ سکتی ہوں تو اسے بھی چھوڑ سکتی ہوں...... اب جب اس کا جی بھر گیا مجھ سے تو اس نے مجھے آگے کسی کو بیچ دیا ہے...... میں کسی طرح وہاں سے بھاگ نکلی صرف اس لئے تاکہ تم سے معافی مانگ سکوں...... پھر چاہے بے شک میں مر جاؤں...... مجھ سے سب نے منہ موڑ لیا ہے...... ہاں میں ہوں اسی قابل...... پر بس ایک بار مجھے معاف کر دو...... بس ایک بار......''

وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے زار و قطار معافیاں مانگ رہی تھی...... پر جانے کیوں آرش کو اس پر ذرا بھی رحم نہیں آ رہا تھا...... اسے سب ڈھونگ لگ رہا تھا...... اسے گھن آ رہی تھی اس عورت سے...... اب جبکہ وہ اپنی زندگی میں خوش تھا...... آگے بڑھ گیا تھا...... وہ پھر سے ان کی زندگیوں میں زہر گھولنے آ گئی تھی...... پر اب ایسا نہیں ہوگا...... وہ اسے وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا...... اس نے الماری کھول کر کچھ نکالا اور پھر سے لاؤنج میں آ گیا تھا...... سب ہی خاموشی سے اس کے فیصلے کے منتظر تھے...... پلوشہ ابھی تک سسکیاں بھر رہی تھی......

''بس بول لیا تم نے جو بھی بولنا تھا...... اب میری سنو...... اور میرا جواب یہ ہے......''

اس نے ہاتھ میں تھاما ایک خاکی لفافہ اس کی جانب بڑھا دیا تھا۔

''میں آرش خان آفریدی...... بقائمی ہوش و حواس میں تمہیں طلاق دیتا ہوں......''

اور یہی الفاظ اس نے وہیں کھڑے کھڑے تین دفعہ اس کے سامنے دہرائے تو وہ روتی ہوئی اس کے قدموں میں بیٹھتی چلی گئی تھی۔

''میں نہیں جانتا کہ تم کس مان سے یہاں آئی تھیں...... لیکن جو بھی تھا وہ آج ختم ہوا اور میں دوبارہ کبھی تمہارا سامنا بھی نہیں کرنا چاہتا

ہوں...... یہ گھر تمہارا کبھی تھا ہی نہیں کیونکہ تم نے کبھی سمجھا ہی نہیں...... میری بیوی یہ ہے جس نے ہر قدم پر میرا ساتھ نبھایا ہے...... یہ میرے بیٹے کی ماں ہے، اس نے اسے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا ہے...... تم سے ہمارا کوئی تعلق نہیں...... اب جاؤ اور دوبارہ کبھی پلٹ کر نہ آنا ورنہ شاید میں اپنا ضبط توڑ دوں......"

اس نے دوٹوک انداز میں کہہ کر اسے باہر کی طرف جانے کا اشارہ کر کے واضح کر دیا تھا کہ اب وہ جا سکتی ہے...... اسے روتی ہوئی پلوشہ پر بالکل بھی ترس نہیں آ رہا تھا...... گھر بنانا بہت آسان ہوتا ہے مگر اسے بسانا نہایت مشکل...... اور پلوشہ نے اپنا گھر اپنے ہاتھوں سے اجاڑا تھا...... تو اب اسے سزا بھی اس کی خود ہی بھگتنا تھی...... آرش ان سب کو وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا آیا تھا...... حورین بھی اس کے پیچھے چلی آئی تھی...... پتہ نہیں وہ کیا ری ایکٹ کرے...... بات کرنا چاہئے یا تنہا رہنا چاہئے...... مگر حورین کو لگا کہ اسے اس لمحے آرش کے پاس ہونا چاہئے...... وہ خاموشی سے اس کے قریب جا بیٹھی تھی......

"کئی دنوں سے ایک بوجھ تھا حورین میرے دل پر...... آج وہ اتر گیا...... جس رشتے پر میں ہمیشہ شرمندگی محسوس کرتا تھا...... وہ آج ختم ہو گیا...... میں اب مطمئن ہوں......"

آرش نے اپنے پہلو میں اس کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں آرش......"

جواباً حورین نے فکرمندی سے پوچھا تو آرش نے اثبات میں سر ہلا کر اسے خود سے لگا لیا تھا...... اس کی یہی اپنائیت...... فکرمندی...... محبت ہی تو آرش کو اس کا گرویدہ کر گئی تھی اور معیز اس کی انہی باتوں سے چڑتا تھا...... وہ ہولے ہولے اسے تسلی دینے لگی تھی۔

✦✦✦

میجر رضا کی بہن کی شادی تھی اور رضا نے آرش کو ودِ فیملی انوائٹ کیا تھا۔ آرش کا وہ بہت قریبی اور گہرا دوست تھا اور وہ اس شادی میں ضرور شرکت کرنا چاہ رہا تھا...... اور اتفاق سے اسے دو دن کی بجائے ہفتے بھر کی چھٹی مل گئی تھی...... بابا اور مورلے گھر پر ہی تھے۔ آرش اور حورین جا رہے تھے۔ میکال ان کے ساتھ تھا...... ویسے بھی وہ دونوں شادی کے بعد کہیں گئے بھی نہیں تھے تو اب آرش کا ارادہ گھومنے پھرنے کا بھی تھا...... رضا کے بے حد اصرار کے باوجود آرش نے اس کے گھر کی بجائے ہوٹل میں ٹھہرنے کو ترجیح دی تھی۔

"جلدی کرو یار! ہم آل ریڈی لیٹ ہو چکے ہیں......"

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی...... جب آرش نے پیچھے سے آ کر جلدی مچائی تھی...... حالانکہ وہ لوگ بالکل بھی لیٹ نہیں تھے۔ مگر مردوں کی وہی جلدی جانے کی عادت...... اور وہ تو تھا بھی فوجی، سو ہر کام وقت پر کرنا صرف اس کی عادت ہی نہیں فطرت بھی تھی...... سو وہ اس وقت یہی کر رہا تھا......

"بس...... بس میں آل موسٹ ریڈی ہوں...... بس پانچ منٹ اور دے دیں پلیز......"

حورین نے کانوں میں ایئر رنگ پہنتے ہوئے کہا تھا...... آرش اثبات میں سر ہلا کر یونہی وقت گزاری کے لئے ٹی وی کے سامنے جا بیٹھا تھا جہاں میکال پہلے ہی تیار ہو کر بیٹھا کارٹون دیکھ رہا تھا۔

''آرش پلیز ذرا یہ تو بند کردیں...... مجھ سے اس لاکٹ کی ہک نہیں لگ رہی......''
چند سیکنڈ بعد وہ ہاتھ میں لاکٹ پکڑے اس کے پاس چلی آئی تھی...... لمحہ بھر کے لئے آرش کی نگاہیں اس پر ٹھہر گئی تھیں...... بلیو کلر کے ڈریس میں سجی سنوری...... خوشبوؤں میں بسی وہ اس لمحے اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ اس کی گردن کا تل دور سے ہی چمک کر اپنی طرف متوجہ کررہا تھا...... بلیو کلر اس پر بہت سوٹ کررہا تھا...... آرش بھی اس وقت بلیک سوٹ میں ملبوس بہت شاندار لگ رہا تھا...... جیل سے بکھرے بالوں کو سیٹ کئے اس نے کوٹ کی جیب میں ایک بلیو کلر ہی کا رومال لگا رکھا تھا۔
''کیسی لگ رہی ہوں میں......''
آرش کی محویت محسوس کر کے اس نے ذرا اٹھلا کر پوچھا تھا......
''ہمیشہ کی طرح بہت پیاری...... بہت خوبصورت......''
آرش نے اس کی خوبصورت گردن کو لائٹ کی قید میں بند کرتے ہوئے کہا تھا۔ یہ وہی جیولری سیٹ تھا جو ابھی پچھلے دنوں آرش نے اسے دلایا تھا...... گولڈ کے اس سیٹ میں کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے بلیو اور گرین ڈائمنڈ جڑے تھے...... جو کہ اس کی خوبصورتی میں اضافہ کررہے تھے...... یہ آرش کی طرف سے شادی کے بعد دیا جانے والا پہلا تحفہ تھا جو وہ اس وقت پہنے کھڑی تھی۔
''اب چلیں یا یہیں قید کرنے کا ارادہ ہے مجھ معصوم کو......''
محبت نے دھیرے سے اسے چھوا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی...... وہاں ہال میں وہ لوگ بالکل ٹھیک وقت پر ہی پہنچے تھے...... اور بالکل بھی لیٹ نہیں ہوئے تھے...... ایک فخر سے آرش نے اس کا سب سے تعارف کرایا تھا اور وہ بہت مان اور اطمینان سے میکال کی انگلی تھامے اس کے پہلو میں کھڑی تھی...... پر اسے بالکل محسوس نہیں ہوا تھا کہ دور سے دو آنکھیں تشنگی سے اسے دیکھ رہی ہیں......
''میں آج تیرے لئے بہت خوش ہوں آرش...... تو ایسا ہی لائف پارٹنر ڈیزرو کرتا تھا...... جب پہلے تجھے پریشان اور الجھا ہوا دیکھتا تھا تو سچ میں دل بہت دکھتا تھا یار...... سنا کیسی گزر رہی ہے......''
حورین...... رضا کی بیوی کے ساتھ سٹیج کی طرف گئی تو وہ رضا کے ساتھ چلتا ہوا ہال کی دوسری طرف آگیا تھا۔
''اللہ کا شکر ہے رضا...... بہت اچھی اور پرسکون گزر رہی ہے...... سچ بتاؤں تو زندگی جینے کا لطف آرہا ہے اب صحیح معنوں میں......''
وہ سوفٹ ڈرنک کا گلاس ہاتھ میں تھامے سامنے سٹیج کی جانب دیکھتے ہوئے بہت مطمئن انداز میں کہہ رہا تھا۔
''چل بہت اچھی بات ہے...... سچ کہوں تو پہلے ایک بار جب تو نے بتایا تھا کہ تیرے ابی جان چاہتے ہیں کہ تیری شادی حورین بھابھی سے ہو...... تو مجھے لگا تھا کہ یہی تیرا پرفیکٹ میچ ہے...... پر اس وقت قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا...... پر دیکھ میرا اندازہ کتنا ٹھیک تھا...... ہے نا پھر پرفیکٹ میچ...... Made for eca other.''
رضا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے کہا تھا......
''ہاں بھئی تیرے اندازے پہلے کبھی غلط

ہوئے ہیں جواب ہوں گے...... ایویں تو نہیں تجھے سب پیر صاحب کہتے......"

آرش کی بات پر وہ دونوں ہی بے ساختہ ہنس پڑے تھے...... دراصل رضا کو اندازے لگانے کا بہت شوق اور آرش نے بھی اس کی اسی بات کا حوالہ دیا تھا۔

✧✧✧

"یارا مجھے ایک چھوٹا سا کام ہے۔ اگر تم برا نہ مانو تو مجھے دو گھنٹے کیلئے جانا ہوگا...... اکیلے تم پریشان تو نہیں ہوگی نا......"

اگلے دن ناشتے کے بعد آرش اس سے کہہ رہا تھا...... اسے کوئی ارجنٹ کام آ گیا تھا اور جانا ضروری تھا۔

"ارے نہیں ہم رہ لیں گے، دو گھنٹے کی تو بات ہے۔ آپ جائیں......"

حورین نے میکال کو ناشتہ کراتے ہوئے مصروفیت سے انداز میں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے اپنا خیال رکھنا۔ میں کوشش کرتا ہوں جلدی آنے کی......"

اس نے اپنا والٹ اور فون اٹھایا اور ان دونوں کے ہی سر پر بوسہ دے کر اپنا خیال رکھنے کی تاکید کر کے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ حورین نے میکال کو ناشتہ کرانے کے بعد کارٹون لگا دیئے تھے اور خود بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔ لازمی ہے اب اس ہوٹل کے کمرے میں اسے اور کیا کام ہو سکتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد میکال کارٹون سے بور ہو کر اس سے باہر جانے کی ضد کرنے لگا تھا۔

"میکال جانی...... بابا آ جائیں پھر باہر چلتے ہیں......"

وہ اسے بہلا رہی تھی...... پر وہ اس وقت سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"نہیں ماما...... ابھی...... ابھی جانا ہے......"

وہ مسلسل ضد کر رہا تھا تو وہ اسے باہر لے آئی تھی لیکن پھر اس کا ارادہ میکال کو ہوٹل سے باہر لے جانے کا نہیں تھا...... اس شہر کے چپے چپے سے اس کی ان گنت یادیں تھیں...... کئی نشانیاں تھیں جو اسے کسی اور کی یاد دلاتی تھیں...... اس لئے وہ یہاں کی کسی سڑک پر بھی آرش کے بناء قدم رکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ کسی یاد کو اپنے قریب بھی نہیں آنے دینا چاہتی تھی...... کمرے سے نکل کر وہیں سامنے لابی میں ایک طرف بڑا سا ایکوریم بنا تھا...... میکال بھاگ کر اس کے پاس جا کھڑا ہوا تھا...... وہ وہیں بہل گیا تھا...... پانی میں تیرتی اوپر نیچے آتی رنگین مچھلیاں اسے اچھی لگ رہی تھیں...... وہ مچھلیوں سے اپنی زبان میں باتیں کرنے لگا تو حورین نے شکر ادا کیا...... حورین وہیں پاس پڑے ایک صوفے پر بیٹھ کر ایک میگزین اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگی تھی۔

"حورین......"

تبھی اس نے اپنے عقب سے ایک آواز سنی تھی۔ ایک جانی پہچانی دل کو چیر دینے والی آواز...... وہ بہت خوش تھی کہ وہ سب کچھ بھول چکی ہے...... آگے بڑھ گئی ہے مگر درحقیقت وہ تو کچھ بھی نہیں بھولی تھی...... اس لمحے اسے ایسا محسوس ہوا کہ اگر اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ پتھر کی ہو جائے گی...... وہ مڑ کر دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر وہ اب چہرے سمیت اس کے سامنے آ چکی تھی......

"کیسی ہو حورین......"

وہ بالکل نہیں بدلا تھا...... ویسا ہی تھا...... اتنا ہی شاندار اور قدرے مغرور...... اس کے لہجے میں حورین کے لئے وہی اپنائیت تھی جو ہمیشہ

ہوئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں......''

وہ مختصر جواب دے کر خاموش ہوگئی تھی...... وہ بالکل توقع نہیں کر رہی تھی کہ وہ اس طرح سے اچانک اس کے سامنے آجائے گا......

''تم آج بھی بالکل ویسی ہی ہو...... ذرا بھی نہیں بدلی ہو......''

وہ اسے آج بھی ویسی ہی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جیسے ہمیشہ دیکھتا تھا...... لیکن آج حورین کو ان نگاہوں سے الجھن ہو رہی تھی۔

''دراصل میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو وقت کے ساتھ بدل جاتے ہیں...... معیز احمد......''

اس نے بمشکل خود پر قابو پا کر جواب دیا تھا...... وہ دراصل یہاں کوئی تماشا نہیں چاہتی تھی...... اس لئے خود پر قابو پا کر بمشکل وہاں بیٹھی تھی......

''ہاں میں جانتا ہوں حورین...... کیا تم مجھے تھوڑا سا ٹائم دے سکتی ہو...... مطلب ہم کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں......''

''سوری...... مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی ہے...... چلو میکال......''

وہ سرعت سے وہاں سے اٹھی اور آگے بڑھ کر میکال کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''پلیز بس آخری دفعہ...... کچھ باتیں ایسی ہیں جو وضاحت طلب ہیں...... جو میں صرف تمہیں ہی بتا سکتا ہوں...... میرے دل پر بہت بوجھ ہے...... پلیز...... بس ذرا سی دیر......''

اسے جاتے دیکھ کر وہ سرعت سے اس کے سامنے آیا تھا...... مبادا وہ اس کی بات سنے بغیر چلی جائے......

''پلیز حورین......''

اس کی نگاہوں سے چھلکتا اضطراب اور التجائیہ انداز حورین کو مجبور کر رہے تھے کہ وہ ایک آخری بار اس کی بات سن لے...... آخر ایسا کیا تھا جس کا وہ بوجھ لئے ہوئے تھا...... شاید کچھ ایسا جو وہ جانتی نہ تھی......

✧✧✧

وہ دونوں ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں چلے آئے تھے جہاں اس وقت رش نہ ہونے کے برابر تھا...... کیونکہ لنچ ٹائم ہونے میں ابھی کافی وقت تھا۔ حورین نے اب منتظر نگاہوں سے معیز کی جانب دیکھا تھا کہ وہ جلد از جلد اپنی بات کہے۔

''سو...... شادی کر لی تم نے...... کل تمہیں دیکھا تو پتہ چلا......''

معیز نے ایک نگاہ میکال کو دیکھ کر اس سے کہا تھا۔

''ہاں کر لی اور بہت خوش اور مطمئن ہوں اپنی زندگی میں......''

حورین نے اس کی بات کاٹ کر اسے جتلایا تھا...... کیونکہ وہ اسے باور کرانا چاہتی تھی کہ وہ آگے بڑھ گئی ہے۔

''مجھے خوشی ہوئی حورین...... کیونکہ تم یہی ڈیزرو کرتی ہو...... اب ہر کوئی مجھ جیسا بدقسمت تو نہیں ہوتا ناں......''

''کیوں کیا تم صبا کے ساتھ خوش نہیں ہو......''

وہ یہ ذکر نہیں کرنا چاہتی تھی...... لیکن معیز کے لہجے میں کچھ ایسا تھا...... جس نے اسے یہ پوچھنے پر اکسایا تھا۔

''میں نے صبا سے شادی نہیں کی تھی حورین...... ان فیکٹ کبھی کرنا ہی نہیں تھی...... ہاں ممی ایسا چاہتی تھیں...... مگر میں نہیں لیکن ہاں

وہ صرف ایک سچویشن تھی...... جو مجھے تمہیں اپنی زندگی سے نکالنے کے لئے کری ایٹ کرنا پڑی...... کیونکہ میں اپنی مردانہ اَنا کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہیں ایک دھوکا دے چکا تھا لیکن ایک اور دھوکا، ایک اور دکھ نہیں دے سکتا تھا......"

✧✧✧

اس نے کل جب سے حورین کو دیکھا تھا...... تو جیسے پھر سے اسے وہ ساری باتیں یاد آنے لگی تھیں...... کچھ احساس شکست تھا...... جو اسے اپنے شوہر اور بچے کے ساتھ دیکھ کر ہوا تھا...... اور کچھ احساس ندامت کہ اس نے اسے کھو دیا تھا...... کچھ شرمندگی کہ اس نے اسے دھوکے سے خود سے دور کیا تھا...... اپنی مردانہ اَنا کو بلند رکھ کر اسے تکلیف دی...... جو بھی تھا اس نے حورین کو دل سے چاہا تھا اور اسے اپنایا تھا...... مگر قسمت نے ان کے راستے الگ کر دیئے تھے...... پر جانے کیوں کل سے معیز کا دل پھر سے اس کی جانب چمک رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ حورین بھی اسے نہیں بھولی ہے...... دراصل وہ اس ہوٹل میں آیا ہی اس کے پیچھے تھا...... اور شومئ قسمت کہ اس سے ملاقات بھی ہو گئی تھی......

"کیا مطلب...... معیز میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں...... تم کیا کہنا چاہ رہے ہو......"

حورین کا دل یکدم ڈوب کر ابھرا تھا...... ایسا کیا تھا جو وہ اس سے چھپا رہا تھا۔ وہ کس دھوکے کی بات کر رہا تھا......

"حورین...... میں بہت شرمندہ ہوں تم سے...... ایک بوجھ ہے جو اتنے سالوں سے میں اپنے دل پر لئے گھوم رہا ہوں...... پر اب مزید نہیں سہہ سکتا ہوں...... حورین...... میں مغرور...... لااُبالی...... لاپرواہ سہی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ میں نے تمہیں پورے دل سے چاہا اور اپنایا تھا...... اور آج بھی میرے دل میں تمہارے لئے اتنی ہی محبت ہے...... جتنی اول روز تھی...... میں کبھی بے وفا نہیں تھا حورین......"

"معیز پلیز...... میں یہ سب سننے یہاں نہیں آئی ہوں...... آپ وہ کہیں جو آپ کہنا چاہتے ہیں......"

حورین نے یکدم ہی اسے ٹوک دیا تھا...... محبت بھری یہ باتیں کبھی اس کے منہ سے کسی قیمتی خزانے کی مانند لگا کرتی تھیں...... جبکہ آج اسے یہ سب سن کر بے چینی سی ہو رہی تھی...... وہ چاہتی تھی کہ اب وہ جلد از جلد وہ سب کہہ دے جو کہنا چاہتا تھا اور وہ یہاں سے جائے۔ اس کی قربت اس حورین کو اُلجھن میں مبتلا کر رہی تھی...... اس کا دھیان بھٹک کر آرش کی طرف جا رہا تھا۔

"سوری...... لیکن بات ہی کچھ ایسی ہے کہ میں آج بھی سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ کیسے اپنے منہ سے کہوں...... کیونکہ یہ بات ہمیشہ سے میری مردانہ اَنا پر کاری ضرب کی مانند لگتی ہے...... حورین......"

وہ لمحہ بھر کو رکا تھا...... وہ اب بھی اسے منتظر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی......

"جس کمی کو وجہ بنا کر میں نے یا میرے گھر والوں نے تمہیں چھوڑا...... یا تمہیں ٹھکرایا...... دراصل وہ کمی تم میں تھی ہی نہیں......"

وہ لمحہ بھر کو رکا تو حورین نے حیرتوں کے سمندر میں جیسے خود کو تیرتا پایا تھا۔ وہ یہ کیا کہہ رہا تھا......

"وہ کمی مجھ میں تھی حورین...... مگر میری مردانہ اَنا یہ گوارا نہیں کرتی تھی کہ میں یہ سب دنیا کے سامنے قبول کر سکوں...... میں تمہارے اور اپنی فیملی کے سامنے اس سچ کو قبول کر سکوں

میں بظاہر ایک بے حد لبرل اور پڑھا لکھا ہو کر اس معاملے میں وہی روایتی مرد بن گیا جس کی مردانہ اَنا سب سے اوپر ہوتی ہے...... میں نے ہر ذمہ داری تم پر ڈال دی اور خود سرخرو ہو گیا...... جبکہ حقیقت یہ تھی کہ تمہاری ہر رپورٹ نارمل تھی اور میری ہر رپورٹ زیرو...... اور جب تک مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ سب جانتے تھے کہ کمی تم میں ہے۔ سچ صرف مجھے پتہ تھا...... تمہارا اداس اور پریشان چہرہ میرا دل چیر دیتا تھا...... میں تمہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتا تھا...... میں نے کئی جگہ سے پھر سے اپنے ٹیسٹ کرائے مگر نتیجہ وہی...... اور ممی کی وہی ایک رٹ کہ میں دوسری شادی کر لوں......"

حورین دم سادھے اسے سن رہی تھی......

اس کے سارے لفظ اس لمحے جیسے گم ہو گئے تھے...... ساری حسیں سو گئی تھیں...... یاد رہا تو بس وہ دھوکا...... وہ دکھ...... وہ تکلیف جو اس کمی کو لے کر وہ اب تک سہتی آئی تھی...... معیز اب بھی مسلسل بول رہا تھا...... جیسے اپنے دل پر دھرا بوجھ آج اتار دینا چاہتا ہو...... یہ سوچے بنا کہ اس کے الفاظ حورین کو کسقدر تکلیف پہنچا رہے ہیں۔

"میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا...... سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں...... میرا اتنا ظرف نہیں تھا کہ کوئی بچہ گود لے سکوں...... اور میرے وجود سے تمہیں وہ خوشی کبھی نہیں مل سکتی تھی...... جس کے لئے تم دن رات تڑپ رہی تھیں...... تب میں نے وہ فیصلہ کیا جو شاید آج تک میرے حلق میں اٹکا ہے...... جو آج بھی میری روح کا ناسور ہے...... ایک ایسا فیصلہ جو آج بھی میری زندگی کا سب سے بڑا پچھتاوا ہے...... تمہیں خود سے دور کر دینے کا فیصلہ......

میں چاہتا تھا کہ تم مجھ سے دور اپنی ایک الگ دنیا بسا لو...... اپنی فیملی بناؤ...... میں نے تم سے جھوٹ بولا کہ میں صبا سے نکاح کر رہا ہوں حالانکہ میں ممی کو منع کر چکا تھا...... میں جانتا تھا کہ تم مجھے صبا کے ساتھ نہیں دیکھ سکتی ہو اور وہی ہوا...... تم میری زندگی سے چلی گئیں اور میں چاہ کر بھی تمہیں بھول نہیں پایا حورین...... کل تمہیں دیکھا تو لگا کہ جیسے پھر سے جی اٹھا ہوں...... میں جانتا ہوں میں نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا...... تمہیں دھوکا دیا...... جھوٹ بولا...... پر پلیز مجھے معاف کر دو...... اس محبت کی خاطر ہی سہی جو کبھی ہمارے درمیان تھی......"

وہ مسلسل بول رہا تھا...... اور وہ کچھ سن رہی تھی اور کچھ نہیں...... اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا...... اس کے وجود کے پرخچے اڑ رہے تھے...... اتنا بڑا دھوکا...... اتنا بڑا جھوٹ...... محبت کے نام پر اتنا بڑا ظلم...... کہ اس کی ہستی بے اعتبار کر دی......

"میں چاہتا تھا حورین کہ تم اپنی زندگی میں خوش رہو...... نئی زندگی شروع کرو...... اس لئے تمہیں خود سے دور کیا...... پر میں آج بھی تمہیں بھول نہیں سکا...... میں......"

"بس...... معیز بس...... اس سے زیادہ اب ایک لفظ اور مت کہنا...... ورنہ شاید میں ہر لحاظ بھول جاؤں گی......"

اس کی اونچی آواز پر جہاں معیز یکدم خاموش ہوا تھا...... وہیں اردگرد بیٹھے کتنے ہی لوگوں نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا تھا...... حورین کو یکدم ہی ماحول اور جگہ کا احساس ہوا تو وہ میکال کو اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی جو اتنی دیر میں اس کی گود میں سو چکا تھا...... وہ خود پر ضبط کر کے پہرے بٹھاتی معیز کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر

وہاں سے چلی آئی تھی...... کیونکہ وہ اس کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی...... غصے اور بے بسی کے احساس میں گھر کر وہ اسے کچھ کہہ نہیں پائی تھی...... جبکہ وہ کتنی ہی دیر وہیں خاموش بیٹھا اسے ایک بار پھر سے خود سے دور جاتا دیکھ رہا تھا...... جانے کیوں دل سب کچھ جانتے بوجھتے اس کے لئے پھر سے مچل رہا تھا...... ہوتا ہے نا ایسا کہ جو کبھی آپ کا ہو وہ اگر صدیوں کے فاصلے پر نظر آئے تو دل پھر سے اسے اپنا بنانے کو مچل اٹھتا ہے...... معیز کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا...... کمرے میں پہنچ کر حورین خود پر کیا ضبط ایک دم ہی کھو بیٹھی تھی...... غصے اور غم کی شدت سے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی...... وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ ریسٹورنٹ میں ان دونوں کو ایک ساتھ بیٹھا دیکھ کر کسی اور کے دل پر قیامت گزر گئی تھی...... کیا وقت پھر سے اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیلنا چاہ رہا تھا یا یہ محض اس کے دل کا وہم تھا...... کچھ بھی تھا، وہ منظر آرش کے دل میں تراوز ہو گیا تھا۔

✦✦✦

سچ کہتے ہیں کہ محبت خاموش ہو جاتی ہے...... چھپ جاتی ہے...... کم ہو جاتی ہے...... مگر کبھی ختم نہیں ہوتی ہے...... دل میں دبی اس کی راکھ سے کبھی بھی چنگاری نکل کر وجود کو پھر سے بھسم کر سکتی ہے...... شاید حورین اور معیز کی محبت بھی ایسی ہی تھی...... یہ آرش کا خیال تھا...... وہ اس دن سے ایک اضطراب کا شکار تھا...... جس دن سے اس نے ان دونوں کو ریسٹورنٹ میں بیٹھا دیکھا تھا...... ریسپشن سے اسے پتہ لگا کہ حورین ریسٹورنٹ میں ہے...... وہ بہت خوشگوار موڈ میں وہاں آیا تھا تاکہ لنچ ساتھ کر سکیں۔ مگر وہاں جا کر اس نے جو منظر دیکھا وہ اس کے لئے بہت تکلیف دہ تھا...... چند ہی دنوں میں وہ حورین کے اس قدر قریب آ گیا تھا کہ اب اسے کسی اور کے ساتھ خاص کر معیز کے ساتھ دیکھنا بہت تکلیف دہ تھا...... کچھ اس کے دل میں اپنی پچھلی زندگی کا خوف تھا...... وہ یہ سب اپنے ساتھ پھر سے ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا...... اور جب وہ کمرے میں آیا تو حورین کا رویا رویا چہرہ کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا...... وہ یکدم ہی اپنے خول میں سمٹ گیا تھا...... رونے کی وجہ نہ اس نے پوچھی نہ حورین نے کچھ بتایا۔ بظاہر سب نارمل تھا...... لیکن وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اندر ہی اندر عجیب کشمکش میں گھرے ہوئے تھے۔ چاہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو کچھ کہہ نہیں پا رہے تھے...... کیوں...... شاید ایک دوسرے کی تکلیف کے خیال سے یا ایک دوسرے کو کھونے کے ڈر سے...... بار بار معیز سے ملاقات کا ذکر حورین کے لبوں پر آتے آتے رہ جاتا صرف اس خیال سے کہ آرش کو برا لگے گا...... کیونکہ وہ پلوشے کے معاملے میں پہلے ہی بہت تکلیف اٹھا چکا تھا۔ میں اس کی تکلیف کے خیال سے خاموش تھی...... اور آرش نے یہ سوچ کر اسے کچھ نہیں پوچھا تھا کہ اگر جواب میں اسے کچھ ایسا سننے کو ملا جو ناقابل قبول ہو...... ناقابل برداشت ہو تو وہ کیا کرے گا...... وہ رہ پائے گا اب حورین اور بچوں کے بناء...... بس دونوں اپنی اپنی سوچوں کے مدار میں قید گول گول گھوم رہے تھے۔ بس سرا نہیں مل رہا تھا نکلنے کا...... اسلام آباد سے وہ دونوں ہفتے کی بجائے چار دنوں میں ہی لوٹ آئے تھے۔ بہانہ یہ تھا کہ میکال تنگ کر رہا تھا اور آرش کی چھٹی کینسل ہو گئی تھی...... حالانکہ یہ دونوں ہی باتیں غلط تھیں

اور یوں وفادار ... طرف وہ دونوں جانے تھے
دیانت داری کی شرط پر اپنی زندگی کی شروعات کرنے والے اس وقت یہ بھول گئے تھے کہ ایک دوسرے سے کچھ چھپانا بھی بد دیانتی ہے۔

✧✧✧

جب ہم کسی سے محبت کریں اور شومئ قسمت وہ ہمیں مل بھی جائے تو ہم بجائے خود کو خوش نصیب کے سمجھنے کے اس کی قدر نہیں کرتے ہیں...... اور پھر اگر وہ ہم سے کسی وجہ سے دور ہو جائے اور اپنی زندگی میں آگے بڑھ جائے تو ہم پھر سے دیوانہ وار اس کی جانب دیکھتے ہیں کہ اس پر تو ہمارا حق تھا یہ کسی اور کے ساتھ کیسے خوش رہ سکتا ہے...... یہ انسانی فطرت ہے ہم پھر سے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں...... معیز بھی جب سے حورین سے ملا تھا...... کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا تھا...... وہ اسے پھر سے پانے کو مچل اٹھا تھا...... وہ چاہتا تھا کہ حورین پھر سے اسے اپنا لے...... اس کی زندگی میں واپس آ جائے کیونکہ جس خوشی اور محرومی کی وجہ سے معیز نے اسے خود سے دور کیا تھا وہ اب دور ہو چکی تھی...... سو اگر وہ پھر سے اس کی زندگی میں آ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے...... اسے لگا کہ حورین بھی اسے آج بھی اتنا ہی چاہتی ہے...... کم از کم اس کی خاموشی سے اس نے یہی اخذ کیا تھا...... جانے اسے کیا سوجھی کہ وہ یہی بات کرنے ابی جان کے پاس چلا آیا تھا...... یہ سوچے سمجھے بنا کہ جو وہ کر چکا ہے اور اب اس کے بعد اب وہ جو کرنے جا رہا ہے...... کیا وہ صحیح ہے...... کیا جذبات میں آ کر صرف اپنی خوشی کی خاطر کسی اور کے جذبات کو روندنا ٹھیک ہے......

مگر اس وقت شاید وہ ایسا کچھ نہیں سوچ رہا تھا...... ابی جان اس کی بات سن کر حیرت کے ساتھ غصے میں بھی آ گئے تھے...... وہ معیز سے اس بات کی توقع ہرگز نہیں کر رہے تھے...... اول تو وہ اس بات پر ہی حیران تھے کہ وہ ان کے پاس یہاں آیا کیوں ہے اور پھر اگر آ بھی گیا ہے تو ایسی بات......

"معیز اول تو تمہیں ایسی بات کرنی تو کیا سوچنی بھی نہیں چاہئے تھی لیکن اگر اب بھی تمہارے اندر ایسی کوئی امید ہے تو سن لو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں بہت خوش اور مطمئن ہے اور میں تمہیں اس کی زندگی میں زہر گھولنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا...... بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

ابی جان کا انداز دوٹوک تھا......

"انکل پلیز...... آپ بس ایک بار اس سے بات کر کے تو دیکھیں پلیز...... آپ جانتے ہیں وہ کتنا تڑپی تھی مجھ سے الگ ہو کر...... کتنا روتی تھی...... وہ ہرگز مجھ سے الگ ہونا نہیں چاہتی تھی تو کیا اب وہ پھر سے میری زندگی میں شامل ہونا نہیں چاہے گی...... ہماری محبت کسی سے ڈھکی چھپی تو نہیں...... میں اپنے پچھتاوؤں کا...... تمام تر شرمندگی کا مداوا کرنا چاہتا ہوں...... بس ایک بار انکل...... مجھے ایک موقع دیں...... ایک بار حورین سے بات کر لیں......"

وہ ان کے پیروں کے پاس دوزانو ہو کر بیٹھا تھا...... ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے وہ پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل انہیں منانے کی کوشش کر رہا تھا...... وہ انہیں بتا چکا تھا کہ وہ حورین سے مل چکا ہے اور وہاں ہوٹل میں حورین کی خاموشی سے معیز کا حوصلہ بڑھا تھا...... اس کی آنکھوں میں جمع ہونے والے آنسوؤں نے اسے یہاں تک پہنچا دیا تھا...... اسے لگا کہ حورین آج بھی اسے چاہتی ہے اور اس سے جدا ہو کر دکھی ہے......

حالانکہ ایسا قطعی نہیں تھا...... حورین اس وقت شاک کی کیفیت میں تھی...... اور کچھ اردگرد کے ماحول کا احساس تھا...... اس لئے وہ خاموش رہی...... پر معیز جاتے جاتے ابی جان کے لئے سوچوں کے نئے در وا کر گیا تھا۔

"تو کیا یہ سچ تھا کہ وہ آج بھی معیز سے محبت کرتی تھی...... اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اس سے کوئی تو شکوہ کرتی...... گلہ کرتی اس ساری زیادتی پر...... خاموش کیوں رہی وہ...... دوٹوک جواب کیوں نہیں دیا اسے......"

انہوں نے معیز کو دوٹوک جواب دے تو دیا تھا...... مگر فوراً اس کے جانے کے بعد مسلسل سوچ میں گم تھے......

✧✧✧

آرش اور حورین جب سے اسلام آباد سے لوٹے تھے، تب سے ابی جان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی...... سو آج وہ دونوں ان سے ملنے چلے آئے تھے۔ وہ اپنی سٹڈی میں بیٹھے تھے...... ایزی چیئر پر جھولتے آرش کو وہ قدرے خاموشی اور گہری سوچ میں پریشان سے لگے تھے...... حورین تھوڑی دیر وہاں بیٹھی پھر کچن میں چلی گئی تاکہ نفیس خان کے ساتھ مل کر کچن کو دیکھ لے اور چائے بھی بنا لے...... میکال ان کے ساتھ نہیں تھا...... وہ سو گیا تھا تو مورلے نے اسے ساتھ لے جانے سے منع کر دیا تھا۔

"کیا بات ہے ابی جان...... آپ مجھے کچھ پریشان سے لگ رہے ہیں...... سب خیریت ہے ناں......"

حورین کے وہاں سے جانے کے بعد آرش نے ان سے پوچھا تھا......

"نہیں ایسا تو کچھ خاص نہیں ہے...... میں ٹھیک ہوں......"

انہوں نے ٹالنے کی کوشش کی تھی...... پر وہ جانتے تھے کہ اس میں کامیاب نہیں ہوں گے......

"نہیں کچھ تو ضرور ہے ابی جان...... آپ مجھ سے چھپا رہے ہیں......"

آرش ان کے چہرے پر ان کی آنکھوں میں پھیلی پریشان کی لکیر دیکھ چکا تھا۔

"تم جانتے ہو آرش...... میں تم سے کچھ نہیں چھپاتا ہوں......"

اور سچ بھی یہی تھا وہ اس وقت بھی اس سے زیادہ دیر تک کچھ بھی نہیں چھپا پائے تھے اور اسے ساری بات تفصیل سے بتا دی تھی...... جسے سن کر وہ آرش کے چہرے پر پھیلی سرخی صاف محسوس کر سکتے تھے...... غصہ...... بے چینی...... اضطراب کیا کچھ نہیں تھا اس کے چہرے پر...... وہ اس سے یہ سب نہیں کہنا چاہتے تھے لیکن ان کے پاس ایسا اور کوئی تھا ہی نہیں کہ وہ جس سے یہ سب کہتے...... اور یوں بھی یہ سب آرش کے علم میں لانا ضروری تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ مجھے یہ بات شاید تم سے نہیں کرنی چاہیے تھی...... پر میں بھی کیا کرتا بات ایسی تھی کہ تم سے کرنا ضروری تھا...... بس اسی وجہ سے میں پریشان ہوں...... اب تم ہی بتاؤ آرش میں کیا کروں...... حورین سے بات کروں یا نہیں......"

حورین کے ذکر پر آرش کے سامنے اس کا رویا رویا چہرہ آ گیا تھا...... جب وہ معیز سے ملی تھی تو تب وہ کتنی ہی دیر تک آرش کے سامنے اپنی روئی ہوئی آنکھیں چھپاتی پھر رہی تھی...... مبادا وہ دیکھ کر کچھ پوچھ نہ لے...... حالانکہ آرش اسے وہاں بیٹھا دیکھ چکا تھا...... مگر وہ چاہتا تھا کہ وہ خود سے اسے بتائے...... اب وہ اس سے

کیوں چھپا رہی تھی، یہ وہ سمجھ نہیں پایا تھا...... اور اب یہ صورت حال...... تو کیا وہ اس معاملے میں استاد بد قسمت ہے کہ اللہ نے اس کے نصیب میں شریک سفر کی محبت لکھی ہی نہیں...... اس نے تو صحیح معنوں میں حورین کے ساتھ زندگی کو جیا تھا...... اس کا لطف اٹھایا تھا...... زندگی کو محسوس کیا تھا...... اور اب وقت نے اسے عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے...... پر وہ چاہتا تھا کہ ایک بار وہ اس موضوع پر حورین سے بات کر لے اور سنے کہ وہ کیا چاہتی ہے...... پھر جو حورین فیصلہ کرتی ہے اسے قبول ہوتا...... وہ اسے اتنی عزیز ہو چکی تھی کہ شاید اب وہ اس کی خوشی کی خاطر سب کر گزرتا......

''ابی جان...... آپ کی طرح اس وقت میں بھی بہت مشکل میں ہوں...... میں خود آپ سے اس موضوع پر بات کرنا چاہ رہا تھا...... پر سوچ رہا تھا کہ کیسے کہوں...... میں جانتا ہوں کہ وہ اس سے ملی تھی...... میں نے انہیں دیکھا تھا اور حورین نے یہ بات مجھ سے چھپائی...... کیوں، نہیں جانتا...... مگر آپ جانتے ہیں کہ میں زندگی کے کسی بھی معاملے میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں...... کسی کے ساتھ بھی......''

''کیا مطلب ہے آرش...... میں تمہاری بات کو سمجھا نہیں...... تم کیا کہنا چاہ رہے ہو...... کھل کر کہو...... کیا حورین نے کچھ کہا ہے تم سے اس بارے میں...... کیا تم نے کچھ محسوس کیا ہے......''

ابی جان نے بے قراری سے اس کی بات کو درمیان سے کاٹ کر کہا تھا...... وہ کسی طور بھی معیز کو حورین کی زندگی میں دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

''نہیں ابی جان ایسا کچھ نہیں ہے...... بس میں چاہتا ہوں کہ ایک بار اس سے بات کر کے پوچھوں کہ وہ کیا چاہتی ہے......''

''ایسی کون سی بات ہے جو آپ مجھ سے کرنا چاہتے ہیں آرش...... کہیئے میں ہر بات کا جواب دینے کو سامنے کھڑی ہوں......''

چائے لے کر آتی حورین ان دونوں کی سب باتیں سن چکی تھی...... وہ جب چائے لے کر آئی تو اندر اپنا اور معیز کا نام سن کر وہیں ٹھہر گئی تھی...... کیونکہ وہ لاعلم تھی ابی جان اور معیز کی ملاقات سے اور نہ ہی یہ جانتی تھی کہ آرش اسے وہاں معیز کے ساتھ دیکھ کر اس ملاقات کو اپنے مطلب کے معنی پہنا چکا ہے۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس نے ان دونوں کی ساری باتیں سن لی تھیں۔ اس لمحے ایک گہرے دکھ اور تکلیف نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا...... وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آرش اور ابی جان اس طرح سے سوچ رہے ہیں...... وہ اندر آئی تو اس کے چہرے سے صاف پتہ لگ رہا تھا کہ وہ سب سن چکی ہے......

''کیا آپ دونوں مجھے صرف اتنا ہی جانتے ہیں...... میں بھی آپ دونوں کو اتنی ہی کمزور لگتی ہوں کہ پھر سے کوئی بے وقوفی کروں گی...... اور ابی جان آپ کو بجائے اس کی بات سننے کے اس کا منہ توڑ دینا چاہئے تھا...... آرش آپ سے بھی مجھے یہ امید قطعی نہیں تھی...... بس اتنا ہی سمجھ پائے ہیں آپ مجھے اب تک...... ایسی کون سی کمی دیکھی ہے آپ نے میری وفا میں کہ کسی اور کو سونپنے چلے ہیں مجھے...... میں انسان ہوں ایک باشعور انسان...... کوئی موم کی گڑیا نہیں کہ جس کا جدھر دل چاہے گا مجھے وہاں موڑ لے گا اور میں ٹوٹ جانے کے ڈر سے مڑ جاؤں گی......''

وہ غصے اور دکھ کے ملے جلے جذبات میں گھری بمشکل بول رہی تھی...... اس کی دل نشین آنکھوں میں آنسوؤں کا جال تیزی سے بن رہا تھا......

''بیٹا ہمارا وہ مقصد نہیں تھا...... ہم تو صرف......''

''آپ دونوں کا جو بھی مطلب تھا ابی جان...... اگر ایسا ہے تو ایسا ہی سہی...... اب فیصلہ میں کروں گی......''

اس نے تیزی سے ابی جان کی بات کاٹی تھی......اور آنسوؤں کے بنتے جال کو بے دردی سے ہاتھ سے صاف کیا تھا...... اس نے آرش کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا اور یہ بے رخی آرش کا دل چیر گئی تھی......

''حورین...... پلیز میری بات سنو...... حورین......''

وہ وہاں سے باہر گئی تو آرش بھی تیزی سے اٹھ کر اس کے پیچھے ہی لپکا تھا...... مگر وہ اپنے کمرے میں جا کر بند ہو چکی تھی...... اور وہ کتنی ہی دیر دروازہ ناک کرتا اسے پکارتا ہی رہا تھا...... مگر اس بار حورین اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھی......

✦✦✦

اس رات سے حورین ابی جان کے پاس ہی تھی...... وہ گویا سب سے ناراض ہو چکی تھی...... اس نے خود کو کمرے میں بند کر دیا تھا...... اسے اس بات کا دکھ تھا کہ ابی جان اور آرش دونوں نے ہی اس پر اعتبار نہیں کیا تھا...... وہ دونوں اسے غلط سمجھ رہے تھے...... اس کا دل اس وقت بے حد تکلیف محسوس کر رہا تھا...... معیز نے ایک بار پھر سے اس کی زندگی میں آ کر اتھل پتھل مچا دی تھی۔ اس کے آنسو خشک ہی نہیں ہو رہے تھے...... اسے اگر فکر تھی تو صرف میکال کی......

وہ اس کے بناء رہنے کا عادی نہیں تھا اور وہ پچھلے دو دن سے یہاں تھا...... اور میکال نے بچ میں پورے گھر کو چکرا کر رکھ دیا تھا...... اسے کچھ نہیں چاہئے تھا سوائے ماما کے۔ نہ کھانا نہ پینا...... نہ گھومنا...... نہ چاکلیٹس نہ دودھ نہ کچھ اور صرف ماما چاہے تھی...... اس کی گورنس...... بابا جان، مورلے...... یہاں تک کہ آرش بھی اسے سنبھالنے میں ناکام ہو گئے تھے...... اور آرش پچھلے دو دن سے بے حد ڈسٹرب تھا...... اس کی متاع اس سے روٹھی تھی...... اسے چین کیسے آتا اور وہ بھی اس کی غلطی سے...... اسے چین کیسے آتا...... وہ عجیب کیفیت میں تھا...... بابا جان اور مورلے بے خبر تھے کہ حورین اچانک وہاں کیوں رک گئی ہے...... آرش نے انہیں یہی بتایا کہ ابی جان کی تھوڑی طبیعت ٹھیک نہیں ہے...... اس لئے اسے رکنا پڑا......

''آرش حورین کب آئے گی بیٹا...... میں سمجھی آج تم اسے لے آؤ گے......''

وہ ابھی آفس سے آ کر بیٹھا ہی تھا کہ مورلے اس کے پاس آ بیٹھی تھیں......

''جی......''

وہ پل بھر کو چپ ہو گیا تھا کہ جیسے سوچ رہا تھا کہ اب کیا بولے......

''وہ آ جائے گی مورلے...... ابی جان کی تھوڑی طبیعت سنبھل جائے تو آ جائے گی......''

وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے بولا تھا...... وہ اس وقت سر میں شدید درد محسوس کر رہا تھا...... کسی کے نرم ہاتھوں کا لمس اس لمحے بری طرح یاد آ رہا تھا۔

''ہوں...... چلو پھر ایسا کرتے ہیں کہ میں اور تمہارے بابا جان جا کر ان کی طبیعت بھی

معلوم کر آتے ہیں اور میکال کو بھی حورین کے پاس چھوڑ آتے ہیں...... اس نے رو رو کر خود کو ہلکان کرلیا ہے...... کیا خیال ہے......"

مورلے نے ایک نگاہ اس کے تھکے تھکے چہرے پر ڈال کر کہا تھا...... ماں تھیں، جان چکی تھیں کہ بیٹے اور بہو کے بیچ میں کچھ ہوا ہے...... مگر کیا...... فی الحال وہ ان سے چھپا ہوا تھا......

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی...... میں کچھ دیر آرام کروں گا...... سر میں بہت درد ہے......"

وہ کہہ کر اپنے کمرے میں جانے کے لئے اٹھا تو مورلے کتنی ہی دیر تک اسے پیچھے سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھیں...... اس کی چال تھکی تھکی سی تھی...... کچھ تھا ایسا جو اسے پریشان کررہا تھا...... انہوں نے افضل کے ہاتھ چائے اور سر درد کی دوا اس کے کمرے میں بھجوا دی تھی...... وہ دونوں میکال کو لے کر حورین کی طرف چلے آئے تھے...... میکال اسے دیکھتے ہی اس سے چاچمٹا تھا۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے بھائی جان......"

مورلے کے پوچھنے پر وہ لمحہ بھر کو گڑبڑا سے گئے تھے کہ بھلا میری طبیعت کو کیا ہوا...... پھر جیسے فوراً ہی کوئی خیال ذہن میں آیا تھا...... حورین یہاں تھی...... کیوں تھی...... اس کا مطلب آرش نے ان لوگوں کو اصلی بات نہیں بتائی تھی......

"جی جی...... اب تو بہت بہتر ہوں...... بس بڑھاپا ہے تو اونچ نیچ ہو جاتی ہے......" وہ فوراً سنبھل کر بولے تھے۔

"آرش نہیں آیا ساتھ......"

"نہیں اس کی طبیعت ذرا خراب تھی...... وہ آرام کرنا چاہ رہا تھا اس لئے نہیں آیا......"

بابا جان کے بتانے پر سامنے ہی میکال کو گود میں لئے بیٹھی اس سے باتیں کرتی حورین کے دل کو کچھ ہوا تھا...... اس کی طبیعت خراب تھی...... اور وہ اس سے دور تھی...... دل کو کچھ تو ہونا تھا نا...... بے قراری نے پورے وجود کا احاطہ کرلیا تھا......

✧✧✧

"حورین یہاں بیٹھو اور میری بات سنو......"

اس دوپہر وہ میکال کو سلا کر اپنے لئے چائے بنانے کچن میں جارہی تھی...... تبھی لاؤنج میں گلاس ونڈو کے پاس اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے ابی جان نے اسے آواز دی تھی۔

"جی...... ابی جان بولئے......"

وہ پچھلے ایک ہفتے سے یہاں تھی اور اب میکال بھی اس کے پاس تھا تو وہ بے فکری سے یہاں رہ رہی تھی...... جبکہ ابی جان اب چاہتے تھے کہ وہ اس معاملے کو جلد از جلد حل کرلے اور اپنے گھر جائے۔

"دیکھو بیٹا...... زیادہ طویل ناراضگی بھی بعض اوقات آپ کو نقصان سے دوچار کردیتی ہے...... اس دن ہماری باتوں کا وہ مقصد نہیں تھا جو تم نے سمجھا۔ ہم صرف تمہارے منہ سے تمہارا مؤقف سننا چاہتے تھے کیونکہ تمہاری خاموشی سے شہ پاکر وہ یہاں تک آیا تھا...... اب تم کہو تم کیا چاہتی ہو...... تمہارے دل میں جو ہے وہ کھل کر کہو اور اس غلط فہمی کو دل سے نکال دو کہ کوئی تمہیں غلط سمجھ رہا ہے...... ریسٹورنٹ میں تمہارا معیز سے ملنا اور پھر دنوں تک اداس رہنا...... خاموش رہنا آرش کو غلط فہمی میں مبتلا کر گیا ہے...... وہ اپنی پچھلی زندگی کے تجربے سے

ڈرا ہوا ہے۔ بس اس لئے چاہتا ہے کہ تم دل سے فیصلہ کرو اور معیز کو بھی یہی غلط فہمی یہاں تک لے آئی کہ شاید تم اب بھی اس کا ساتھ چاہو گی اور وہ تب تک پیچھے نہیں ہٹے گا جب تک تم اسے دوٹوک جواب نہیں دو گی...... اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ تم خود اس سے ملو...... میں جانتا ہوں تم اپنی زندگی میں مطمئن ہو...... یہ خود اسے یقین دلاؤ اس اعتماد کے ساتھ کہ وہ پھر سے تمہاری زندگی میں پلٹ کر نہ آسکے...... میں تمہارا باپ ہوں بیٹی...... زندگی میں کبھی تمہارا برا نہیں چاہوں گا...... بعض اوقات ہماری خاموشی ہماری کمزوری بن جاتی ہے......"

کتنے ہی دنوں کی رکی ہوئی باتیں تھیں جو ابی جان اس سے کہہ رہے تھے...... پہلے وہ غصے میں تھی...... اب نہیں تھی۔ وہ جانتے تھے اب وہ باتوں کو اچھے سے سمجھے گی......

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ابی جان...... میری خاموشی بعض اوقات میری کمزوری بن جاتی ہے...... میرا فیصلہ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے...... بلکہ اس میں فیصلہ کیسا...... مجھے آرش کے ساتھ ہی اپنی زندگی گزارنا ہے ہمیشہ...... اور یہ بات میں اس پر واضح کر دوں گی......"

آنکھوں سے جذبات اور غصے کی پٹی ہٹی تو بات ٹھیک سے سمجھ آ گئی تھی...... اگر اس دن وہاں ریسٹورنٹ میں وہ اپنے اٹھتے ہاتھ کو اردگرد کا خیال کر کے نہ روک لیتی تو آج حالات مختلف ہوتے اور معیز کو شہ نہ ملتی اور وہ یوں بلا وجہ اتنے دن گھر اور آرش سے دور نہ ہوتی...... ابی جان نے ہمیشہ کی طرح اس کی روشن پیشانی چوم کر اسے دعا دی تھی......

✧✧✧

حورین کے کہے گئے الفاظ ابھی تک معیز کے دل و دماغ میں گونج رہے تھے۔ وہ ابی جان کے بلانے پر آج وہاں گیا تھا۔ اس امید کو دل میں لئے کہ وہ ہمیشہ کی طرح حورین کو اپنے حق میں منا لے گا...... یہ حقیقت تھی کہ وہ حورین کو خود سے جدا کر کے بہت پچھتایا تھا...... اب یہ پچھتاوا تھا یا خودغرضی جو اسے اپنی زندگی میں خوش دیکھ کر اس کے اندر سر اٹھانے لگی تھی...... اتنے عرصے بعد اسے دیکھا تو اسے پانے کی خواہش نے پھر سے اس کے اندر سر اٹھایا تھا۔ شاید یہ اندر کا گلٹ تھا یا اس کی تنہائی کہ جس سے لڑتے لڑتے اب وہ تھکنے لگا تھا...... وہ جانتا تھا کہ شاید کوئی بھی لڑکی جان بوجھ کر اب اس کی اس خامی کے ساتھ اس کی زندگی میں نہیں آئے گی...... حورین اپنی زندگی میں سیٹل ہے...... اس کا بیٹا ہے...... (وہ میکال کو اس کا بیٹا ہی سمجھا تھا) تو کیا حرج ہے کہ وہ دونوں پھر سے ایک ہو جائیں...... مگر وہ بھول گیا تھا کہ اب حورین وہ حورین نہیں ہے جو ہمیشہ اس کی محبت کے سامنے ہار جاتی تھی...... یہ تب کی بات تھی جب وہ اس کی بیوی تھی...... اب وہ مسز آرش خان تھی...... کسی اور کی بیوی اور عزت...... جسے اس کے شوہر کی طرف سے دیئے گئے اعتماد نے ایک مضبوط، پراعتماد عورت بنا دیا تھا۔ وہ چاہ کر اسے مجبور نہیں کر سکتا تھا۔

"میں اب وہ کمزور سی حورین نہیں ہوں معیز...... جسے تم نے بہت آسانی سے اپنی باتوں سے...... بہانوں سے بہلا لیا کرتے تھے...... میں تم جیسے کمزور اور دھوکے باز انسان کی باتوں میں آ کر کیوں اپنی زندگی برباد کر دوں...... جس میں محبت نبھانے کا وصف ہی نہیں ہے...... تم نے مجھے اپنی زندگی کا ساتھی بنایا

ضرور تھا...... مگر کبھی سمجھا نہیں...... تم نے اس رشتے کی روح کو سمجھا ہی نہیں...... اگر سمجھا ہوتا تو بجائے دنیا میں ڈھنڈورا پیٹنے کے بس ایک بار مجھ پر اعتبار کر کے کہا ہوتا...... یقین جانو میں ہر الزام سہہ لیتی، ہر خامی اپنے سر قبول کر لیتی مگر کبھی تم کو یا تمہاری اَنا کو ہرٹ نہ ہونے دیتی...... مگر تم ہمیشہ سے ایک جذباتی انسان رہے ہو معیز...... جسے صرف اپنا آپ عزیز ہے...... تم نے مجھ سے جھوٹ بولا...... مجھے دھوکا دیا...... اللہ نے مرد اور عورت دونوں کو برابر کا انسان بنایا ہے...... دونوں کو خوشی بھی یکساں ہوتی ہے اور دکھ کا احساس بھی...... اس طرح دونوں کی عزتِ نفس اور اَنا کو چوٹ بھی یکساں پہنچتی ہے...... تم نے مجھے چوٹ پہنچائی...... تکلیف پہنچائی...... میں تمہیں کبھی معاف نہیں کر سکتی۔"

وہ بہت سکون اور مکمل پر اعتماد انداز میں اس کے سامنے بیٹھی اس سے کہہ رہی تھی...... پاس ہی آرش اور ابی جان بیٹھے تھے...... کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ جو بھی بات ہو ان دونوں کے سامنے ہو......

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو حورین...... میں اپنی ساری غلطیاں تسلیم کرتا ہوں اس لئے بار بار تمہارے سامنے آتا ہوں...... صرف اس لئے تاکہ تم سے معافی مانگ سکوں...... پلیز مجھے معاف کر دو...... مجھے بس ایک موقع دو......"

آرش نے معیز کی بات پر بے چینی سے پہلو بدلا تھا...... جبکہ حورین نے اس تمام عرصے میں پہلی بار اسے نگاہ بھر کر دیکھا تھا...... وہ آج بھی اتنا ہی شاندار تھا...... جتنا پہلے تھا...... آج بھی اس کی بولتی نگاہیں سب داستانیں کہہ دیتی تھیں...... پر اب ان میں سے کوئی بھی چیز حورین کو اپنی طرف نہیں کھینچ رہی تھی...... کیونکہ اللہ نے جو شخص اس کے سامنے میں لکھا تھا وہ اس سے زیادہ شاندار تھا......

"میں نے تمہیں وہ ایک موقع دیا معیز، تمہاری بات سنی اور تمہیں معاف بھی کر دیا کیونکہ تم میری آزمائش تھے اور میرے اللہ نے مجھے آزما کر جو دیا ہے...... وہ میری خوش نصیبی ہے...... اور اب تم میری ایک بات پوری کر دو...... زندگی میں کبھی پھر سے میرے سامنے مت آنا...... کیونکہ تم جیسے انسان سے میں اب نفرت کا رشتہ بھی نہیں رکھنا چاہتی ہوں......"

حورین کا جواب اور دو ٹوک انداز میں اس لمحے معیز کے منہ پر ایک طمانچے کی طرح لگا تھا...... اس کا انداز صاف صاف معیز پر یہ واضح کر گیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کے اس وقت پر پچھتا رہی تھی کہ جب معیز اس کی زندگی میں تھا...... یہ سوچ ہی بہت تکلیف دہ تھی...... جو تکلیف کے ساتھ اب معیز پر یہ بھی اچھی طرح باور کرا گئی تھی کہ حورین کی زندگی میں اب اس کی کہیں کوئی جگہ نہیں ہے...... اب اس زندگی میں تنہائی ہی اس کا مقدر تھی...... وہ آج رات کی فلائٹ سے واپس جا رہا تھا...... اس پر فیلی سرزمین پر جہاں انسانوں کا مقدر محبت نہیں تنہائی ہوتی ہے...... اس نے محبت کی، اسے پا بھی لیا...... پھر نبھا نہ سکا...... محبت اور اَنا کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے پر جب اس رشتے میں اَنا غالب آ جائے تو محبت ہاتھ چھڑا کر دور چلی جاتی ہے...... اور معیز کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا......

✧✧✧

"حورین بیٹا...... آپ ابھی جاگی نہیں تھیں تو آرش بیٹا آئے تھے، یہ دے گئے ہیں اور کہا ہے کہ جب آپ جاگ جائیں تو آپ کو یہ دے

دوں......"

اس سے اگلی صبح ابھی وہ جاگی ہی تھی کہ نفیس خان نے ایک چھوٹا سا لفافہ اسے لا کر تھمایا تھا...... پنک کلر کا ایک چھوٹا سا لفافہ جس کی پشت کے ایک کونے پر دو پاٹ بنے تھے...... حورین نے حیرانگی سے اسے تھام لیا تھا...... لفافہ کھولا تو اندر سرخ رنگ کا ہارٹ ٹیپ کا چھوٹا سا کاغذ تھا۔

"جانتا ہوں تم ابھی جاگی نہیں ہو گی...... اس لئے اندر نہیں آیا...... شام کو تیار رہنا، لینے آؤں گا اور کوئی بہانہ نہیں سنوں گا......"

اس چھوٹے سے کاغذ پر آرش کی خوبصورت لکھائی میں یہ لکھا نوٹ حورین کے لبوں پر مسکراہٹ لے آیا تھا۔ صبح نو سی دلکش مسکراہٹ......

"تو میجر صاحب لائن پر آ ہی گئے بالآخر......"

وہ مسکراتی ہوئی اندر آ کر اپنا سامان پیک کرنے لگی تھی...... کیونکہ اسے اب اپنے گھر واپس جانا تھا اور یہاں گزرے یہ دس بارہ دن اس نے کیسے گزارے تھے یہ صرف وہ جانتی تھی...... اور اب تو میکال بھی تنگ کرنے لگا تھا کہ اسے بابا کے پاس جانا ہے......

"ماما...... ہم بابا کے پاس جا رہے ہیں......"

میکال ابھی سو کر اٹھا تھا اور وہیں اسے بیڈ کے ایک طرف سامان پیک کرتے دیکھا تو اٹھ کر اپنی توتلی زبان میں پوچھنے لگا تھا۔

"جی میری جان...... ہم آپ کے بابا کے پاس جا رہے ہیں...... اپنے گھر......"

اور ماں کے جواب پر وہ بے حد خوش ہو گیا تھا...... اور پھر شام کو جب آرش اسے لینے آیا تو ابی جان بے حد خوش ہو گئے تھے اور انہیں ڈھیروں دعائیں دے کر رخصت کیا تھا...... وہ ان سے مل کر گاڑی میں آ بیٹھی تھی...... میکال آرش کی گود میں تھا...... آرش نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، تب بھی اس کی گود میں ہی بیٹھا رہا تھا...... تبھی حورین کی نگاہ آرش کے گیئر پر رکھے ہاتھ پر پڑی تھی...... جس میں پٹی بندھی تھی...... اس نے بے ساختہ ہی اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا...... اس کی بے ختیاری پر آرش نے گردن موڑ کر مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ آپ کے ہاتھ پر کیا ہوا ہے آرش...... چوٹ کیسے لگی......"

اسے زخمی دیکھ کر وہ خود کو روک نہیں پائی تھی اور بے ساختہ ہی پوچھ بیٹھی۔

"ارے کچھ خاص نہیں...... پریشان نہ ہو...... معمولی سی چوٹ لگ گئی ہے...... اب تو ٹھیک ہے......"

آرش کو اس کے چہرے پر بکھری پریشانی دیکھ کر بے ساختہ ہی اس پر پیار آیا تھا...... اس کی یہی عادتیں تو اس کا دل موہ لیتی تھیں۔

"کیسے نہ ہوں میں پریشان...... آپ بالکل اپنا خیال نہیں رکھتے ہیں......"

وہ قدرے خفگی سے بولی تو وہ مسکرا دیا تھا......

"اب تم چل رہی ہو نا تو خود ہی رکھ لینا خیال......"

وہ دونوں گھر آئے تو بابا جان اور مورلے ان دونوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہو گئے تھے اور یہاں تک کہ گھر کے ملازم بھی اسے خوش دکھائی دے رہے تھے۔ گھر آ کر وہ اپنے معمول کے کاموں میں یوں مصروف ہو گئی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو...... وہ اتنے دن کہیں گئی ہی نہ ہو......

رات کے کھانے کے بعد اس نے میکال کو سلایا۔ روٹین کے کام نمٹانے اور گھر کی لائٹیں وغیرہ آف کر کے وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ ہاں یہ اور بات تھی کہ وہ آج ذرا جان بوجھ کر کمرے میں تھوڑا لیٹ آئی تھی۔ جانے کیوں دل بھی معمول سے کچھ زیادہ تیز دھڑک رہا تھا...... اور جب کمرے میں آئی تو سامنے ہی اس دل کے دھڑکنے کا موجب موجود تھا۔ بلیک شلوار قمیص میں کندھوں پر بلیک ہی شال اوڑھے وہ کمرے کے وسط میں شاید اس کے ہی انتظار میں ٹہل رہا تھا......

''سب کچھ کام ہو گئے...... کچھ رہ تو نہیں گیا...... اگر رہ گیا ہے تو جا کر کر آؤ......''

کمرے میں آتے ہی آرش کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ اس کے لبوں پر مسکراہٹ لے آئے تھے...... شاید نہیں یقینا، وہ اس کے ہی انتظار میں ٹہل رہا تھا۔

''آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں...... سو جائیں، صبح آفس نہیں جانا......''

وہ اسے مکمل نظر انداز کرتی سامنے دیوار پر لگے وارڈ روب کی طرف چلی آئی تھی تا کہ کپڑے نکال کر چینج کر سکے...... یہ اور بات کہ اسے نظر انداز کرنا اتنا آسان نہیں تھا......

''حورین آئی ایم سوری فار ایوری تھنگ...... میں نے تمہارا دل دکھایا...... تمہیں تکلیف دی...... آئی ایم سوری...... میں تمہیں کھونے سے ڈر گیا تھا یارا...... اس لئے فیصلہ تم پر چھوڑ دیا کہ دل کو تم پر یقین تھا کہ اب تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گی...... اور تم جانتی ہو کہ میرے اس ڈر کے پیچھے کیا وجہ تھی......''

وہ وارڈ روب کا ایک پٹ کھولے کھڑی تھی...... وہ اس کے قریب بند دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا......

''تم کچھ بولو گی نہیں حورین......''

آرش نے اس لمحے اس کی خاموشی سے گھبرا کر اس سے پوچھا تھا...... اس کے اس طرح پوچھنے پر وہ الماری بند کر کے مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

''آرش میں ناراض نہیں ہوں...... نہ ہی کبھی میرا مقصد آپ سے سوری کہلانے کا تھا...... میں اپنے دل کی پوری رضامندی سے آپ کی زندگی میں شامل ہوئی ہوں...... اور پوری سچائی سے اس گھر کو اور میکال کو اپنایا ہے...... آپ کو چھوڑنے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی ہوں...... آپ کے وجود سے جو خوشی مجھے ملی وہ دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر لیکن ہاں مجھے تکلیف ہوئی...... مجھے برا لگا کہ آپ کو میرے کس رویے سے ایسا لگا کہ میں معیز جیسے انسان کی زندگی میں پھر سے جانا چاہوں گی......''

وہ مکمل سنجیدگی کے ساتھ بات کر رہی تھی...... وہ آج اس سے سب کہہ دینا چاہتی تھی...... ہر وہ بات جو اس کے دل میں تھی تا کہ پھر کبھی اس کے درمیان یہ بات نہ آئے......

''ایسا کچھ نہیں ہے حورین، میرے دل میں تمہارے لئے جتنی عزت اور محبت ہے اسے شاید میں کبھی لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا ہوں...... تمہیں غلط سمجھنے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا ہوں...... ہاں معیز والے معاملے میں میں نے خود غرضی اس لئے دکھائی کیونکہ میں چاہتا تھا کہ تم اس کو اپنے دل کا فیصلہ اپنے لفظوں میں بتاؤ اور یہی بات اسے واپس پلٹنے پر مجبور کر سکتی ہے...... ورنہ تمہیں اندازہ ہے کہ اسے تمہارے ساتھ ریسٹورنٹ میں دیکھ کر میرے دل پر کیا گزری

تھی......"

"اور میں...... میرا کیا...... میں کس کس طرح ان گزرے بارہ دنوں میں ٹوٹ کر بکھری ہوں...... آپ کو احساس ہے......"

"احساس ہے میری جان...... بالکل ہے اور ان سارے لمحوں کا ازالہ بھی میں کروں گا...... ایسے کہ تمہاری ہر شکایت...... ہر شکوہ دور ہو جائے گا...... بس ایک موقع تو دو......"

آرش نے ہمیشہ کی طرح اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھ لئے اور اس کی جانب جھک کر دھیمی مسکراہٹ سے اس سے کہا تھا......

"اور سچ بتاؤ حورین کیا تم یہ جاننا نہیں چاہتی تھیں کہ تمہاری تمام رپورٹ نیگیٹو تھیں تو تمہیں یہ خوشی کیسے ملی...... کہو جاننا چاہتی تھیں ناں تم......"

"ہاں میں جاننا چاہتی تھی...... ایسا نہیں ہے کہ مجھے اللہ کی قدرت پر یقین نہیں، وہ ایک پل میں سب بدل سکتا ہے مگر دل میں ایک گرہ سی تھی...... اور اگر میں معیز سے نہ ملتی تو شاید تمام زندگی وہ گرہ نہ کھل پاتی کہ اس نے محبت کے نام پر کیسے اپنی انا کے پریم کو بندر کھنے کے لئے مجھے تکلیف پہنچائی......"

حورین نے پورے دل سے اس بات کا اعتراف کیا تھا...... وہ معیز سے اس بات کی توقع بالکل نہیں کرتی تھی...... چاہے اس کی خوشی کے لئے مگر اس نے جس طرح اسے اپنی زندگی سے الگ کیا، یہ غلط تھا...... اور اب واپس آ کر اس نے جو کچھ کیا اس نے اسے حورین کی نگاہوں میں مزید چھوٹا کر دیا تھا...... اس نے اپنا ہر بھرم توڑ دیا تھا......

"تو بس پھر...... اب اس بات کو یہیں ختم

کرتے ہیں...... یہ سب ایسے ہی ہونا تھا اور اگر یہ سب ایسے نہ ہوتا تو سوچو مجھے اتنی اچھی بیوی اور تمہیں اتنا اچھا شوہر کیسے ملتا...... جبکہ پہلے تم نے مجھے ریجیکٹ کر دیا تھا......"

وہ شرارت سے کہتے ہوئے اس کے قریب ہوا تھا۔ اس کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ جب پہلے ابی جان نے ان دونوں کی شادی کی خواہش ظاہر کی تھی اور حورین نے انکار کر دیا تھا......

"ہاں بالکل...... یہ سب ایسے ہی ہونا تھا...... پہلے نہ سہی اب...... میرے ماتھے پر آپ کا نام ہی لکھا تھا...... بس رستے ملتے ملتے تھوڑی دیر ہوگئی...... اور صحیح منزل پر پہنچنے کے لئے انسان کو رستے میں پڑاؤ ڈالنا پڑتا ہے...... تبھی اسے صحیح سمت کا اندازہ ہوتا ہے...... مسٹر آرش خان آفریدی......"

حورین نے کھل کر رضامندی اور سپردگی کے ساتھ اس کے سینے پر سر رکھ دیا تھا...... آج دل میں لگی ہر پھانس نکل گئی تھی......

"اور میں شکر گزار اس بات پر اپنے رب کا کہ اس نے مجھے آزما کر جو دیا وہ بہترین ہے...... مسز حورین آرش خان......"

آرش نے مکمل محبت سے اسے خود میں سمو لیا تھا......

زندگی عزت، محبت، جذبات و احساسات کا مرکب ہے...... یہ سب چیزیں لازم و ملزوم ہیں ایک متوازن زندگی گزرنے کے لئے...... معیز نے محبت کی، اسے پا بھی لیا مگر اس کے ایک غلط قدم نے تنہائی کو ساری زندگی کے لئے اس کا مقدر بنا دیا...... اس کی محبت نے اسے مان دینا اور اعتبار کرنا نہیں سکھایا...... پلوشے نے عزت بھری زندگی چھوڑ کر ذلت کا انتخاب کیا تو دربدری اور رسوائی اس کا مقدر ٹھہری...... زندگی نہ مکمل پھولوں کی سیج ہے اور نہ صرف کانٹوں بھرا راستہ...... اسے کچھ لو اور دو کے اصولوں کے تحت متوازن بھی گزارا جا سکتا ہے...... یہ تبھی اچھی اور متوازن گزر سکتی ہے...... جیسے کہ آرش اور حورین کی زندگی...... انہوں نے ماضی کو بھلا کر وفا اور اعتبار سے اپنی زندگی کا آغاز کیا اور اس میں کامیاب ٹھہرے اور یہی چیز آگے بھی ان کی زندگی کو سہل بنانے والی تھی۔

"تھینک یو آرش...... مجھے اتنی اچھی زندگی دینے کے لئے......"

حورین نے سوئے ہوئے آرش پر کمبل کو ٹھیک سے اوڑھاتے ہوئے زیر لب کہا تھا...... وہ یوں بے خبری سے سوتا ہوا اور بھی شاندار لگ رہا تھا...... اپنا اپنا سا...... جس کا وجود محبت سے گندھا تھا...... ایک ہاتھ سینے پر تھا اور دوسرا بازو حورین کے تکیے پر پھیلا، جیسے اس کا منتظر تھا...... حورین نے اس کے قریب لیٹ کر اس کے بازو پر سر رکھ کر سکون سے آنکھیں موندھ لی تھیں...... گمان سے یقین تک کا یہ سفر کٹھن سہی مگر آگے ایک دوسرے کی سنگت میں بہت سہل ہونے والا تھا...... اسے یقین تھا۔

✦✦✦

معذرت

فروری کے شمارے میں اُمّ مریم کا ناول "اُمید صبح و جمال" کی قسط شائع نہیں ہوئی۔ انشاءاللہ مارچ میں اُمید صبح و جمال کی قسط شامل اشاعت ہوگی۔

رشتوں کی ڈور

مسکان نور

زوہا مزے سے بیٹھی پاکستانی ڈرامہ دیکھ رہی تھی جب اتنے میں زبیر باہر سے آیا تھا اور اسے اطمینان سے ٹی وی دیکھتا پاکر زبیر کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آئی تھی جسے وہ چھپاتے آگے بڑھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا تھا اور اسے سوچ سمجھنے کا موقع دیئے بغیر اس کے ہاتھ سے ریموٹ جھپٹ چکا تھا۔

زوہا پہلے تو ہکا بکا سی اسے دیکھتی رہی پھر ان نظروں میں غصہ در آیا تھا

مجھے ریموٹ واپس کرو

زوہا اپنا غصہ بمشکل پیتی اپنا ہاتھ اس کے سامنے کرتے ہوئے بولی تو زبیر نے اطمینان بھری نظروں سے اپنے سے ایک سال چھوٹی بہن کے غصے سے بھرے سرخ چہرے کی طرف دیکھا

میں نے دینے کے لیے نہیں چھینا تھا

زبیر اسے چڑانے والے لہجے میں کہتے چینل تبدیل کر چکا تھا

اور اب وہ میچ دیکھ رہا تھا

عزت سے دیں دو ورنہ

زوہا نے اس کے ہاتھ سے ریموٹ چھپٹنا چاہا تو وہ اپنا ہاتھ بلند کر گیا تھا

ورنہ کیا، میں زوہا تھوڑی ہوں جس کے ہاتھ سے ریموٹ جھپٹنا آسان ہو، اتنی ہمت ہیں تو میرے ہاتھ سے ریموٹ لے کر دکھاؤ

زبیر نے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے چیلنج کرنے والے انداز میں بولا تو زوہا اور تپ اٹھی تھی، وہ اس کی بے عزتی کر رہا تھا

اور زوہا سے یہ برداشت سے باہر تھا

اچھا ٹھیک ہے تم جیتے میں ہاری، اچانک کوئی سوچ اس کے ذہن میں آئی تو وہ بے ساختہ مسکرا اٹھی تھی، اس لیے آرام سے کہتی اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی

پہلے تو زبیر حیران ہوا تھا اس کے اتنے جلدی ماں جانے پر لیکن پھر سر جھٹک کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا

زوہا سیدھا اس کے کمرے میں گئی تھی اور چارجنگ پر رکھا اس کا موبائل اس نے اٹھا لیا تھا

زبیر کی موبائل کا پاسپورڈ اسے پتا تھا۔ جو اس نے ایک دفعہ اس سے چھپ کر دیکھ لیا تھا

اب مزہ آئیں گا جب میں تمہارے موبائل میں ڈرامہ دیکھوں گی

اپنے کمرے کے دروازے پر آکر اس نے زبیر کو آواز لگائی تو وہ اس گردن موڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا

اس نے موبائل ہاتھ میں اٹھا کر مزے سے لہراتے ہوئے اسے دکھایا تو زبیر اپنی جگہ سے اچھل پڑا تھا

میرا موبائل، وہ وہی سے چیخ اٹھا تھا

میرے موبائل کو کیوں ہاتھ لگایا تم نے واپس کرو مجھے

وہ جلدی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا تھا لیکن تب تک وہ اپنے کمرے میں بند ہو چکی تھی اور اب دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے وہ دل کھول کر ہنس رہی تھی، اور باہر کھڑا زبیر غصے سے نیلا پیلا ہوتا دروازہ کھٹکھٹا رہا کم توڑ زیادہ رہا تھا

عزت سے میرا موبائل واپس کرو زوہا کی بچی، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا

زبیر باہر دھاڑا تھا مگر افسوس کہ زوہا پر اس کی دھاڑ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا

ڈرامہ دیکھ لوں پھر تمہیں موبائل ملیں گا بیٹا

وہ بھی اسی کے انداز میں اپنی مسکراہٹ چھپا کر بولی تو زبیر اور تپ اٹھا تھا

کیا ہوا ہے اتنا شور کیوں کیا ہوا ہے تم نے

عائشہ بیگم شور سنتی کچن سے باہر نکل آئی تھی اور اب اس کے سامنے کھڑی حیرت سے مگر ناراضگی سے پوچھ رہی تھی

امی زویا کی بچی میرا موبائل چارجنگ سے اٹھا کر اندر کمرے میں بند ہوگئی ہے۔ اب میرا موبائل واپس نہیں کر رہی

زبیر بچوں کی طرح منہ بسور کر ماں سے شکایت کرتے ہوئے بولا تو عائشہ بیگم نے ایک گہرا سانس لیا، اور اکیس سالا اپنے جوان بیٹے کی جانب دیکھا جو اس وقت بچہ بنا ہوا تھا، وہ ان کی روز روز کی لڑائی سے تنگ آ چکی تھی

اور اندر زوہا مزے سے آواز فل کیے ڈرامہ دیکھنے میں مگن ہو چکی تھی

شرم کرو کچھ اتنے بڑے ہو کر بچوں کی طرح لڑتے ہو تم دونوں، میں تو تم دونوں کی روز روز کی لڑائیوں سے تنگ آ چکی ہوں، خود ہی ایک دوسرے نپٹو

عائشہ بیگم خفگی بھرے لہجے میں کہتی واپس کچن میں چلی گئی تھی

زبیر نے ماں کو جاتے دیکھا تھا پھر بے بسی بھری نظروں سے بند دروازے کی طرف

وہ جانتا تھا کہ زوہا جب تک ڈرامہ پورا نہیں دیکھ لے گی اسے موبائل واپس نہیں کریں گی

اب موبائل کی بہت حفاظت کرنی پڑے گی

زبیر یہ بات سوچ کر رہ گیا تھا؟؟

✧✧✧

عائشہ بیگم اور ندیم صاحب کے دو بچے تھے

زبیر اور اس سے ایک سال چھوٹی زوہا

زبیر یونیورسٹی میں ایم اے کر رہا تھا اور زوہا بی ایس سی کر رہی تھی

دونوں کی ایک دوسرے سے بنتی نہیں تھی، سارا دن لڑتے جھگڑتے رہتے تھے

جس سے عائشہ بیگم بہت بے زار رہا کرتی تھی۔ لیکن ندیم صاحب ان کی شرارتوں سے خوش ہوتے تھے ہنستے تھے

وہ انہیں گھر کی رونق کہتے تھے، جس پر انہیں اور شہ مل جاتی تھی؟؟

یار مجھے یہ ڈائجسٹ چاہیے تھا، پڑھ کر واپس کر دوں گی تمہیں

بریک ہونے پر زوہا اپنی ایک کلاس فیلو سے بولی تھی جو اس کے سائیڈ والی سیٹ پر بیٹھتی تھی۔

سوری میں تمہیں ڈائجسٹ نہیں دے سکتی، پہلے بھی تم نے میرا ڈائجسٹ پھاڑ دیا تھا، تمہیں پتا بھی تھا کہ میں ڈائجسٹ کے بارے میں کتنی حساس ہوں۔

سائرہ سپاٹ انداز میں ٹھپ جواب دیتے ہوئے بولی تو زوہا کا منہ اتر گیا تھا، اس ڈائجسٹ کے ایک دو پیج غلطی سے پھٹ گئے تھے جو اسے سائرہ نے دیا تھا، سائرہ اتنا غصہ ہوئی کہ پھر اس نے اسے ڈائجسٹ دینے بند کر دیئے تھے، جو اسے دیتی تھی پڑھنے کے لیے لیکن آج نیا نکور ڈائجسٹ دیکھ کر زوہا رہ نہیں سکی تو مانگ بیٹھی تھی

جس پر سائرہ کا یہ جواب سننے کو ملا تھا

یار میں نے جان بوجھ کر نہیں پھاڑا تھا

زوہا نے صفائی دینی چاہی

جو بھی ہو میں ڈائجسٹ تمہیں دے سکتی سوری

سائرہ کہتی کلاس روم سے باہر جا چکی تھی اور وہ وہی دل مسوس کر رہ گئی تھی؟؟

زبیر موبائل میں مگن اپنے کسی دوست کو میسج کر رہا تھا جب زوہا اس کے پاس آ کر بیٹھی تھی

زبیر نے چونک کر بلکہ محتاط ہو کر اس کی طرف، مشکوک نظروں سے دیکھا تو زویا کھری سے مسکرائی تھی، جس پر زبیر کے ہاتھوں سے موبائل گرتے گرتے بچا تھا

خیریت یہ آج مسکراہٹ میرے لیے ہیں، مجھے تو یقین نہیں آرہا
زبیر نے بے چین ہوتے ہوئے دل میں سوچا تھا، کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا
وہ اس کے چہرے کی مسکراہٹ کو حیرت سے منہ کھول کر دیکھتا سوچ رہا تھا
جس پر زوہا نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی تھی
بھائی بات سنیں
ابھی وہ اپنی سوچ سے بھی مطمئن نہیں ہوا تھا ،زوہا کے منہ سے بھائی لفظ وہ بھی اتنی عزت سے پکار جانے پر وہ اچھل ہی تو پڑا تھا
کیا کہا تم نے بھائی
زبیر کے مصنوعی صدمے بھری آواز میں پوچھنے پر زوہا نے معصومیت سے اپنی آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا
جی بھائی۔ وہ بھائی لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی تھی
بتاؤ سن رہا ہوں۔ زبیر سنبھل کر مصنوعی سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے بولا تھا
وہ بھائی مجھے ڈائجسٹ چاہیے تھا کیا تم مجھے ڈائجسٹ لا کر دیں سکتے ہیں
آخر بلی تھیلی سے باہر آچکی تھی
اوہ تو یہ وجہ ہے اتنی عزت دینے کی
زبیر نے دل میں سوچا تھا
میں کیوں لیں کر دوں تمہیں ڈائجسٹ بابا سے کہنا وہ لا دیں گے تمہیں
زبیر مطمئن بھرے انداز میں کہتا موبائل اٹھا چکا تھا
اگر انہیں کہنا ہوتا تو تمہیں کیوں کہتی بے
مجھے اپنا ڈائجسٹ بند کروانا تھوڑی ہی ہیں
آخری بات اس نے دل میں کہیں تھی
ندیم صاحب ڈائجسٹ بڑھنے کے خلاف نہیں تھے، بس وہ چاہتے تھے کہ زوہا ڈائجسٹ کے بجائے تعلیم میں زیادہ توجہ دیں، یہی وجہ تھی کہ باپ سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ لیکن زبیر کو اصل وجہ بتا بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ فائدہ اٹھاتا، اور وہ ایسا بالکل بھی نہیں چاہتی تھی
اچھا میں لا دوں گا تمہیں ڈائجسٹ
زبیر کچھ سوچ کر اپنی مسکراہٹ چھپا کر کندھے اچکاتے ہوئے بے نیازی سے بولا تو زوہا خوش ہوگئی تھی
اتنی جلدی مان بھی گیا، اسے خوشی کے ساتھ حیرانی بھی ہوئی تھی
لیکن ایک شرط پر زبیر کی اگلی بات نے اس کی ساری خوشی زائل کر دی تھی
کون سی شرط
زوہا تجسس چھپائے جلدی سے پوچھنے لگی
ڈائجسٹ کتنے کا آتا ہیں
ایک سو پچاس روپے میں
زوہا نا سمجھی سے اس کا چہرہ دیکھ کر بولی تھی
پھر مجھے بھی اتنے ہی پیسے چاہیے، پھر لاؤں گا تمہارا ڈائجسٹ
زبیر مزے سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر اس کا حیرت سے کھلا منہ دیکھ کر اپنی ہنسی چھپا کر بولا تو زوہا ہوش میں آئی تھی
کیوں پیسے کیوں دوں تمہیں، تم کیسے بھائی ہو جو بہن سے پیسے مانگ کر کام کر رہے ہو، بھائی تو بہنوں کو دیتے ہیں، تم تو لیں رہیں ہو، شرم کرو کچھ۔
آخری الفاظ اس نے دل میں کہیں تھے
زوہا اپنے لہجے کی سختی روکتی نرم لفظوں میں بولی تھی، وہ اسے ناراض نہیں کر سکتی تھی، پھر اسے کون ڈائجسٹ لا کر دیتا
میں ان بھائیوں جیسا نہیں ہوں، جھٹ سے جواب آیا تھا

جس پر زوہا نے دانت پیسے تھے
اچھا ٹھیک ہے دیتی ہوں
اس بار مانتے ہوئے کہا تو زبیر کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ آئی تھی جس پر وہ ایک گھورتی نظر ڈال کر اٹھی تھی
ایسے گھور کیوں رہی ہو، میرا ارادہ بھی بدل سکتا ہے
زبیر نے دھمکی دی تھی جس پر وہ گڑبڑا سی گئی تھی
نہ نہیں تو میں تو تمہیں ایسے ہی دیکھ رہی تھی گھور کہاں رہی تھی
زوہا کے گڑبڑا کر کہنے پر زبیر نے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی
اب آیا نا اونٹ پہاڑ کے نیچے
زبیر نے زوہا کو اپنے کمرے کی جانب جاتے دیکھ کر مزے سے سوچا تھا؟؟
زبیر روزگار سے ہوگیا تھا اور زوہا تعلیم کمپلیٹ کر کے گھر میں ماں سے گھرداری سیکھ رہی تھی
بقول اس کی ماں کے سسرال میں اس کی پڑھائی نہیں سگھڑاپا دیکھا جائیں گا، اور وہ سگھڑ بننے کی کوشش کر رہی تھی
جس پر زبیر مزے مزے کے اس پر تبصرے کرتا تو وہ چڑ جاتی تھی اس سے لڑ پڑتی تھی
دیکھیں امی یہ ایک دن اپنے گھر چلی جائیں گی تو گھر میں کتنا سکون ہوجائے گا نا
زبیر کچن میں آیا تو اسے سالن بناتے دیکھ کر اسے چڑانے کی خاطر ماں سے بولا تھا جو آٹا گوندھ رہی تھی۔ بیٹے کی بات پر نم ہوتی آنکھوں سے بس مسکرادی تھی
لیکن زوہا کو غصہ آ گیا تھا
صرف تمہیں سکون ملیں گا، امی بابا کو نہیں، میری وجہ سے ہی تو گھر میں رونق ہیں۔
بڑی خوش فہمی ہیں تمہاری
زبیر نے کندھے اچکائے بے نیازی سے جواب دیا تھا
جس پر عائشہ بیگم ہنس پڑی تھی
اور زوہا نے دانت پیسے تھے؟؟

✧✧✧

زوہا کے لیے ایک اچھے گھرانے سے رشتہ آیا تھا۔ لڑکے کا اپنا کاروبار تھا کھاتا پیتا گھرانا تھا لوگ بھی بہت اچھے تھے، تو انہوں نے منگنی کے ساتھ بات بھی پکی کر دی تھی
جب سے زوہا کی بات پکی ہوئی تھی، زوہا کی آنکھیں نم رہا کرتی تھی، عائشہ بیگم تو اسے اپنے ساتھ لپٹا کر رو پڑتی تھی، اور زبیر انہیں دیکھ نہیں پاتا تھا اور گھر سے باہر چلا جاتا تھا۔
اسے اب پتا چلا تھا کہ وہ اسے کتنی عزیز تھی کتنی پیاری تھی
آخر کار وہ رخصتی کا وقت بھی آ پہنچا تھا
اور اس دن سب نے دیکھا تھا، ایک بھائی بہن کی محبت
زبیر زوہا کو گلے لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا، رو تو زوہا بھی رہی تھی، لیکن وہ تو حیران تھی پریشان تھی، زبیر کا یہ روپ اسے حیران کیے دے رہا تھا۔ اسے پتا ہی نہیں تھا کہ زبیر اس سے اتنی محبت کرتا ہے
اور وہ روتے روتے بے ساختہ مسکرادی تھی
بھائی بہن جتنا چاہے لڑ لیں، لیکن ان کی محبت میں کبھی کمی نہیں آتی، بھائی بہن تو ایک دوسرے کی جان ہوتے ہیں، زبیر نے اب خالی گھر کو دیکھ کر بہن کو بہت یاد کرنا ہے، اس کی شرارتوں کو اس کی باتوں کو، اس کی مسکراہٹ کو، یہی تو یادیں ہوتی ہیں جو ایک بیٹی اپنے گھر چھوڑ آتی ہیں۔ جو ہمیشہ ان کی یاد دلاتی رہتی ہیں۔

☆ ☆

قرۃ العین رائے

عذاب دربدری سے نکلنا چاہتے ہیں
اب اُس کے خیمہ خوشبو میں رہنا چاہتے ہیں

رات اس نے اپنا ٹھکانہ ڈریسنگ روم میں کرلیا تھا۔ اسے ایک سنگل میٹرس فرجاد کی الماری میں فولڈ ہوا مل گیا تھا۔ فرجاد بھی اپنے بیڈ پر دراز ہوگیا تھا۔ شاپنگ اس نے آتے ہی ددا کو دکھا کر الماری کے ایک خالی خانے میں سیٹ کر دی تھی اور اب وہ بھی نیم دراز ہو چکی تھی۔ فرجاد کے کمرے کی لائٹ آن تھی جس کی روشنی اس کے بیڈ تک آرہی تھی۔ وہ سو نہیں پا رہی تھی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو فرجاد کو لیپ ٹاپ پر کام کرتے پایا۔ اس کے بیڈ کا رخ اس کے آگے دائیں کارنر کی طرف تھا۔ سر اٹھا کر دیکھنے سے اس کا آدھا وجود نظر آتا تھا۔ اس کی طرف کمر کئے دل چاہا کہ کہہ دے اب لائٹ آف کر کے سو جائے لیکن وہ اپنے آفس کے کام میں مصروف ہوگا اس لئے خاموش ہی رہی اور سوچوں میں محو ہوگئی یہ جانے بغیر کہ اس وقت کوئی اور بھی اسے سوچ

ناولٹ

رہا ہے۔ فرجاد یوں تو کام میں مصروف تھا لیکن خود میں ایک عجیب سی بے چینی تھی محسوس کر رہا تھا۔ ایک اور وجود پورے استحقاق کے ساتھ اس کے کمرے میں موجود تھا اور اسے اپنے بیڈ پر جگہ نہیں دے پا رہا تھا تو بھلا دل میں کیا دے گا۔ خولہ نے سوچا اور پھر لاپرواہی سے کندھے اچکا دیئے۔

''پلیز لائٹ آف کردے، مجھے نیند نہیں آپا رہی۔'' چادر کو اوپر تک لیتے ہوئے خولہ نے فرجاد سے قدرے بلند آواز سے کہا۔ فرجاد نے کچھ تامل کے بعد سائیڈ ٹیبل پر رکھے لیمپ کی لائٹ آف کردی۔ اندھیرے میں لیپ ٹاپ پر وہ اب بھی کام کر رہا تھا۔

خولہ کے دل میں عجیب سی مٹھاس بھری

دوسری قسط

بے چینی نے سر اٹھایا جسے اس نے زور سے آنکھیں میچ کر دور کرنا چاہا اور سونے کی دعا پڑھ کر سونے کی کوشش کرنے لگی اور کچھ ہی دیر بعد وہ خوابِ غفلت میں کھو چکی تھی۔ شاید وہ ذہنی اور جسمانی طور پر تھک چکی تھی۔ کوئی کیا جانے اس نے کیسی اور کتنی طویل مسافت طے کی تھی۔

فرجاد کو اپنے کمرے میں قدرے فاصلے سے سوتے وجود کا احساس شدت سے ہوا تھا وہ جو اس کی منکوحہ تھی اس کی زندگی کی لائف پارٹنر، وہ اس وقت قدرے فاصلے پر میٹریس پر سو رہی تھی۔ کیا یہ چند قدم کے فاصلے صدیوں پر محیط تھے۔ کیا تم اس سے چند گز کا فاصلہ مٹانا نہ چاہو گے۔ آخر اس کا کیا قصور، دل نے فرجاد کو اکسایا۔ قصور تو میرا بھی نہیں تھا اور نہ ہے۔ بعض اوقات ہم زندگی کا وہ قرض ادا کرتے ہیں، اپنی خوشیاں دے کر جو ہم نے لیا ہی نہیں ہوتا۔ فرجاد نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے دل کو جواب دیا اور بیڈ پر دراز ہو گیا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ یادیں بند آنکھوں کے پیچھے اس کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے چلی آئی تھیں۔

✧✧✧

''اوہو فرجی! تم جانتے ہو کہ مجھے اونچائی سے ڈر لگتا ہے اور تم ہمیشہ چھت کے اس کونے میں آ کر بیٹھ جاتے ہو، نیچے دیکھتے بھی دل گھبراتا ہے۔'' پریوں جیسی لڑکی جس نے دو پونیاں باندھ رکھی تھیں، گپلو سے لڑکے کے پاس آ کر کہا تھا جو خاموش تنہا چھت کے اس کونے پر بیٹھے باہر کی سڑک کو گھورتے ہوئے نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ وہ اسے زیادہ دیر تنہا چھوڑتی بھی تو نہیں تھی۔

''کسی دن میں نے تمہارا یہ ڈر نکال دینا ہے، تم اتنی اچھی اور اتنی بہادر ہو، تمہیں یہ ڈر دور کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔'' لڑکے نے سفید چہرے اور لال ہوتے گالوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہا۔ ''چلو آؤ نیچے چلتے ہیں۔'' اس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور لڑکے نے تھام لیا اور دونوں ننھی ننھی معصوم باتیں کرتے ہوئے نیچے کی جانب چل پڑے اور یہاں اس کمرے میں دو وجود اپنے جذبوں سے ناآشنا محوِ خواب ہو چکے تھے۔ باہر چاندنی سفیدی بکھیرے لان میں دھیرے دھیرے چکراتی پھر رہی تھی۔

✧✧✧

اس کے ہونے کا یقین جب ہمسفر بن جائے گا
دیکھ لینا دشت میں بھی ایک گھر بن جائے گا

صبح وہ دونوں دادا کے ساتھ ناشتے کی میز پر موجود تھے۔ کل کے خریدے ایک سمپل ڈریس میں بالوں کی پونی ٹیل بنائے وہ کافی فریش سی لگی اور فرجاد آفس کے لئے نک سک سے تیار تھا۔

''ویسے آپ کو چائنیز آتی ہے۔'' پراٹھے کا لقمہ توڑتے وہ بولی تھی۔

''نہیں۔'' مختصر جواب موصول ہوا تھا۔

''ہائیں اردو تو اتنی اچھی بولتے ہیں اور چینی ہو کر چائنیز نہیں آتی۔'' حیرت کا برملا اظہار ہوا تھا۔ دادا اس کی بات پر مسکرائے تھے۔ جان گئے تھے کہ تین نفوس کی موجودگی میں اتنی گہری چپ کو وہ توڑنا چاہ رہی ہے۔

''میں کورین ہوں اور مجھے کورین آتی ہے۔'' جھنجھلایا سا جواب آیا تھا۔

''کون سے کورین، ساؤتھ یا نارتھ؟'' اس نے پھر زچ کیا تھا۔

''ساؤتھ۔'' سانس کو سینے سے خارج کرتے ہوئے مختصر سا جواب آیا تھا۔

''آپ کی کورین زبان میں بھی اتنے ہی مختصر جملے بولے جاتے ہیں یا یہ خاصیت ہماری

زبان میں پائی جاتی ہے۔'' اگلا سوال اور بھی تنگ کرنے والا تھا۔

''مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے، آج میں لیٹ آؤں گا، ایک دو ڈیلیگیشن سے میٹنگز ہے۔'' اب کی دفعہ اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے سیدھا ددا کو جواب دیا۔ سوال کے جواب کا اصرار نہیں کیا گیا تھا۔

''فرجاد!'' جب وہ اٹھ کر جانے لگا تو ددا نے اسے پکارا۔

''جی!'' وہ پھر سے بیٹھا تھا۔

''کل پرسوں تک وہ لوگ آنے والے ہیں، فون آیا تھا تمہارے چچا کا، سیٹ کنفرم ہوتے ہی اطلاع کرے گا۔''

''جی!'' جواب اب بھی مختصر تھا اور پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اللہ حافظ کہتا ہوا لاؤنج سے ہوتا ہوا وہ باہر پورچ کی جانب تیزی سے بڑھتا چلا گیا۔

''تم اسے جان کر تنگ کیوں کر رہی تھیں۔'' ددا نے خولہ کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

''ہائے ددا! وہ ہے ہی اتنا کیوٹ، خود بخود دل کرتا ہے اسے تنگ کرنے کو، جب وہ اتنی کیوٹ سی شکل کے ساتھ نہایت ہی سنجیدہ بن کر جواب دیتے ہیں، ویسے آپ کا پوتا ہے، نرم دل میرے تنگ کرتے سوالوں کے باوجود چڑچڑاہٹ کا اظہار نہیں کیا، نرم دل یا پھر لاپرواہ۔'' خولہ ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

''نرم دل!'' ددا نے فوراً کہا۔

''آپ تو کہیں گے، ویسے یہ کون آ رہا ہے کل پرسوں؟'' چائے کا سپ بھرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

تمہیں بتایا تو ہے یہاں کے گھر والوں کے بارے میں، عالیہ اور زبیر اور بچے ہیں جنید اور عاشی یہ سب دبئی عالیہ کی بیٹی اقراء کے پاس گئے ہوئے تھے جس کی شادی زبیر سے چھوٹے عمیر کے بیٹے نعمان سے ہوئی ہے۔ نعمان اور عمیر کے بزنس کی ایک شاخ دبئی میں بھی ہے۔ نعمان اور اقراء سال بھر سے وہیں پر مقیم ہیں۔ نعمان کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی ہے۔ پندرہ دن سے یہ سب لوگ اس کی خوشی میں اور اقراء کی دیکھ بھال کے لیے وہیں گئے ہوئے تھے اور اب واپس آ رہے ہیں۔ اقراء کی امی طیبہ وہیں پر چند دن اور ٹھہرے گی۔'' ددا نے تفصیل سے جواب دیا۔

''یہاں کا بزنس کیا فرجاد ہی سنبھالتا ہے؟'' خولہ نے پوچھا۔ وہ ان لوگوں کے متعلق تو پہلے ہی ددا سے سن چکی تھی۔

''نہیں سارا نہیں، آفس کے معاملات زبیر اور عمیر دیکھتے ہیں لیکن اکاؤنٹ ڈیپارٹمنٹ فرجاد کے ذمے ہے، وہ کافی ذہین اور محنتی ہے۔ اس کے دونوں چچا اس بات کو جانتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں۔ اس کی وجہ سے بزنس میں اضافہ ہوا ہے۔ آج کل وہ ان کی غیر موجوگی میں سارا بزنس لک آفٹر کر رہا ہے اور چونکہ میں نے خود اس کو یہ ڈیپارٹمنٹ اس کی قابلیت اور تعلیم کی وجہ سے دیا ہے اس لئے کسی کو اعتراض تھا بھی تو میرے سامنے نہیں کیا گیا پھر جب اس کی محنت اور لیاقت سے کاروبار ترقی کرنے لگا تو پھر رہا سہا اعتراض بھی ختم ہو گیا لیکن آج بھی میرا یہ فیصلہ کچھ لوگوں کے دل میں کانٹا بن کر چبھا ہوا ہے۔'' ددا نے اسے پھر سے تفصیلاً جواب دیا۔

''چبھتا ہے تو چبھا رہنے دیں، باہر لان میں چلیں دھوپ کافی اچھی نکلی ہے۔'' خولہ نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

''نہیں میں کچھ تھکن محسوس کر رہا ہوں، کمرے میں آرام کروں گا۔'' دادا نے نفی میں سر ہلاتے جواب دیا اور خولہ ان کی ویل چیئر ان کے کمرے میں لے گئی۔ کچھ دیر ان کے ساتھ بیٹھ کر نیوز دیکھی پھر ''میں بور ہو رہی ہوں'' کہتی لان کی طرف چلی آئی۔ دن کافی چڑھ آیا تھا۔ سردیوں کی دھوپ اچھی لگ رہی تھی۔ وہ سرونٹ کوارٹرز کی طرف چلی گئی جہاں پر رخشی اور عاشر اسے باہر ہی مل گئے۔ عاشر پتنگ اڑا رہا تھا اور رخشی پاس کھڑی دیکھ رہی تھی۔

''ہائے تمہیں پتنگ اڑانی آتی ہے، مجھ کو بھی سکھاؤ۔'' خولہ نے چہکتے ہوئے جواب دیا۔

''بس آپ اسے اڑائیں۔'' عاشر نے ڈور خولہ کو تھماتے ہوئے کہا۔

''پتہ ہے خولہ آپی، آج شام ہم اپنی نانو کے گھر جا رہے ہیں۔ سکول سے چھٹیاں ہیں ناں تو وہیں رہیں گے۔'' رخشی نے خوشی خوشی خبر دی۔

''ارے واہ! مگر میں اکیلی تو یہاں بور ہو جاؤں گی۔'' ڈور کو سنبھالتے خولہ نے جواب دیا۔ ہوا میں اڑتی پتنگ اور ڈور کا ہاتھ پر تناؤ اسے مزہ دے رہا تھا۔

''خولہ آپی! تھوڑی ڈھیل دیں۔'' عاشر نے کہا۔ پتنگ بہت زیادہ بلند تو نہیں تھی، چند گز اونچی اڑ رہی تھی۔

''اکیلی کہاں ہیں...... فرجاد بھائی بھی تو ہیں، وہ تو اب آپ کے شوہر ہیں ناں۔'' رخشی نے بڑی بی بنتے کہا جس پر خولہ مسکرا کر رہ گئی۔

''ارے خولہ آپی...... ڈور کھینچیں، پتنگ گر جائے گی۔'' عاشر نے ہوا میں ڈولتی پتنگ کو دیکھ کر کہا لیکن اتنی دیر میں پتنگ نیچے کو آ رہی اور کسی درخت پر جا کر غائب ہو گئی۔

''لو، آپ نے تو میری پتنگ انکل ناصر کے گھر گرا دی، لگتا ہے ان کے کسی درخت پر جا اٹکی، وہ لوگ گھر پر بھی نہیں، سب انگلینڈ گئے ہوئے ہیں، کوٹھی بند پڑی ہے۔'' عاشر نے منہ بسورتے اطلاع دی۔

''چلو آؤ دیکھتے ہیں کہاں گئی ہے، مجھے باہر کی طرف جاتی لگی تھی۔ ہو سکتا ہے روڈ پر پڑی ہو۔'' خولہ نے عاشر سے کہا۔

''جی...... اور کہہ رہی ہو گی کہ میں گر گئی ہوں مجھے اٹھا کر لے جاؤ۔'' عاشر نے کہا اور خولہ اسے دیکھتے باہر گیٹ کی جانب چلی آئی۔ وہ دونوں بھی اس کے ساتھ تھے۔ وہ تینوں گیٹ سے باہر نکل آئے۔ چوکیدار وہاں موجود نہیں تھا۔ ''ارے وہ رہی۔'' ساتھ والے گھر کے ایک درخت پر اٹکی پتنگ دیکھ کر خولہ چلائی۔ درخت بیرونی دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ کافی گھنا تھا اور پتنگ بھی ایک بیرونی شاخ پر اٹکی ہوئی تھی۔

''جاؤ اندر سے جالے اُتارنے والا ڈنڈا لے کر آؤ، اس سے اتر جائے گی۔'' خولہ نے آگے بڑھتے ہوئے عاشر سے کہا جو فوراً واپس پلٹ کر ڈنڈا لینے چلا گیا۔

''صادق بابا گاڑی روکئے گا۔'' فرجاد، جو آفس کی ایک ضروری فائل بھول گیا تھا، یاد آنے پر واپس لینے آ رہا تھا۔ گھر کے پاس اس منظر کو دیکھ کر گاڑی رکوانے پر مجبور ہو گیا۔

رخشی اور عاشر کے ساتھ ناصر صاحب کے گھر کے باہر خولہ کو بندروں کی طرح اچھلتے اور درخت میں اٹکی پتنگ کو ڈنڈے کی مدد سے گراتا دیکھ کر وہ حیران ہی رہ گیا۔ ''کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس لڑکی کا کن حالات میں نکاح ہوا اور ان دونوں کے تعلقات کس نوعیت کے تھے یا وہ کن حالات سے مجبور اس کی دادی اسے یہاں چھوڑ

کر چلی گئیں۔'' خولہ کو اچھل اچھل کر ڈنڈے کی مدد سے پتنگ اتارتے دیکھ کر وہ سوچتا گاڑی سے اتر کر ان کی طرف چلا آیا۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟'' خولہ کے قریب آ کر گھمبیر آواز میں بولا تھا۔

خولہ اپنے پیچھے اس کی اچانک آواز سن کر ضرورت سے زیادہ اچھلی اور ہلکی سی چیخ اس کے منہ سے نکل گئی۔

''خولہ آپی ڈر گئیں۔'' رخشی ہنسی تھی۔

''کوئی بلا اچانک سر پر نازل ہو گئی تو ڈروں گی ہی ناں۔'' خفت زدہ خولہ بولی تھی۔

''آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں اور یہ کیا ہو رہا ہے؟'' فرجاد نے اپنا سوال دہرایا۔ خولہ کے ڈرنے پر لبوں پر آئی مسکراہٹ اس نے بمشکل دبائی تھی۔

''آپ مسکرائے؟ قسم سے، عاشر تمہارے فرجاد بھائی ابھی مسکرائے تھے ناں، آپ کو مسکرانا آتا ہے؟'' خولہ نے اس کی دبی مسکراہٹ بھانپ لی تھی جبھی بولی۔

''اب کوئی انسان بندروں کی طرح سڑک کے کنارے اچھل کود کر رہا ہو تو ہنسی آ بھی جاتی ہے۔'' فرجاد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''عاشر کی پتنگ اِدھر آ گری، اسے نکال رہے تھے، آپ کا قد کافی لمبا ہے، آپ نکال دیں گے، چلئے شاباش اس کی مدد سے اتار دیں۔'' خولہ نے ڈنڈا فرجاد کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا اور وہ خولہ کی بات پر حیران پریشان رہ گیا۔

''میں؟'' فرجاد نے پوچھا۔

''ہاں، ہاں آپ، آپ کو کون سا بندروں کی طرح اچھلنا پڑے گا، تھوڑی سی اٹکی ہوئی ہے، اتار دیں پلیز، ماشاء اللہ اتنے لمبے قد کا کوئی فائدہ بھی تو ہو، بھئی وہ گانا ہے ناں کہ جس کی بیوی لمبی، تو میں بھی گاؤں گی جس کا میاں لمبا......''

خولہ کی نان سٹاپ زبان چل پڑی تھی، اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور الاپ شلاپ بولتی، فرجاد نے جالے والا ڈنڈا خولہ کے بڑھائے ہاتھ سے پکڑ کر پتنگ تھوڑی سی کوشش کے بعد اتار دی۔

تینوں پتنگ کے اترنے پر ایسے خوش ہوئے جیسے کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو۔ فرجاد خولہ کی بچوں جیسی خوشی دیکھ کر حیران بھی ہوا اور اپنی مسکراہٹ روک بھی نہ پایا اور صادق بابا نے فرجاد کو یوں مسکراتے دیکھ کر دل سے خولہ اور فرجاد کی سنگت کی دعا کی جس نے ہمیشہ خاموش اور سنجیدہ رہ جانے والے فرجاد کو مسکرانا سکھا دیا تھا۔ وہ چاروں اپنے گھر کی طرف مڑ گئے تھے۔ صادق بابا وہیں رہے تھے کہ فرجاد کو واپس آفس جانا تھا فائل لے کر۔

✧✧✧

''واجد کیا تو سچ کہہ رہا ہے۔''

خاتون نے پان چباتے حیرت اور خوشی سے کہا۔

''سو فیصد سچ، بے بی کا فون آیا تھا، پتہ لگا لیا اس نے تیری سوتیلی بیٹی کے ٹھکانے کا، میں تو ان دادی پوتی کو یہاں ان کے جاننے والوں کے ہاں ڈھونڈ رہا تھا اور وہ دونوں اس قصبے سے میلوں دور اتنے بڑے شہر میں جا چھپیں، ڈھونڈ تو پھر بھی لیا میں نے اس سفید کبوتری کو۔'' واجد جو کبوتر باز تھا، مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا۔

''ہاں دیکھو تو بھلا کتنی چالاک نکلیں دونوں، گمان بھی نہیں تھا کہ وہاں ملیں گی، قسمت اچھی تیری جو بے بی اس شہر میں بیاہی ہوئی ہے اور اس نے دیکھ لیا۔'' خاتون نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

✧✧✧

''آج کہیں جا رہی ہیں آپ؟'' صبح سویرے خولہ کو اتنی سج دھج کے ساتھ تیار ہوتا دیکھ کر وہ اپنی حیرت چھپا نہیں پایا تھا۔ کل رات وہ کافی دیر سے آیا تھا، تب تک خولہ سو چکی تھی۔ لیکن وہ جانتا نہیں تھا کہ خولہ جاگ رہی ہے، بس سوئی ہوئی بنی ہوئی تھی۔ دونوں کے دلوں میں عجیب سی بے چینی اور کھلبلی تھی جسے دونوں ہی بری طرح نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اسی وجہ سے کمرے میں وہ ایک دوسرے کا آمنا سامنا کرنے سے کتراتے تھے۔ یہ ٹکرانا عموماً صبح کو ہی ہوتا تھا اور دونوں ہی جلدی سے فریش اپ ہو کر نیچے ناشتے کی ٹیبل پر بھاگتے تھے۔ خولہ کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی جب اس نے فرجاد کو فجر کی نماز پڑھتے دیکھا۔ وہ اس سے پہلے اٹھتا تھا اور اس کے دن کا آغاز نمازِ فجر اور قرآن کی تلاوت سے ہی ہوتا تھا۔ خولہ خود بھی نمازوں کی پابند تھی۔ نہ جانے اس کی تربیت کس نے کی تھی لیکن خولہ کو فرجاد کافی سلجھا، نرم خو اور سمجھدار انسان لگا تھا۔ اوپر سے اس کے کورین نقوش اسے بے حد کیوٹ اور معصوم بناتے تھے۔ بندے کو خود بخود پیار آنے لگتا تھا۔ ان چند دنوں میں وہ اس میں کوئی خاص برائی ڈھونڈ نہیں پائی تھی۔ وہ کافی ملنسار سی لڑکی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ فرجاد سے دوستی کرلے لیکن اول روز سے فرجاد نے اس کے اور اپنے درمیان جو ان دیکھی دیوار کھڑی کی تھی اور جو اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اس پاکیزہ رشتے کو کاغذی رشتے کا نام دے کر خولہ بھی اس دیوار کو ختم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ اس کی نسوانیت کی توہین تھی اور اس کی اَنا کے لئے ناقابل برداشت۔ پھر بھی اسے چھیڑنے کا مزہ آتا تھا۔ وہ جب غصہ دباتا تھا تو اس کی گوری رنگت گلابی پڑ جاتی تھی اور کالی گھنی آنکھیں سکڑ جاتی تھیں۔ خولہ کو یہ دیکھ کر مزہ آتا تھا۔

''نہیں مجھے کہاں جانا ہے نئی دو یلی دلہن ہوں تو اچھے سے تیار ہو رہی ہوں، کچھ دنوں تک میں ایسے ہی تیار ہوا کروں گی۔'' ہلکے پرپل کلر کے سوٹ کا تاروں بھرا دوپٹہ سلیقے سے کندھے پر ڈالتے مصروف سے انداز میں جواب آیا تھا۔

فرجاد نے صرف بھنویں اچکائیں اور سوٹڈ بوٹڈ سا تیار بیگ پکڑ کر باہر نکل گیا۔

خولہ کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑا لیکن پھر وہ بھی شانے اچکاتی باہر نکلتی چلی گئی۔

''ددا، سب لوگ کب تک آرہے ہیں؟'' خولہ نے ناشتے کی میز پر سوال کیا۔ وہ تیار ضرور ہوئی تھی لیکن چہرہ میک اپ سے عاری تھا۔ پرپل رنگ اس پر اچھا لگ رہا تھا۔

''عمیر انکل کا فون آیا تھا مجھے کل شام، وہ لوگ آج شام کی فلائٹ سے آرہے ہیں۔ صفیہ آپا سے کہیے گا کھانے میں اہتمام کرے۔'' جواب فرجاد سے موصول ہوا تھا جو براؤن بریڈ پر بٹر لگا رہا تھا۔

''اور ددا پلیز انہیں بھی کچھ سمجھا دیجئے گا انہیں کس قسم کے رویوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، میں خود شاید ابھی تک اس حقیقت کو ہضم نہیں کر پایا تو وہ بھلا کیا کریں گے۔ کاش اس روز آپ مجھے اتنا مجبور نہ کرتے ان کے مسئلے کا ہم کوئی اور حل نکال لیتے۔'' آج وہ پہلی بار اتنی لمبی بات بولا تھا۔ شاید وہ ددا کی موجودگی میں اس موضوع پر بات کرنا چاہ رہا تھا۔

''آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں، آپ کے علاوہ بھی اس حقیقت کو بہت جلد قبول اور ہضم کرلیں گے۔'' خولہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ اس کے انداز پر ہرٹ ہوئی تھی۔

آنکھوں میں پانی آن ٹھہرا تھا۔ ددا کے سامنے اس کے متعلق اس طرح بات کرنے کا اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"آپ ابھی بہت ساری باتوں سے واقف نہیں اور نہ میرا ارادہ ہے واقف کرانے کا۔ یہ کام میرے اردگرد کے لوگ بخوبی سرانجام دیتے ہیں۔ But lok let's se۔" بلیک کافی پیتے ہوئے اس کا لہجہ بھی تلخ اور کڑوا سا تھا۔

"فرجاد! میں سمجھا دوں گا خولہ کو، وہ خود کافی سمجھدار ہے۔" ددا نے نرم لہجہ اختیار کیا۔ وہ اس کی اندرونی پریشانی بھانپ چکے تھے۔

"مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے، آج دوپہر کو کچھ لوگ آئیں گے ضروری فرنیچر لے کر، آپ اسے "اپنے" کمرے میں شفٹ کروا لیجئے گا اور ڈریسنگ روم سے ڈریسنگ ٹیبل اور دوسرا غیر ضروری سامان نکلوا کر کچھ میرے کمرے میں شفٹ کر دیں اور باقی کا ساتھ والے کمرے میں انور چچا کو ساتھ لگا کر یہ سب کر لیجئے گا۔" براہ راست خولہ سے بات کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ وہ اپنے چہرے کی بے چینی ددا کے جملوں کے بعد چھپا چکا تھا۔

خولہ نے محض اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ پوچھنا تو چاہ رہی تھی کہ کون سا سامان مگر فرجاد کی باتوں نے اس کا موڈ قدرے آف کر دیا تھا اس لئے خاموش ہی رہی اور پھر دوپہر کو اس بخوبی اندازہ ہوا تھا۔ اس تلخ اور کڑوے مزاج انسان کو اس کا خیال بھی تھا وہ ایک خوبصورت سا سنگل بیڈ اور رائٹنگ ٹیبل جسے خولہ نے انور چچا اور چوکیدار کی مدد سے ڈریسنگ روم میں آرام سے ایڈجسٹ کر لیا تھا باقی کا سامان ایک بڑا صوفہ سیٹ نکال کر فرجاد کے روم میں ایڈجسٹ کر چکی تھی۔ صوفے دوسرے کمرے میں شفٹ کر دیئے تھے۔ اس کی یہاں چنداں ضرورت نہ تھی۔ دو سٹائلش رومن سٹائل کی چیئرز ہی کافی تھیں۔ وہ کافی تھک گئی تھی۔ کچھ دیر ستانے کے بعد اس کا تیار ہونے کا ارادہ تھا۔ ددا نے خاص ہدایت کی تھی اسے آج کے دن اچھے سے تیار ہونے کے لئے۔

✧✧✧

"کیا، یہ فرجاد کی بیوی ہے، اس چینی کی؟"

ایک فربہی مائل سٹائلش سی آنٹی نے ضرورت سے زیادہ آنکھیں کھولتے ہوئے اور تقریباً چلاتے ہوئے ددا سے تصدیق چاہی تھی جنہوں نے ابھی ابھی خولہ کا تعارف ان سب لوگوں سے کروایا تھا جو اس گھر کے افرادِ خانہ تھے اور سب کے چہروں پر بے اندازہ حیرت موجود تھی۔

"اوہ! واؤ! فرجاد بھائی نے تو کمال کر دیا۔" گندمی رنگت کا ایک نوجوان بولا تھا۔

"شٹ اپ جنید۔" اسی حیرت زدہ خاتون نے مڑ کر لڑکے کو ڈانٹا اور پھر ددا کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"یہ سب کیا ہے پا جی، ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟" ماتھے کی تیوری چڑھی تھی۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے عالیہ بچی کی دادی کے سوا اس دنیا میں کوئی نہیں اور وہ سعودی عرب جا رہی تھیں، جانے سے وہ ہماری امانت ہمیں دینے چلی آئیں۔ یہ میرے بھائی کی اکلوتی نشانی ہے، ان کی خواہش تھی کہ بچی وہ محفوظ جگہ پر سونپ جائے اور اس کا بھی میرے بھائی کی پوتی ہونے کے ناطے یہاں پر حق ہے، اپنے رشتوں پر حق ہے۔ مجھے مناسب یہی لگا کہ جوان جہان بچی کو محفوظ پناہ گاہ مہیا کروں لہٰذا میں نے اس کی دادی کی موجودگی میں فرجاد

سے نکاح پڑھوادیا......"

"کیا یہ جانتی بھی ہے فرجاد کی اصلیت۔" انہوں نے ددا کی بات کاٹی۔ "ویسے بھی ایک قاتل کو ایسے ہی لڑکی مل سکتی تھی۔" نخوت سے مزید گویا ہوئیں۔

"عالیہ۔" زبیر صاحب نے دھیمے سے عالیہ کو سمجھانا چاہا اور اس ساری کارروائی کے دوران خولہ ددا کی ویل چیئر کے پاس رکھے صوفے پر براجمان نظریں جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ فرجاد بھی اب تک آ جائے گا یا ان سب کو لے کر آئے گا لیکن شاید وہ ابھی تک آفس تھا۔ بوتل گرین سوٹ جس پر ہلکی نازک سی گولڈن کڑھائی تھی اور گولڈن گرین چھوٹے سے جھمکے پہنے پنک لپ اسٹک اور آئی لائنر لگائے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ آگے سے بالوں کو کیچر لگا کر پیچھے بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔

"ہائے مجھے تو یہ بہت کیوٹ لگ رہی ہیں، فرجاد بھائی کے ساتھ سوٹ کرے گی۔" ایک شوخ سی لڑکی جو غالباً عاشی تھی، تھوڑا سا آگے آ کر بولی تھی اور ماں کے جملوں کی تلافی کرنا چاہی

"ہیلو! میرا نام عاشی ہے اور میں فرجاد بھائی کے چچا زبیر کی بیٹی ہوں۔" لڑکی نے آگے آ کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے خولہ سے کہا۔

خولہ نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

عالیہ کی بات وہیں رہ گئی تھی۔ چلو بھئی ابھی تو تھکے ہوئے ہیں، کھانا لگوائیں، کھا کر آرام کریں، عمیر صاحب بھی بولے تھے۔ "انور چچا پلیز کھانا لگوا دیں اور خولہ بیٹی! آپ کو اس گھر میں ویلکم ہے، فرجاد تو دیر سے آئے گا، اس سے فون پر بات ہوئی تھی۔" عمیر صاحب نے انور کو کھانے کی ہدایت دی اور خولہ کی طرف نرمی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ خولہ کو عمیر انکل زبیر انکل سے زیادہ ملنسار اور خوش اخلاق لگے تھے۔ زبیر انکل خاموش ہی رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں سب کھانے کی میز پر اکٹھے تھے۔ عالیہ اب انور چچا اور صفیہ سے گھر کے معاملات پوچھ رہی تھیں۔ عاشی خولہ کے ساتھ ہلکی پھلکی گفتگو کر رہی تھی، باقی کے افراد بس خاموشی سے کھانے میں مگن تھے۔

✧✧✧

ددا کے ساتھ گپ شپ لگا کر وہ دیر سے ہی کمرے میں آئی تھی۔ حسب حال اس نے دھپ سے دروازہ کھولا تھا۔ فرجاد جو شاید کپڑے چینج کر کے آیا تھا، بے خیالی میں مڑا، اس نے ابھی قمیص نہیں پہنی تھی۔ گھر میں وہ عموماً قمیص شلوار میں ملبوس رہتا تھا۔ مڑ کر فوراً نیوی بلیو سوٹ کے ساتھ کی قمیص پہننے لگا۔ چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرے تھے۔

"اوہ! سوری!" خولہ نے جھینپ کر سوری کہا۔

"آپ کبھی دروازے پر ناک کرنا نہیں سیکھیں گی۔" جواب میں فرجاد بولا۔

"اب اپنے کمرے میں بھی ناک کر کے داخل ہوں، کوئی سن یا دیکھ لے تو کیا کہے، مجھ سے تو ایسے عجیب وغریب مینرز نہیں ہوں گے۔" جاتے جاتے وہ بولی۔ وہ تھوڑی سی تپی ہوئی لگ رہی تھی۔ فرجاد نے محسوس کیا۔

"کھانے میں مرچ تیز تھی۔" فرجاد نے پوچھا۔ ہلکی پھلکی تیار وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔ بوتل گرین کلر اس کی رنگت پر بہت جچ رہا تھا۔ فرجاد کے دل میں گدگدی ہوئی۔ نہ جانے کیوں بات کرنے کو دل چاہا۔

"جی۔" جواب دیتے ہوئے وہ اس کے

پاس سے گزری۔ جبھی پاؤں مڑا اور وہ گرنے کو تھی جب فرجاد نے تیزی سے اسے اپنے ہاتھوں پر تھاما۔ ایک پل کو لگا تھا دونوں کے جسموں میں کرنٹ دوڑتا چلا گیا۔ خولہ بلش کر گئی اور فرجاد کے ہاتھوں میں کسمسائی۔ اس کے ہاتھوں میں مردانہ مضبوطی اور گرفت تھی جو اس کے پورے وجود نے محسوس کی تھی۔ فرجاد نے سنبھلتے ہوئے اسے کھڑا کرتے ہوئے چھوڑا۔

''ٹھیک ہو؟'' فرجاد نے نظریں جھکائے خولہ سے دھیمے سے پوچھا۔

''جی!'' جواب اب بھی مختصر ہی موصول ہوا تھا اور دونوں تیزی سے اپنی اپنی جگہ پر مڑ گئے۔ کہنے کو بہت کچھ تھا لیکن کہہ نہیں پائے تھے۔

✧✧✧

''وہ سب ناشتے کی میز پر اکٹھے تھے۔ سب ہی اپنی اپنی روزمرہ کی زندگی کے امور سنبھالنے کو جیسے تیار تھے۔ عاشی اور جنید یونیورسٹی کے سٹوڈنٹس تھے، عاشی بی اے آنرز میں تھی اور جنید ایم کام کے فائنل ایئر میں۔ عمیر اور زبیر صاحب آفس کے لئے تیار ہو کر آئے تھے۔ اتنے دنوں سے یہ ذمہ داری فرجاد اکیلا بخوبی نبھا رہا تھا لیکن یہ کافی زیادہ بھاری کام تھا۔ اب وہ آ گئے تھے اس کا ہاتھ بٹانے۔ آج دادا اپنے کمرے میں ہی تھے۔ طبیعت قدرے ست تھی اس وجہ سے میز پر نہیں آئے تھے۔ فرجاد نے اپنی موجودگی میں انہیں ناشتہ بیڈ پر کروایا تھا۔ جب وہ ان کے کمرے سے نکل کر ناشتے کی میز پر آیا وہ بھی ان کے اصرار پر تو خولہ بھی وہیں موجود تھی، نیوی بلیو سوٹ ہلکے پھلکے انداز میں تیار۔

''صفیہ اورنج جوس لا دے۔'' عالیہ نے صفیہ آپا کو آواز دی تھی جو کچن میں کام کر رہی تھی۔

''ویسے مجھے حیرت ہے تم نے ایک قاتل سے شادی کرنے کی حامی بھر لی یا پھر اس کے ماضی سے بے خبر ہاں کر بیٹھیں۔'' عالیہ نے براہ راست خولہ کو مخاطب کیا تھا۔ لہجے میں سرد انداز نمایاں تھا۔

سب لوگوں نے یکدم عالیہ کی جانب دیکھا۔ شاید کسی کو بھی ان سے اس طرح بات کرنے کی امید نہیں تھی۔ فرجاد کا چہرہ تناؤ دار اور لال ہوا تھا۔ اس نے بلیک کافی کا بڑا گھونٹ بھرا تھا۔

''کون قاتل، کس کی بات کر رہی ہیں؟'' خولہ نے انجان انداز اپنایا تھا۔

''جس سے شادی ہوئی ہے تمہاری، وہ میری بیٹی کا قاتل ہے، کیا تم نہیں جانتیں۔'' عالیہ تلخ لہجے میں بولی تھیں۔

''عالیہ! سٹاپ اٹ!'' زبیر صاحب نے عالیہ سے کہا۔

''کیوں سٹاپ اٹ، کیا غلط کہا ہے میں نے، اتنے عرصے سے میں اپنی بیٹی کے قاتل کو اس گھر میں دندناتے ہوئے دیکھ رہی ہوں اور یہ جو کہتا تھا اپنے دادا سے کہ تمام عمر خود کو سزا دوں گا، شادی نہیں کروں گا، اب بیاہ رچا بیٹھا۔'' عالیہ چیخی تھیں۔

''مما!'' جنید نے انہیں خاموش کرانا چاہا۔

''اس سے پہلے تم جواب دو ناں مجھے، تم تو تمام عمر شادی نہ کرنے کی قسم کھائے بیٹھے تھے اور نہ بھی کھاتے تو ایک قاتل کو کوئی اپنی بیٹی کیونکر دینے لگا۔ اس لڑکی کی تنہائی کا فائدہ اٹھا کر شادی کر لی اور یقیناً اب تک اپنی اصلیت پوشیدہ رکھی لیکن میں ایسا ہونے نہیں دوں گی، میں تمہاری

اصلیت اور بھیانک چہرہ بے نقاب کر کے چھوڑوں گی۔''
چمچے کو پلیٹ میں پٹختے ہوئے وہ فرجاد کو براہ راست مخاطب کرتے ہوئے غصے میں بولی تھیں جس کی کن پٹی کی رگیں تن چکی تھیں اور وہ ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموش تھا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا، ایک جارہا تھا۔
''کس اصلیت کی بات کر رہی ہیں، وہ محض ایک حادثہ تھا جس میں فرجاد کا بالکل کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ ددا نے مجھے سب بتا دیا اور انہوں نے کوئی میری تنہائی یا مجبوری کا فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ یہ صرف اور صرف ددا کا فیصلہ تھا جو حالات کے باعث ہم نے قبول کیا اور ان کی شادی نہ کرنے کی قسم ددا نے خود منت سماجت سے تڑوائی تھی اور میں ان کی مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اس وقت سہارا دیا جب میں اس اجنبی شہر میں بالکل تنہا تھی اور دادی کی مجبوری کو بھی سمجھ رہی تھی، میں ان کی احسان مند ہوں، انہوں نے مجھ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں رکھا، ساری حقیقت عنایہ کے متعلق پہلے دن ہی بتادی تھی۔''
خولہ نے عالیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے نہایت ٹھہرے انداز میں کہا اور فرجاد کی آنکھوں میں حیرت اور کرب ایک ساتھ ابھرے تھے۔ وہ اس کے متعلق سب کچھ جانتی تھی۔ وہ عنایہ کے متعلق جانتی تھی۔ یقیناً ددا نے بتایا ہوگا چونکہ اس قسم کی وجہ سے وہ اس سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتا تھا تو اپنے ماضی یا حال یا مستقبل کے متعلق بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ شاید اس کے ماضی کے متعلق سب کچھ ہی جانتی تھی۔
''مما! ہم اس بات کو کتنی بار ڈسکس کر چکے ہیں، ابھی چند روز قبل جب دبئی میں آپی کی برسی تھی ہم نے کتنی دیر اس موضوع پر بات کی تھی۔ اب پھر فرجاد بھائی کے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں، بھول جائیں اس بات کو پلیز۔'' جنید نے بھی لب کشائی کی تھی۔ ناشتے کی میز پر ماحول تناؤ بھرا ہو گیا تھا۔ آج عبدالصمد صاحب میز پر نہیں تھے تو عالیہ کو موقع مل گیا ورنہ ان کی موجودگی میں وہ بہت کھل کر فرجاد کو اپنی نفرت کا نشانہ نہیں بناتی تھیں۔
''بھول جاؤں...... بھول جاؤں اس بات کو...... وہ بات نہیں میری زندگی کا دکھ، میری زندگی کا روگ ہے اور یہ روگ مجھے ان ماں بیٹے نے لگائے ہیں، ان کے دیئے کون سے زخم بھول جاؤں، بھول ہی نہیں سکتی، اسے کہا کریں میرے سامنے نہ آیا کرے، سینے پر سانپ لوٹتے ہیں جب میں اسے دیکھتی ہوں، اس کا دیا زخم بھول جاؤں یا اس کی ماں کا دیا، جتنی بھی نفرت کروں کم ہے، ان ماں بیٹے سے۔''
عالیہ یکدم چلائی تھیں اور نیپکن میز پر پٹختے ہوئے کرسی دھکیل کر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ وہ رو رہی تھیں۔ عاشی، جنید اور زبیر صاحب بھی ان کے پیچھے گئے تھے۔ زیادہ ہائپر (Hyper) ہو کر وہ اپنی بلڈ پریشر ہی شوٹ نہ کریں۔ میز پر خولہ، فرجاد اور عمیر صاحب رہ گئے تھے۔
''سنئے آج آفس سے جلدی آ جائیے گا، مجھے کمرے کی ڈیکوریشن چینج کرنی ہے۔ اس کے لئے چند ضروری چیزیں خریدنی ہیں۔'' خولہ نے نارمل لہجے میں فرجاد سے یوں کہا جیسے ان دونوں کے درمیان ایک خوش مزاج میاں بیوی کا رشتہ ہو۔ ابھی ہوئی باتوں کا کوئی تاثر اس کے چہرے پر موجود نہیں اور نہ لہجے میں۔
عمیر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے، یہ کہتے

ہوئے ''میں آفس جا رہا ہوں۔'' وہ ذرا لئے دیئے انداز رکھے ہوئے تھے، فرجاد بھی اٹھ کھڑا ہوا یہ کہہ کر ''میں بھی۔'' خولہ کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ خولہ شا نے اچکا کر رہ گئی۔

✣✣✣

شام واپسی پر گاڑی میں آج فارسی کا ایک سریلا نغمہ گو کا گانا گونج رہا تھا اور حسب حال ایک ہی ٹریک فرجاد ریپیٹ (Repeat) پر لگائے سنتا جا رہا تھا۔ فرجاد کسی حد تک فارسی جانتا تھا۔ اسے مختلف زبانیں پڑھنے اور سننے کا شوق تھا۔

شام جب فرجاد تھکا ہارا سا واپس آیا تو خولہ کو لان میں اپنا منتظر پایا۔ وہ عاشر کے ساتھ بیڈمنٹن کھیل رہی تھی۔ بڑی کالی چادر اور حجاب کیپ میں خود کو ڈھانپے وہ جانے کے لئے تیار تھی اور اسی حالت میں کھیل رہی تھی۔ کھیل کم اور Cheating زیادہ کر رہی تھی۔ خوب رخشی، عاشر اور خولہ کا شور مچا ہوا تھا۔ فرجاد کو دیکھ کر کھیل چھوڑ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''بس بھئی! کھیل بس، اب مجھے مارکیٹ جانا ہے اور کل سے تم لوگ بھی اپنی نانو کے گھر چلے جاؤ گے، میں تم دونوں کو مس کروں گی۔'' خولہ نے بیڈمنٹن رخشی کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

''ہم بھی خولہ آپی سکول کی چھٹیوں میں اپنے گھر پھر آ جائیں گے۔'' دونوں یک زبان ہو کر بولے اور خولہ دونوں کو مسکراتا دیکھ کر خود بھی مسکراتی اندر چلی آئی۔

فرجاد لاؤنج میں ہی تھا جب خولہ نے لاڈلی بیوی کی طرح ابھی بازار جانے کی ضد کی۔ وجہ صرف عالیہ کا لاؤنج میں بیٹھے ہونا تھا۔ وہ صبح ان کی باتوں کی وجہ سے انہیں تپا رہی تھی اور وہ تپ بھی رہی تھیں۔

فرجاد کے سر میں ہلکی ہلکی درد تھی۔ صبح کے عالیہ کے رویے پر زبیر صاحب نے اس سے معذرت کی تھی۔ فرجاد خولہ کی ضد پر واپس آن بیٹھا، گاڑی سٹارٹ ہوئی اور گانا بجنے لگا تھا۔

''گانا ٹرانسلیٹ (Translate) کریں گے پلیز، یہ بہت سوز و گداز میں گایا گیا ہے، مجھے اس کے Meaning جاننے ہیں پلیز......'' خولہ نے پھر سے کہا۔ گانا پھر سے شروع سے لگا تھا۔

ای شب! تو بہ روزگار من میمانی

''اے رات تو میری زندگی کی مانند ہے۔''

فرجاد نے گانے کے بول کو Translate کیا۔ اس کے لہجے میں دکھ پنہاں تھا۔

یا مولا! دلم تنگ آمده

(یا مولا! میرا دل تنگ آ چکا ہے)

شیشۂ دل ای خدا! از یر سنگ آمده

(میرا شیشۂ دل اے خدا! زیر سنگ آ گیا ہے)

ای ماہ نہاں! بہ یار من میمانی

(اے چھپے ہوئے چاند! تو میرے یار کی مانند ہے)

ای ابر سیاہ! تو ہم بہ این حالت زار

(اے ابر سیاہ تو بھی اسی حالت زار میں مبتلا ہے......)

ای بر دیدۂ اشک بار من میمانی

(اے سیاہ بادل تو بھی میری طرح اشک بہا رہا ہے)

ای کاش! از زمانہ پر ز نیرنگ نیرنگ نبود۔

''اور یہ میری بے حد فیورٹ لائنز۔'' فرجاد نے دھیرے سے کہا۔

(اے کاش زمانہ فریب سے پر نہ ہوتا)

ای کاش کہ دل ہا ہمہ از سنگ نبود

(اے کاش کہ تمام دل پتھر جیسے نہ ہوتے)
ای کاش کہ دلھاں بشر دربی صلح......
(اے کاش! کہ انسانوں کے دل ہر جگہ صلح کے درپے......)
میبود ودر عالم اینقدر جنگ نبود
(......صلح کے درپے ہوتے اور عالم میں اس قدر جنگ نہ ہوتی)
یا مولا! دلم تنگ آمدہ
(یا مولا! میرا دل تنگ آچکا ہے)
شیشۂ دل ای خدا! زیر سنگ آمدہ
(میرا شیشۂ دل اے خدا! زیر سنگ آ گیا ہے)

گانا پھر اسی سوز و گداز بھری آواز میں پھر گاڑی میں چلنے لگا تھا۔ فرجاد خاموش ہو گیا تھا۔

''واپس چلیں۔'' خولہ نے دھیمی آواز میں کہا تھا۔

''کیوں!'' فرجاد نے سنجیدہ انداز میں سوال کیا تھا۔ ''میں نے تو بس عالیہ آنٹی کو یہ دکھانے کے لئے کہ ہمیں ان کی فضول باتوں کی پرواہ نہیں اس وقت یونہی شاپنگ کا کہہ ڈالا تھا۔ مجھے کچھ بھی نہیں خریدنا تھا۔ اس گانے نے دل اداس کر دیا اس لئے واپس چلیں۔'' خولہ نے بھی سنجیدہ انداز میں جواب دیا۔

فرجاد جو اسے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر پھر لب بھینچ لئے اور گاڑی کو واپسی کے گھر کے راستے پر موڑ لیا۔ اس کے آدھے سر کا درد پھر شدت پکڑ رہا تھا۔

✧✧✧

یا مولا! دلم تنگ آمدہ

رات کا ایک پہر گزر چکا تھا۔ گانے کے بول اب بھی خولہ کے دماغ میں گھوم رہے تھے۔ ساتھ میں فرجاد کی گھمبیر اور دکھی لہجے میں اس بول کا ترجمہ تھا۔ وہ ٹھیک سے سو نہیں پا رہی تھی جبھی اسے فرجاد کے کراہنے کی آواز آئی تھی۔ سر اٹھا کر سامنے اس کے بیڈ کی جانب دیکھا تو نیلگوں روشنی میں وہ بیڈ پر سر تھامے بیٹھا نظر آیا تھا۔

''ہاہ!'' اب کی دفعہ وہ قدرے زور سے کراہا تھا۔ خولہ اپنے بیڈ سے اٹھ کر اس کی جانب آئی اور اس کی جانب کے سائیڈ ٹیبل کی لائٹ آن کی۔

وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے آنکھیں میچے بیٹھا تھا۔

''فرجاد! کیا بات ہے، آپ ٹھیک ہیں۔'' خولہ نے قریب کھڑے پوچھا۔ بے دھیانی میں وہ اپنا دوپٹہ لینا بھی بھول گئی تھی۔

''عنایہ! یہ درد مجھے مار ڈالے گا۔'' اس کے لہجے سے سسکی بھرا جملہ ادا ہوا تھا۔

''فرجاد۔'' خولہ نے پھر پکارا تھا۔

''عنایہ!'' آواز میں بے حد درد تھا۔

''فرجاد کیا بات ہے؟'' اب کی بار خولہ نے فرجاد کا دھیرے سے کندھا بھی ہلایا تھا۔ فرجاد چونکا تھا اور پھر آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر درد کے تاثرات اور آنکھیں سرخ تھیں۔

''ہوں ہاں؟'' فرجاد نے چونک کر کہا۔

''کیوں کراہ رہے ہیں؟ کیا بات ہے۔'' خولہ نے سوال دہرایا۔

''سر میں بہت شدید درد ہے۔'' سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے وہ بولا تھا۔

''لو اتنی سی بات، لائیں میں دباتی ہوں۔'' لاپرواہی میں وہ جھٹ بولی تھی۔

''نہیں! مجھے Migraine (درد شقیقہ) ہے، یہ دبانے سے نہیں جاتا، یہ اپنا پریڈ پورا کر

لے گا پھر ہی جائے گا۔'' فرجاد نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ درد بڑھتا جا رہا تھا۔ فرجاد کا چہرہ بھی سرخ ہونے لگا تھا۔

''کوئی Medicine (دوائی) لی۔'' خولہ نے پاس بیٹھے پوچھا۔ اسے فرجاد کی فکر ہوئی تھی۔

''لے چکا ہوں لیکن لینے میں دیر ہو گئی، تب تک یہ درد سٹارٹ ہو چکا تھا، آفس سے گھر واپس آتے ہوئے ہلکا سا شروع ہو چکا تھا، اگر میں بروقت Medicine نہ لوں تو پھر اس کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ کب سے برداشت کر رہا ہوں لیکن اب برداشت جواب دیتی جا رہی ہے۔ مجھے چکر اور متلی محسوس ہو رہی ہے عنایہ۔'' فرجاد نے کہا۔

''فرجاد میں خولہ ہوں۔'' تیسری بار اسے عنایہ پکارنے پر خولہ نے دھیرے سے کہا۔ وہ شاید اسے عنایہ سمجھ کر ہی اتنی تفصیل سے بات کر گیا تھا۔

''پانی دوں؟ پانی پئیں گے؟'' خولہ قدرے پریشان ہوئی تھی اور پوچھا۔

فرجاد نے محض نفی میں سر ہلا دیا۔

''یہ بہت عجیب درد ہے، جی چاہے تو ایک سیکنڈ میں ختم ہو جائے، جی چاہے تو طول پکڑ جائے مگر بہت تکلیف دہ ہے۔''

خود کو بیڈ کی پشت سے ٹکاتے ہوئے فرجاد بولا تھا۔ وہ ہمیشہ تنہا اس درد کو اس کمرے میں سہتا چلا آیا تھا۔ آج ایک اور انسان کا وجود اپنے پاس اچھا لگ رہا تھا۔ تنہائی کے دیئے زخم اور دکھ سہہ سہہ کر تھک چکا تھا اس لئے خولہ سے نرم لہجے میں مخاطب تھا۔ ''خولہ!'' اب کی بار صحیح نام پکارتے ہوئے فرجاد نے کہا۔

''جی! بولیں فرجاد، کیا بات ہے، میں یہیں پر ہوں۔'' خولہ نے جھٹ کہا۔ ان دونوں کے درمیان یہ رشتہ بھلے کاغذی ہی تھا لیکن تھا تو۔ خولہ کو اس پیارے سے لڑکے سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ یقیناً عالیہ آنٹی کی صبح کی باتوں سے وہ ڈسٹرب تھا جس کی وجہ سے اس کے سر میں بھی درد ہو رہی تھی۔

''بولیں فرجاد، میں سن رہی ہوں۔'' خولہ نے اسے بولنے پر اکسایا۔ یقیناً دل کی بھڑاس نکالنے پر اس کے سر کا درد بھی ختم ہو جائے گا۔ خولہ نے سوچا۔

''ایک کہانی سنو گی۔'' کچھ توقف کے بعد وہ بولا تھا۔ دکھ اس کے لہجے میں نمایاں تھا۔

''سنائیں۔'' خولہ نے نرم لہجے میں کہا اور ساتھ ہی اس کے دماغ میں گاڑی میں چلتے گانے کے بول ابھرے تھے۔

شیشۂ دل ای خدایا! زیر سنگ آمدہ
(میرا شیشۂ دل اے خدایا! زیر سنگ آ گیا ہے)

✦✦✦

یہ کہانی ایک ایسے پاکستانی لڑکے کی ہے جس کی پیدائش ساؤتھ کوریا میں ہوئی اور اس کی بڑی سادہ سی وجہ تھی کہ اس کی ماں ساؤتھ کوریا کے ایک دوسرے سب سے بڑے شہر بوسن (Buson) کی رہنے والی تھی اور اس کا باپ پاکستان سے تعلق رکھتا تھا۔ ماں کا نام مائی جا (Micha) اور باپ کا نام اظہر علی خان ولد عبدالصمد علی خان تھا۔ میرے بابا بوسن پڑھنے گئے۔ ددا کا ارادہ ان کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہیں وہیں پر کاروبار سیٹ کر کے دینے کا تھا، صرف کاروبار۔ شادی تو ان کی یہاں عالیہ آنٹی کی بہن ماریہ سے طے کی جا چکی تھی لیکن قسمت کی ستم ظریفی ہی سمجھو کہ اظہر کو مائی جاء پسند آ گئی جو اپنے والد کی اکلوتی اولاد تھی اور ان کا اپنے

والد کے سوا اور ان کے والد کا ان کے سوا کوئی نہیں تھا۔ دونوں کی ملاقاتیں پسندیدگی سے شروع ہو کر محبت کی شادی پر ختم ہوئیں۔ میری والدہ نے شادی سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ بابا کے انداز، رویے اور کردار سے بے حد متاثر تھیں۔ مسلمان ایسے ہوتے ہیں، انہیں جان کر حیرت اور تجسس تھا اور یہی تجسس ان کے مسلمان ہونے پر ختم ہوا۔ ان کے والد کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اس سے پہلے وہ اپنے والد کی طرح کیتھولک عیسائی تھیں۔ نکاح کی اطلاع انہوں نے ددا کو دے دی تھی جسے سن کر خوب ہنگامہ ہوا۔ انہیں عاق کرنے کی بھی دھمکی دی گئی۔ فوراً مائی جاء کو چھوڑ کر واپس آنے کا حکم بھی صادر کیا گیا لیکن بابا نہ مانے اور عاق کی دھمکی کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ عالیہ آنٹی نے خوب واویلا مچایا۔ ان کی بہن کی زندگی برباد ہو گئی تھی اور ماریہ آنٹی نے بھی بابا کی شادی کا گہرا صدمہ لیا تھا۔ وہ بیمار رہنے لگی تھیں۔ بہت عرصہ بابا کو ڈرایا دھمکایا گیا، منت سماجت بھی کی گئی لیکن وہ مجبور تھے۔ ایک مسلمان شوہر نے نومسلم بیوی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گا۔ نانا کا والدہ کے سوا کوئی نہیں تھا۔ وہ بیمار تھے اور ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری مما کی تھی، نانا کی چھوٹی سی فلاور شاپ تھی جو مما کافی عرصے سے چلا رہی تھیں۔ اب بابا نے وہ کام سنبھال لیا تھا۔ شادی کے ایک سال بعد میں پیدا ہوا۔ مما نے میرا نام فرجاد رکھا جس کا مطلب ممتاز اور سیکھنے میں نامور تھا اس لئے شاید میں دوسری زبانیں جلد سیکھ جاتا ہوں۔ ددا میری پیدائش کا سن کر خوش ہوئے تھے۔ پہلی بار انہیں اپنے بیٹے کی یاد ستانے لگی تھی۔ ادھر ماریہ آنٹی کافی بیمار رہنے لگی تھی۔ انہیں کافی عرصہ پہلے Lung Cancer تھا جواب آخری سٹیج پر تھا۔ میں شاید تین کا تھا جب ان کا انتقال ہوا۔ ددا نے بتایا تھا بابا کو فون پر عالیہ آنٹی کی وہ چھوٹی اور اکلوتی بہن تھی۔ ان دونوں بہنوں کا ایک دوسرے کے سوا کوئی نہیں تھا۔ وہ میرے ددا کی بھانجیاں تھیں۔ عالیہ آنٹی نے ماریہ کی موت کی وجہ میرے بابا کی بیوی جو ساؤتھ کوریا میں رہنے والی ایک چینی عورت تھی، کو سمجھ لیا تھا۔ خیر جب نانا فوت ہوئے تو میں پانچ سال کا تھا۔ ددا بھی بیمار رہنے لگے تھے اس لئے ددا کے اصرار پر بابا، مما اور مجھے لے کر پاکستان واپس چلے آئے۔ وہ دن مجھے اب بھی کچھ کچھ یاد ہے۔ کوئی بھی ہم سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہا تھا۔ میں خود کو کافی مس فٹ محسوس کر رہا تھا۔ بچوں کی جاننے کی حس بڑی تیز ہوتی ہے جبھی ایک پیاری سی پریوں جیسی لڑکی جو مجھ سے دو سال بڑی تھی، ہلکے نیلے رنگ کے فراک میں میری طرف بڑھی اور شیک ہینڈ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''Hello i am Anaya'' مجھے انگریزی زبان تو سمجھ نہ آئی لیکن اس کی بات کا مطلب سمجھ آ گیا۔ میں اپنی عمر سے زیادہ سمجھدار بچہ تھا۔

''میرا نام عنایہ اور تمہارا؟'' اس نے اردو میں اپنا نام دوبارہ دہرایا اور میرا پوچھا۔ اب مجھے اچھی طرح سمجھ آ رہا تھا۔ میرا نام فرجاد ہے۔'' میں نے اردو میں ہی جواب دیا۔ وہ میرے اُردو بولنے پر بے حد خوش ہوئی تھی اور وہ ہنستی ہوئی بہت پیاری اور معصوم گڑیا لگتی تھی۔ مجھے اسے خوش دیکھ کر خوشی ہوئی اور یوں ہماری دوستی ہو گئی۔ اس گھر میں ددا نے ہی ہمیں دل سے ویلکم کیا تھا لیکن بابا اور ددا کی غیر موجودگی میں عالیہ آنٹی کا رویہ میری مما کے ساتھ بہت برا

ہوجاتا تھا۔ گھر کے بے تحاشا کام دے ڈالتیں۔ طعنے دیتیں اور ان کی دل آزاری کرتیں۔ ہمیشہ انہیں ماریہ کی قاتل کہہ کر پکارتیں۔ پتا نہیں وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے میں بڑا ہورہا تھا، مجھے بری لگتیں اور میں ان سے غمزدہ ہوجاتا۔ تب عنایہ میرے دل کا درمان بن جاتی۔ وہ میری ایسی دوست تھی جو میرے دل کا حال بنا کہے جان جاتی تھی۔ وقت کی ستم ظریفی کہ جب میں آٹھ سال کا تھا تو بابا اور مما کی کار کو حادثہ پیش آگیا۔ مما کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، بابا انہیں ڈاکٹر کو دکھا کر واپس لا رہے تھے جب یہ حادثہ ہوا۔ دونں جائے وقوعہ پر ہی دم توڑ گئے۔ یہ دکھ پہاڑ بن کر اس گھر پر ٹوٹا۔ ہر کوئی اپنی جگہ پر ہل کر رہ گیا تھا۔ طیبہ آنٹی جو انکل عمیر کی بیوی ہے، پہلے تو عالیہ آنٹی کے ساتھ مل کر مجھ سے نفرت اور غصے کا اظہار کرتی تھیں لیکن اس حادثے کے بعد انہوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ ددا تو پہلے بھی پیار کرتے تھے، اب اور زیادہ کرنے لگے حتیٰ کہ کسی حد تک تعلق نہ رکھنے والے انکل زبیر اور عمیر بھی مجھے توجہ دینے لگے۔ سب کچھ بدل سا گیا تھا سوائے عالیہ آنٹی کے۔ انہیں کوئی فرق نہیں پڑا تھا بس جسے ہر وقت وہ برا بھلا کہتی رہتی تھیں وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی تھی۔ میں خود بھی اندر سے ٹوٹ کر رہ گیا تھا۔ ددا اور عنایہ کی توجہ اور بے حد محبت نے ہی مجھے سنبھالا تھا۔ ساتھ ہی باقی لوگوں کے رویوں سے بھی میں بہلنے لگا۔ آنٹی عالیہ مجھے بہت کم بلاتی تھیں۔ ان کے انداز میں میرے لئے قدرے سختی اور درشتی ہوتی تھی لیکن انکل زبیر ہمیشہ انہیں سمجھاتے تھے۔ سو وہ ایک حد سے آگے بڑھ نہیں پاتی تھیں۔ انہیں لگتا تھا کہ میں ان کی بہن کی قاتلہ کا بیٹا ہوں اور بس جبکہ اس گھر کو میں اظہر علی خان کی زندہ نشانی لگتا تھا۔ وقت کچھ آگے بڑھ گیا۔ میں گیارہ سال کا اور عنایہ تیرہ سال کی ہوچکی تھی۔ ہماری دوستی اٹوٹ تھی۔ نعمان اور اقراء ہم سے بڑے تھے اور کافی لئے دیئے والا انداز رکھتے تھے۔ ان دونوں کی آپس میں خوب دوستی تھی اور اسی دوستی میں کسی اور کو شریک اور کسی اور کے ساتھ شریک ہونا پسند نہیں کرتے تھے جبکہ جنید مجھ سے تین سال چھوٹا اور عاشی تقریباً پانچ سال چھوٹی تھی۔ ہم لوگ مل جل کر کھیلا کرتے تھے۔ ایک روز چھت پر فٹ بال کھیل رہے تھے اور کھیلتے کھیلتے نیچے جانے والی سیڑھیوں کی جانب آگئے۔ یہ سیڑھیاں آدھے آدھے حصوں میں بٹی ہوئی تھیں۔ پہلے دس سیڑھیاں دائیں او پھر چبوترہ چھوڑ کر بائیں جو کہ پندرہ اور پھر دائیں چبوترہ چھوڑ کر پھر دس۔ میں اور عنایہ پندرہ سیڑھیوں والی جگہ پر کھڑے تھے۔ جنید قدرے فاصلے پر اوپر والی سیڑھیوں میں۔ فٹ بال اس کے ہاتھ میں تھا۔ عنایہ کا پہلی سیڑھی سے پاؤں پھسلنے لگا تو میں نے جلدی سے تھام لیا۔ وہ اونچائی سے بہت ڈرتی تھی۔ اب بھی کھیل اسی کی وجہ سے رکا تھا۔ اول سے وہ اوپر ہی نہیں آنا چاہ رہی تھی اب نیچے جانے کے لئے بضد تھی۔ ہم سب کو اوپر خوب مزہ آرہا تھا لیکن عنایہ کی وجہ سے ہمیں بھی مجبوراً نیچے آنا پڑا۔ میں نے آج اس کا ڈر ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا چہرہ میری جانب اور بیک سیڑھیوں کی جانب تھی۔ وہ سیڑھی کے کنارے پر تھی۔ ”عنایہ اگر میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔“ میں نے اس کے ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ اس کی رنگت زرد پڑی تھی۔ ”ہائے! نہیں فرجی بالکل نہیں، میں گر جاؤں گی۔“ وہ چلائی تھی۔

”آج تمہارا ڈر نکال کر چھوڑنا ہے۔“ میں

نے پھر جھٹکا دیتے ہوئے کہا جبکہ میں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا تھا۔

ایسے میں عالیہ اور آنٹی بھی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آ رہی تھیں۔ جنید کو نہ جانے کیا سوجھی، اس نے فٹ بال میری طرف اچھالا جو سیدھا میرے منہ پر آ کر لگا۔ ایک پل کو توازن خراب ہوتے ہوتے میرے ہاتھ کی گرفت عالیہ کے ہاتھ پر ہلکی ہوئی اور اس کا ہاتھ میرے ہاتھ سے پھسل گیا اور وہ سیڑھیوں سے دھڑام گرتی چلی گئی۔ ہم میں سے کسی کو بھی اس حادثے کی توقع نہیں تھی۔ نیچے سے آنٹی عالیہ اور آنٹی طیبہ اوپر کی طرف بھاگیں اور اوپر سے ہم عنایہ عنایہ چلاتے ہوئے۔ عنایہ چیختی ہوئی سیڑھیوں سے نیچے جا گری اور اس کو نہ جانے کیسی چوٹ لگی تھی کہ وہ وہیں دم توڑ گئی۔ اس کے سر سے خون بہہ کر فرش پر پھیل رہا تھا۔ میں حواس باختہ ہو گیا تھا۔ میں نے بڑھ کر عنایہ کو اٹھا کر نیچے لے جانا چاہا مگر تب تک عالیہ آنٹی نے مجھے زور سے دھکا دے کر پرے گرا دیا۔ وہ عنایہ جو آنٹی عالیہ اور انکل زبیر کی چھوٹی بیٹی اور اقراء کی چھوٹی بہن تھی، وہ عنایہ جو اپنی ماں کے رویے کا ازالہ ہمیشہ اپنے نرم لہجے اور معصوم دوستی کے ذریعے کرتی تھی، وہ عنایہ آج فرش پر ساکن پڑی تھی۔ عالیہ آنٹی زور سے رونے اور چلانے لگی تھیں۔ وہ مر چکی تھی۔ وہ ایسے کیسے مر گئی۔ مر تو مجھے جانا چاہئے تھا۔ وہ پریوں جیسی خوبصورت اور نازک لڑکی کیسے مر گئی۔ میری غم گسار، میری ہمدرد اور میری دوست مر گئی تھی۔ میرا وجود پتھر کا ہو گیا۔ ہر کوئی رو اور چلا رہا تھا۔ عالیہ آنٹی نے آ کر میرے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی لیکن مجھے درد کے باوجود درد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ پاس بنے سٹور روم میں وہ مجھے سر کے بالوں سے گھسیٹتے ہوئے لے گئیں۔ وہ مجھے قاتل پکار رہی تھیں۔ میں نے گھگھیاتے ہوئے کہنا چاہا کہ میں قاتل نہیں، میرا کوئی قصور نہیں، ہم تو مذاق کر رہے تھے، کھیل رہے تھے مگر وہ کچھ نہیں سن رہی تھیں۔ مجھے سٹور روم میں بند کر دیا گیا۔ یہ ایک کاٹھ کباڑ سے بھرا چھوٹا سا کمرہ تھا۔ میں نے کئی بار دروازہ پیٹا، لاکڈ دروازہ کھولنا چاہا، مجھے عنایہ کے پاس جانا تھا، اسے جھنجھوڑ کر اٹھانا تھا، میری دوستی کو گماں اور محبت کو وہم تھا کہ میری پکار سن کر وہ واپس پلٹ آئے گی۔ اس نے مجھے کبھی تنہا نہیں چھوڑا۔ میرے آنسو ہمیشہ اس نے صاف کئے تھے، آج کیسے وہ مجھے روتا چھوڑ کر جا سکتی ہے۔ میں کافی دیر تک چلاتا رہا، دروازہ پیٹتا رہا اور اندھیرا پھیل چکا تھا۔ وہ لوگ شاید عنایہ کو لے کر ہسپتال جا چکے تھے۔ آنٹی طیبہ غلط کہہ رہی تھیں، جھوٹ بول رہی تھیں، عنایہ مری نہیں زخمی ہوئی ہوگی، ہسپتال میں علاج ہو رہا ہو گا، ظالم لمبی اور سفاک رات میں نے انہیں خیالات کے ساتھ گزاری کہ صبح سر پر پٹی باندھے عنایہ ہی اس سٹور روم کا دروازہ کھولے گی اور پھر میں نے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کرنا شروع کر دی۔

عنایہ کے لئے ددا کی باتوں اور حوصلے پر میں نے صبر کرنا سیکھ لیا۔ عنایہ کے مہربان دوست کی وجہ سے پھر سے جینا سیکھ لیا لیکن اے اللہ! اب عنایہ مجھ سے مت لے۔" بس ایسی ہی دعائیں اب آنسو بھی نکل نہیں پا رہے تھے۔ لگتا تھا کہ بھوک پیاس سے جان نکلنے والی ہے لیکن یہ دروازہ تو میری عنایہ ہی کھولے گی لیکن دروازہ تیسرے دن کھلا تو وہ ددا تھے جو بھاگ کر میرے پاس آئے تھے والہانہ وار مجھے چومتے ہوئے گلے لگاتے ہوئے وہ بس روئے جا رہے

تھے اور میں ان سے لپٹ کر بین ڈالنے کی طرح رو رہا تھا۔ دروازہ عنایہ نے نہیں کھولا تھا، میرا دل اور قسم ٹوٹ گئی تھی، میں رو رہا تھا اور بس رو رہا تھا۔

فرجاد نے اتنا کہہ کر سسکی بھری۔

خولہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہ اس کے درد کو محسوس کر رہی تھی۔ تین راتوں سے سٹور روم میں بھوکے پیاسے گیارہ سالہ فرجاد کے درد کو دل سے محسوس کر رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا، اس سے لپٹ کر رونا شروع کر دے۔

عنایہ کو آج تیسرا دن تھا۔ وہ اسی روز فوت ہو گئی تھی۔ عالیہ آنٹی نے ددا کو اطلاع دینے سے پہلے سب کو دھمکایا۔ اپنی جان کے ختم کرنے کی دھمکی دی تھی کہ اگر کسی نے بتایا کہ میں سٹور روم میں بند ہوں۔ اس روز ددا، زبیر اور عمیر انکل کے ساتھ بزنس کے سلسلے میں کسی دوسرے شہر گئے ہوئے تھے جہاں سے واپسی بارہ گھنٹے سے پہلے ممکن نہیں تھی۔ ان کے آنے تک اور عنایہ کی تدفین تک میں خاموش ہو چکا تھا۔ عالیہ آنٹی کا خیال تھا کہ میں وہیں پر سسک سسک کر مر جاؤں گا۔ گھر میں اس بات کی خبر بچوں اور طیبہ آنٹی کو ہی تھی لیکن ددا لوگوں کے آنے سے پہلے انہوں نے سب کو اتنی بری طرح ڈرایا دھمکایا تھا کہ کسی نے میرے سٹور میں بند ہونے کا نہیں بتایا۔ وہ تو آخرکار جنید نے روتے روتے ددا کو تیسری رات سب کچھ بتا دیا۔ یہ بھی کہ اگر فٹ بال مذاق میں مجھے اس وقت نہ مارتا تو عنایہ کا ہاتھ مجھ سے نہ چھوٹتا اور نہ حادثہ ہوتا۔ اس کی وجہ سے عنایہ جان سے گئی اور اب اس کی خاموشی کی وجہ سے میں بھی جان سے جاؤں اور معصوم بچے نے سب کچھ ددا کو بتا دیا۔ ددا، انکل زبیر اور عمیر کو پکارتے سٹور روم کی طرف بھاگے۔ سٹور روم کھلوایا گیا تو میں نیم بے ہوشی میں فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ددا کے لمس سے ہوش میں آ کر رونے لگا۔ مجھے بہت تیز بخار تھا۔ تقریباً میری حالت کافی خراب تھی۔ وہ سب لوگ مجھے لے کر ہسپتال بھاگے۔ میں تقریباً چار دن ہسپتال رہا پھر ددا نے اپنے کمرے میں ہی میرا بیڈ لگوا لیا اور طیبہ آنٹی کے ساتھ مل کر میری دیکھ بھال کرنے لگے۔ گھر کے سب افراد ہی میرا بہت خیال رکھتے تھے ماسوائے عالیہ آنٹی کے۔ وہ! دل سے میری مما کو اپنی بہن کی قاتلہ اور مجھے اپنی بیٹی کا قاتل سمجھتی ہیں۔ مجھ سے نفرت کرنے کی ان کے نزدیک بہت ٹھوس دلیل اور وجہ موجود ہے حالانکہ جنید نے بارہا ان کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے اپنا رویہ نہیں بدلا۔ انکل زبیر مجھ سے نفرت تو نہیں کرتے لیکن اپنی بیوی کی وجہ سے کھل کر محبت بھی نہیں کرتے اور میں فرجاد اظہر علی خان آج تک خود سے شاید ناں محبت کر پایا اور ناں نفرت۔ میں تو خود اس لمحے کو کوستا ہوں، خود کو لعن طعن کرتا رہتا ہوں کہ میں اس روز عنایہ کا مذاق ہی مذاق میں اونچائی کا ڈر نکالتے نکالتے اس کی موت کا سبب بن گیا۔ میں نے اپنی زندگی کی سب سے قیمتی اور مخلص دوست کھو دی۔ اس گھر میں وہ میرے لئے ایک مہربان سایہ دار شجر کی مانند تھی۔ وہ مجھے بہت عزیز تھی۔ اسے سوئی بھی چبھتی تھی تو درد مجھے ہوتا تھا۔ میں جس نے اس کی زندگی چھین لی اب بھلا اپنی زندگی میں خوشیوں کا حق دار کیسے ہو سکتا ہوں۔ میرا کسی خوشی اور راحت پر کوئی حق نہیں، کوئی نہیں...... کوئی نہیں۔'' فرجاد کے منہ سے سسکی نکلی اور وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔ خود خولہ کی آنکھوں سے اس کی درد بھری کہانی سن کر آنسو رواں تھے۔ اس نے کچھ

دیر فرجاد کو یونہی رونے دیا، دل کا غبار نکالنے دیا اور پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس کے قریب ہوئی اور دھیرے دھیرے اس کا گھٹنوں میں رکھا سر سہلانے لگی۔ وہ کچھ نہیں بول رہی تھی، بس نرم انگلیوں سے اس کے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھی۔ وہ اس کی کہانی کو جانتی تھی لیکن آج اس کے منہ سے سننے کے بعد اس سے ہمدردی ہو چلی تھی۔ جی چاہ رہا تھا سارے زمانے سے چھپا لے اس معصوم سے شخص کو۔ فرجاد کی سسکیاں تھم گئی تھیں۔ وہ کچھ دیر بعد نیم دراز ہو کر لیٹ گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اسے تھکان محسوس ہو رہی تھی۔ درد نے اسے نڈھال کر ڈالا تھا۔ دونوں ہاتھوں کو چہرے کے نیچے رکھ کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ اس کا چہرہ خولہ کی طرف تھا۔ شاید انگلیاں پھیرنے سے اسے سکون محسوس ہو رہا تھا۔ خولہ پھر سے اس کے سر میں ہاتھ پھیرنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ گہری نیند سو چکا تھا۔ اس وقت وہ ایک معصوم بچے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ خولہ کو اس کی معصومیت پر پیار آیا۔ وہ واقعی بہت کیوٹ تھا۔ اتنا بھرپور مرد، اس وقت اسے ایک بچے کی مانند نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نرم تاثرات تھے۔ خود سے بے خبر وہ اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھی اور رات بیتی جا رہی تھی۔ وہ کافی دیر بعد اس کے پاس سے اٹھ کر اپنے بیڈ پر آئی۔ کتنا حساس تھا اسے بیوی نہ مانتے ہوئے بھی وہ اس کا خیال رکھتا تھا، اسے اس کا نیچے لیٹنا پسند نہیں آیا تھا جبھی دوسرے روز بیڈ کا انتظام کیا تھا۔ وہ حساس سا شخص بہت پیارا تھا، شاید وہ نہیں جانتا تھا۔ خولہ ایسی باتیں سوچتے ہوئے آخر کار نیند کی وادی میں جا اتری۔

✧✧✧

''کہاں جائے گی......'' اس نے ایک گالی دیتے ہوئے کہا۔ لہجے میں غصہ بھرا تھا۔

''یہ دنیا گول ہے۔ وہ دادی پوتی سمجھی تھیں کہ مجھ سے بچ کر جائیں گی لیکن ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ پاتال میں بھی جا چھپتیں تو وہاں سے بھی نکال لاتا۔ اب تو سونیا نے میرا کام آسان کر دیا۔ فون پے لوکیشن سینڈ کر دی ہے اس نے مجھے اور میں نے پتہ لگوا لیا تیری ساس اسے اپنے دادا کے گھر چھوڑ کر خود سعودی عرب رفو چکر ہو گئی۔ وہ جو بیمار بن کر ڈاکٹر کے پاس جاتی تھیں، اصل میں پاسپورٹ وغیرہ بنوانے کے چکر میں تھیں۔ تیری ساس کی اکلوتی اور آخری رشتے دار بہن نے اسے عمرے کا ٹکٹ بھیجا تھا جیسے بڑھیا نے تو واپس ہی نہیں آنا، ٹانگیں توڑ دوں گا دونوں کی۔'' غصے سے دانت کچکچاتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''ارے ہاں نہیں تو کم بخت دونوں کتنی چلتر نکلیں، میری آنکھوں میں دھول جھونکتی رہیں اور یہ اس کا اصلی دادا تھوڑا، وہ تو مر کھپ گیا، یہ اس کا بھائی ہے، اس کی ماں کا چچا لگتا ہے، جا کر لے آ اسے وہاں سے، ہڈی پسلی ایک کر دینا یہاں لا کر۔ میری مار بھول گئی کم بخت ہڈیاں توڑ دینی ہیں میں نے اس کی اب کی دفعہ، دیکھوں تو کیسے نکل گئی چپ چاپ سامان تھوڑا تھوڑا لے جا کر اپنی کسی دوست کی طرف رکھواتی رہی ہو گی کم بخت کے پاس دو تین ہی جوڑے تھے اور وہ غائب ہیں۔ دادی کی بھی چند ضروری چیزیں غائب ہیں۔''

بھاری بھر کم وجود کی حامل خاتون جو سنگل صوفے پر ٹانگیں چڑھائے بیٹھی تھی، پان چباتے ہوئے نفرت انگیز لہجے میں بولی۔

''تجھے تو میں ہمیشہ کہتا تھا اس چڑیا پر نظر رکھ،

کہیں پھر نہ ہو جائے اور میں تو اس کی پڑھائی کے بھی خلاف تھا۔'' بدمعاش نما حلیہ کا حامل آدمی بولا تھا۔

''اے واجد! مجھے کیا خبر شکل سے تو ڈرپوک اور معصوم نظر آتی، پڑھائی اور گھر کے کاموں کے سوا اس کی کوئی اور مصروفیت بھی نہیں تھی اور پڑھائی کے معاملے میں اس کی دادی آڑے آ جاتی تھی۔ بڑھیا کو جو پنشن ملتی تھی اس کی پڑھائی پر لگاتی تھی اور پھر اسے کہیں سے کوئی رقم بھی آتی تھی وہیں جس کے گھر گئی ہے وہی بھیجتا تھا۔'' عورت بولی۔

''پتہ ہے آپا رضیہ، مجھے سب پتا ہے۔ اس رقم سے کچھ رقم وہ مجھے بھی دیتی تھی تبھی ان کے معاملے میں اتنی نہیں بولتی تھی لیکن اب تیار ہو جاؤ صبح شہر چل رہے ہیں اسے واپس لے کر آنا ہے۔'' آدمی بولا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ لے آؤ واپس اور دو بول نکاح کے پڑھا کر لے جا اپنے گھر۔ آخر تو اس کا منگیتر ہے، تیرا حق ہے اس پر، تیری مرضی کے بغیر وہ کیسے وہاں رہ سکتی ہے، ویسے بھی ان دونوں کو یہ تھوڑی پتہ ہوگا کہ اتنی جلدی تو انہیں ڈھونڈ نکالے گا۔ بے بی نے اسے شاپنگ مال دیکھا اور گھر تک پیچھا کر کے پتہ لے لیا۔ اب چلتے ہیں اس پتے پر۔ ویسے بھی یہ شہری لوگوں کو خوامخواہ کے رشتے نبھانے کا کوئی شوق نہیں ہوتا۔ تو اس کا منگیتر ہے، یہ جان کر وہ اسے ہمارے حوالے کر ہی دیں گے۔'' عورت نے حامی بھرتے ہوئے کہا ''اب چڑیا کے پر کاٹنے کا وقت آ گیا ہے۔'' واجد نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا اور رضیہ نے جھٹ تیز تیز ہاں میں سر ہلایا۔

❖❖❖

وہ ابھی تک گہری نیند سو رہا تھا۔ سر درد نے اسے بری طرح تھکا ڈالا تھا۔ کمزوری اور تھکاوٹ کی وجہ سے وہ بے خبر بیڈ پر آڑھا ترچھا سویا پڑا تھا۔ رات تیسرے پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ فجر کا وقت قریب آ چلا تھا۔ جب خولہ اٹھ کر اس کے بیڈ کی طرف آئی تھی۔ وہ ہمیشہ اس سے پہلے اٹھ کر نمازِ فجر ادا کر کے ورزش کے لئے لان میں چلا جاتا تھا۔ اتنی سردی کے باوجود وہ ہمیشہ منہ اندھیرے ورزش کرنے کا عادی تھا، جب سارا گھر سویا پڑا ہوتا۔ خولہ خود نماز پڑھ کر بستر میں گھس جاتی تھی۔ جب وہ جاگنگ کر کے واپس آتا تو دن چڑھ چکا ہوتا لیکن آج وہ ابھی تک سویا پڑا تھا۔ خولہ کو سمجھ نہ آئی کہ وہ اسے سویا رہنے دے یا پھر جگا دے۔ وہ تھوڑا سا اس پر جھک کر اس کا جائزہ لے رہی تھی جبھی فرجاد نے آنکھیں کھولیں اور خولہ کو خود پر جھکا دیکھ کر وہ چونکا۔ جبھی خولہ کی بھی چیخ نکل گئی۔ اس نے فوراً سیدھی ہو کر دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

''ہائے اللہ! آپ نے مجھے ڈرا دیا۔''

''مجھے بھی، آپ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں۔ رات سر میں شدید درد تھا، میں باتیں کرتے کرتے سو گیا، نہ جانے درد کب ختم ہوا۔'' فرجاد نے قدرے بیڈ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ سامنے وال کلاک میں وہ وقت دیکھ چکا تھا۔ کسی حد تک خود سے خائف بھی تھا۔ بھلا اپنی زندگی کی کہانی خولہ کو سنانے کی کیا ضرورت تھی لیکن وہ چاہتا تھا کہ عالیہ آنٹی کے منہ سے اس کے متعلق نفرت انگیز حقیقت جاننے کی بجائے اصل حقیقت جانے اور وہ ایسا کیوں چاہتا تھا یہ اسے بھی معلوم نہ تھا۔

''اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ سر کا درد کیسا ہے؟ ویسے اگر دور نہیں ہوا تو میں سر میں

تیل کی مالش کر دوں اس سے فرق پڑے گا۔''
خولہ نے سوال کرتے ہوئے جھٹ آفر بھی دے ڈالی۔
''نہیں، اس کی ضرورت نہیں، درد ختم ہو گیا ہے۔ میں ٹھیک ہوں، شکریہ۔'' وہ نرمی سے بولا تھا۔
''اوہ ہوں! شکریہ تو آپ کا، جنہوں نے مجھے اس قابل سمجھا کہ اپنے بارے میں بتایا، مجھ پر اعتماد کرنے کا شکریہ۔''
خولہ نے کہا۔ وہ کہنا تو بہت کچھ چاہتی تھی لیکن اس وقت اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر پائی تھی۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ رات بھر ٹھیک سے سو نہیں پائی۔ اس گیارہ سالہ لڑکے کی کیفیت کا سوچ کر جو ماں باپ کے بعد ایک پیاری دوست کو حادثاتی طور پر کھو بیٹھا تھا اور تین دن اپنی قسم نبھانے کے لئے بغیر آواز کئے سٹور روم میں بند پڑا رہا اور بار بار اس کا معصوم خیالی چہرہ خولہ کے ذہن میں ابھرتا رہا اور پھر اس کی موت کی تصدیق کے بعد وہ کتنی بری طرح سے ٹوٹا ہوگا، کتنا غم اور دکھ جھیلا تھا اس نے چھوٹی عمر سے ہی، پھر ایسے گھر میں رہتا جہاں پر ایک فرد آپ کو آج بھی بلاوجہ اپنی نفرت کا نشانہ بنائے ہوئے ہو۔ وہ بہت افسردہ ہو گئی تھی اس کے بارے میں اس کے منہ سے سن کر بلکہ روتی بھی رہی تھی لیکن کوئی گولہ سا تھا جو اس کے حلق میں پھنس گیا اور وہ خاموش ہی رہی۔ یہی ایک جملہ کہنے کے بعد فرجاد بھی خاموش ہی رہا۔
فجر کی اذان ہو گئی ہے، آئیں چلیں نماز پڑھ لیں اور پھر صبح نو نے کھڑکی سے یہ منظر دیکھا کہ فرجاد کے پیچھے خولہ نماز ادا کر رہی تھی۔ یہ بہت پاکیزہ اور خوبصورت منظر تھا۔ سحر نمودار ہو چکی تھی۔ جب وہ جاگنگ کے لئے تیار ہو رہا تھا اور خولہ دوبارہ سے بستر میں گھس چکی تھی۔

✦✦✦

''فرجاد! آج آپ آفس سے چھٹی کر کے ریسٹ کر لیں، ددا رات ان کی طبیعت کافی خراب رہی، مائیگرین کا اٹیک ہوا ناں، ریسٹ کرنا چاہئے ناں۔'' ناشتے کی میز پر خولہ نے پہلے بوائل انڈا کھاتے فرجاد سے کہا اور پھر ددا سے جن کی طبیعت آج بہتر تھی۔ اور وہ ان کے ساتھ ہی ناشتہ کر رہے تھے۔ گھر کے باقی افراد بھی وہیں موجود تھے۔ عاشی اور جنید یونیورسٹی سے چھٹیاں کرنے کے بعد آج کل پڑھائی میں مصروف تھے۔ بس آتے جاتے ہیلو ہائے ہی ہوتی تھی۔
''کیا ہوا بھائی! آپ ٹھیک ہیں، مجھے جگا لینا تھا، ڈاکٹر کے پاس لے جاتا۔'' جنید فوراً بولا تھا۔ اس کے لہجے کی پریشانی نے فرجاد کے چہرے پر محبت بھری مسکراہٹ دوڑا دی تھی۔ بس یہ افرادِ خانہ کی محبتیں ہی تھیں جو وہ کسی حد تک نارمل جینے کا عادی ہو پایا تھا اور جنید کو نرمی سے بتایا۔ ''میں ٹھیک ہوں جنید۔''
''لو تمہیں کیوں جگا لیتے جبکہ ان کی نصف بہتر ان کے پاس موجود اب جگانے والی ان کے کمرے میں موجود ہے۔'' کپ اُٹھاتے عاشی بولی اور بات انجانے میں کچھ اور طرح سے کر گئی۔ عالیہ بس دونوں کو گھور کر رہ گئیں۔
''ٹھیک ہے فرجاد! تم آج آرام کرو، میں اور عمیر آفس جائیں گے، ویسے بھی اتنے دنوں کا لوڈ ہے تم پر کام کا۔'' زبیر صاحب بولے۔
''ہاں بالکل فرجاد! آج آفس سے چھٹی اور تم بس آرام کرو گے۔'' ددا جو اتنی دیر سے بولنا چاہ رہے تھے، جھٹ بولے۔ فرجاد ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا اور خولہ کو تنبیہی نظروں سے

دیکھ کر رہ گیا۔
"چلو شاباش جلدی سے ناشتہ ختم کرو اور اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔" ددا نے پھر سے کہا۔
"ددا میں بالکل ٹھیک ہوں، جاگنگ بھی کی ہے صبح، میں آفس جا سکتا ہوں۔" فرجاد نے کہا۔
"جانتا ہوں تم بالکل ٹھیک ہو لیکن Migrain کا درد تمہیں کتنا نڈھال اور کمزور کر ڈالتا ہے اس سے لاعلم نہیں ہوں میں، بس جاؤ شاباش اپنے کمرے میں ریسٹ کرو۔ جاؤ خولہ بچے اسے لے جاؤ اپنے کمرے میں۔" ددا نے خولہ سے کہا۔
"گود میں اٹھا کر لے جائے گی کیا؟" عالیہ بیگم نے بیزار لہجے میں کہا اور خولہ بلش کر گئی۔ یاں بیٹی بات کرتے ہوئے بالکل نہیں سوچتی تھیں۔
"نہیں، خیر اتنے جوان جہان گھبرو کو اتنی نازک سی لڑکی گود میں اٹھانے سے تو رہی۔" جنید بھی شرارتی ہوا۔ "لو بیٹا بھی ماں کی طرح بغیر سوچے بولتا ہے۔" خولہ نے بلش ہوتے دل میں سوچا۔
"ٹھیک ہے، میں آج چھٹی کر لیتا ہوں اور میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔" فرجاد نے بات ختم کرتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی جنید کو ہلکا سا گھورا بھی۔
"جائیں خولہ آپی! آپ انہیں کمرے تک چھوڑ کر آئیں۔" جنید نے فرجاد کے گھورنے کو نظرانداز کرتے ہوئے شرارتی لہجے میں خولہ سے کہا جو گلابی چہرے کے ساتھ خاموشی سے چائے کا سپ بھر رہی تھی۔
"آپ کے شوہر بیمار ہیں اور آپ کو ناشتہ کرنے کی پڑی ہے، جائیں اٹھ جائیں۔" عاشی

نے بھی جھٹ کہا لبوں میں ہنسی کو دباتے۔
خولہ یکدم اٹھ کھڑی ہوئی جبکہ فرجاد کا رخ اپنے کمرے کی جانب تھا۔ خولہ کے انداز پر عاشی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور باقیوں کے چہروں پر بھی مسکراہٹ دَر آئی ماسوائے عالیہ کے۔
خولہ کو وہ سبھی لوگ بہت اچھے لگے تھے۔ کسی نے بھی اس سے اجنبی اور روکھا رویہ نہ رکھا تھا بلکہ سب اسے فرجاد کی بیوی کے رشتے سے ہی ٹریٹ کر رہے تھے اور عالیہ کے متعلق وہ جان چکی تھی۔ سوان کے انداز کی اسے پرواہ نہ تھی۔ وہ بھی فرجاد کے پیچھے اس کے کمرے میں چلی۔
''کیا ضرورت تھی سب کو میری طبیعت کا بتانے کی۔'' مڑ کر فرجاد نے خولہ سے کہا اور خولہ جو اپنے دھیان میں فرجاد کے پیچھے چلی آ رہی تھی، فرجاد کے یوں اچانک مڑ کر پوچھنے پر اس سے جا ٹکرائی۔ دونوں کے جسموں میں جیسے کرنٹ دوڑ گیا تھا۔
''ضرورت تھی، مجھے پتہ تھا اپنی صحت کی پرواہ کئے بغیر سارا دن آفس میں سر کھائیں گے اور رات درد سے بری حالت تھی آپ کی۔'' نظریں چراتے وہ بولی تھی۔ اور تیزی سے اپنے روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔ فرجاد بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

✧✧✧

اور پھر نہ جانے کیا ہوا کہ تیز تیز قدم اٹھاتے پیچھے سے جا کر اس کا بازو تھام کر اپنی طرف گھماتے نہایت سنجیدگی سے بولا:
''میرا مقصد اپنی کہانی سنانے کا آپ کو خوامخواہ کی ہمدردی وصول کرنا نہیں، مجھے ہمدردی سے سخت چڑ ہے اور ایسے لوگوں سے بھی۔ یہ سب باتیں میں نے اس لئے بتائیں کہ عالیہ آنٹی میرے بارے میں آپ کو الٹا سیدھا بتاتی رہیں گی تو مناسب ہو گا کہ میں اصل بات بتا دوں۔''
''ہمدردی سے تو مجھے بھی سخت چڑ ہے۔ یہ کوئی ہمدردی نہیں بلکہ آپ کی فکر ہے۔ آپ نے میرے لئے اتنا کچھ کیا ہے۔ کیا مجھے احساس مند ہوتے ہوئے آپ کی پرواہ نہیں ہونی چاہئے۔'' نرمی سے بازو چھڑاتے ہوئے وہ بولی تھی۔
''عنایہ کے جانے کے بعد میں نے اٹل ارادہ کر لیا تھا کہ تمام عمر شادی نہیں کروں گا، وہ میری پہلی اور آخری محبت تھی۔ اس کے علاوہ میں یہ جذبہ کسی اور کے ساتھ بانٹنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتا لیکن حالات کچھ اس طرح کے ہوئے کہ ہم دونوں نہ چاہتے ہوئے بھی اس انوکھے بندھن میں بندھ گئے۔ آپ کو یہ سب باتیں بتانے کا مقصد یہ بھی تھا کہ آپ اچھی طرح سے جان سکیں کہ میں اس رشتے کو محض کاغذی رشتہ کیوں کہتا ہوں اور آپ کو میرے احسان تلے دبنے کی ضرورت نہیں۔ سچویشن ایسی تھی کہ یہ سب کرنا پڑا جس کے لئے شاید ہم دونوں ذہنی طور پر بالکل تیار نہیں تھے۔ اینی ہاؤ کچھ دنوں تک یونیورسٹی کے ایڈیشن شروع ہو جائیں گے، آپ کا داخلہ ہو جائے گا، آپ نے اپنی آنے والی زندگی کے متعلق جو بھی فیصلہ کیا ہے اس میں آپ آزاد ہیں، میں آپ کا ساتھ دوں گا، ہم دونوں ایک ندی کے مخالف کنارے ہیں جو کبھی مل نہیں پاتے۔''
فرجاد نے کھڑے کھڑے کہا اور خولہ اثبات میں سر ہلاتے مڑ گئی۔ کہنے کو بہت کچھ تھا لیکن وہ جان گئی تھی کہ فرجاد اس کی ہر بات کو، ہر جملے کو محض احسان مندی اور ہمدردی کے جذبات میں رکھ دے گا جبکہ اس کے علاوہ بھی کچھ تھا، وہ

اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس کیوٹ اور سنجیدہ سے لڑکے سے وہ محض کاغذی نہیں ایک اچھے دوست کا رشتہ استوار کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس کی عادات کی بناء پر اسے ناپسند کرنے کی کوئی وجہ ڈھونڈ نہیں پائی تھی اور پھر نکاح جیسے مقدس رشتے میں بندھ جانے کے بعد وہ خود کو اسے پسند کرنے سے روک نہیں پا رہی تھی لیکن یہ باتیں اس وقت کرنا اسے بیکار لگا تھا اس لئے چپ چاپ پلٹ گئی تھی۔

✧✧✧

شام کا وقت تھا، جنید اور عاشی بھی یونیورسٹی سے آ چکے تھے۔ سب کی محفل فرجاد سمیت ددا کے کمرے میں لگی ہوئی تھی۔ جنید ددا کو دبئی کی تصویریں دکھا رہا تھا جبکہ عاشی خولہ کو اقراء اور نعمان کے متعلق اور ان کے نومولود بیٹے کے متعلق بتا رہی تھی۔

عالیہ، عمیر، زبیر کی آوازیں لاؤنج سے آ رہی تھیں۔ عمیر، زبیر صاحب شاید ابھی آفس سے آئے تھے اور پھر کسی کے آنے پر ان سے بات کرنے لگے۔

"بلائیں جی میری منگیتر کو، میں اسے لینے آیا ہوں۔ پرائے گھر میں کیوں آ بیٹھی ہے جبکہ اس کی ماں کا گھر موجود ہے۔"

یہ آواز واجد کی تھی اور اتنی بلند ضرور تھی کہ ددا کے کمرے تک آ رہی تھی۔ خولہ نے آواز فوراً پہچان لی تھی۔ اس کی رنگت پیلی پڑ گئی تھی۔

"آپ کی بہو کا ایک عدد منگیتر اپنی بہن کے ساتھ آیا ہے جو شاید اس کی سوتیلی ماں ہے، لے جانے پر بضد ہے۔" عالیہ نے کمرے میں آ کر دھماکہ کیا تھا۔ فرجاد جو لیپ ٹاپ پر مصروف تھا، فوراً لیپ ٹاپ بند کیا تھا۔ باقی بھی حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ خولہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ واجد اسے ڈھونڈتا ڈھونڈتا اتنی جلدی یہاں تک پہنچ جائے گا۔

"خولہ! خولہ جی! کہاں ہو، آؤ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" واجد جو کہ ڈرائنگ روم میں عمیر، زبیر کے ساتھ براجمان تھا، اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پکارا، ساتھ ہی اس کی بہن رضیہ بھی آئی تھی۔

خولہ کی حالت قابل دید تھی۔ وہ یکدم بہت پریشان ہو گئی تھی۔ وہ اگر اتنی جلدی یہاں تک پہنچ سکتا ہے تو کیا کچھ نہیں کر سکتا، اس کا تو اس کو اندازہ تھا۔ اتنے سالوں سے اس بدمعاش کو برداشت کر رہی تھی۔ کیسے کیسے نہیں اس نے خود کو اس کے چنگل سے بچا کر رکھا تھا لیکن اس کی ہوس زدہ نظروں سے خود کو محفوظ نہیں رکھ پاتی تھی اور آج پھر اسے اس کی گندی نظروں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اب نہ جانے وہ کیا کرے گا۔ سب کی نظروں میں وہ خود کو چور محسوس کر رہی تھی۔ نہ جانے اب آگے کیا ہوگا۔

✧✧✧

(باقی اگلے ماہ)

یارِ من

بشریٰ سیال

کھانا آ گیا اور ان دونوں نے کھانا شروع کر دیا تھا۔ عائشہ گل نے اپنی کی تمام توجہ کھانے مرکوز کی ہوئی تھی۔ جب کہ محمد امیر گاہے بگاہے اس کی جانب دیکھ لیتا تھا۔ اور اس سے کوئی نہ کوئی چھوٹی موٹی بات کرتا تھا۔ مگر عائشہ گل کوئی خاص توجہ نہ دے دی تھی۔ اور محمد امیر اس کی عدم دلچسپی اپنی باتوں کے ساتھ کھانے میں بھی محسوس کر رہا تھا۔ مگر اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کس طریقے سے عائشہ گل کا موڈ ٹھیک کرے۔ کیونکہ وہ کافی ناراض دیکھائی دیتی تھی اور اس کی خفگی کی جو وجہ تھی محمد امیر فی الوقت اس کو دور نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس نے اتنی جلدی اتنا بڑا مطالبہ کر دیا تھا کہ جس کے بارے میں محمد امیر کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔

وہ نہ تو میوزک کو چھوڑ سکتا تھا۔ اور نہ ہی عائشہ گل کو۔ مگر عائشہ گل اس بات پر مسر تھی۔ اور محمد امیر کو اس کے تیور کافی خطرناک دکھائی دیتے تھے۔ مگر فی الحال وہ کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ سو

ناولٹ

خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔

"یہ ٹرائی کرو عائشہ گل۔ یہ بہت مزے کا ہے۔" محمد امیر نے ایک نئی ڈش اس کی جانب بڑھائی تھی۔ عائشہ گل نے اس میں سے تھوڑا سا لے لیا تھا۔ اور محمد امیر محسوس کر رہا تھا کہ وہ بالکل ہی بجھی بجھی سی ہے۔ اور یہ بات اسے بے حد بے چین کر رہی تھی۔ کیونکہ بات جو بھی تھی اسے عائشہ گل بے حد عزیز تھی۔ اس کا مطالبہ اس کی بات اپنی جگہ مگر اسے اس طرح اداس اور پریشان نہ دیکھ سکتا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کے چہرے پر ہنسی اور خوشی دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے چہرے سے اس اداسی کو ہٹانا چاہتا تھا۔ اور اس نے اس طرح سے اداس تو عائشہ گل کو کبھی بھی نہ دیکھا تھا۔ جس طرح وہ ابھی تھی۔

حتی کہ اپنی امی کی ڈیتھ کے بعد بھی اس کے چہرے پر یہ اذیت نہ تھی۔ جو اس وقت موجود تھی۔ مگر پریشانی یہ تھی کہ وہ اس کے اس پریشانی کو دور کرنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس پریشانی کو دور کرنے کے لیے اس کا جو مطالبہ تھا۔ وہ اسے نہیں مان سکتا تھا۔

"عائشہ گل!" محمد امیر نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"کیا بات ہے اتنی زیادہ پریشان کیوں ہو؟" محمد امیر نے دوسرا ہاتھ اس کے گال پر رکھا۔ تو عائشہ گل نے خاموشی سے اس کی جانب دیکھا۔

"نہیں کچھ بھی نہیں۔" اس نے اپنی گہری آنکھیں محمد امیر پر جمائیں۔ تو محمد امیر کا دل ڈوبنے لگا۔ بس یہ لمحہ ہوتا تھا کہ وہ عائشہ گل کے سامنے ہار جاتا تھا۔

"اچھا عائشہ گل تم دل پر مت لو۔ ہم بعد میں بات کریں گے۔" محمد امیر نے کہا تھا۔ اور عائشہ گل نے اس کی جانب بے یقینی سے دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ محمد امیر اتنی آسانی سے یہ بات نہیں مانے گا۔ اس لیے اس نے اس سے مزید بحث کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

"کیا تم مجھ سے خفا ہو؟" محمد امیر نے کہا تھا۔

"نہیں۔" عائشہ گل نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر اتنی خاموش کیوں ہو۔"

"بس ایسے ہی۔" عائشہ گل نے کہا تھا۔

"پلیز ایسے مت کرو عائشہ گل۔ مجھے بہت پریشانی ہو رہی ہے۔" محمد امیر نے کہا تھا۔

"کیسے؟" اس نے محمد امیر کی جانب دیکھا تھا۔

"اتنی خاموش کیوں ہو؟"

"آپ نے ہی مجھے کہا تھا کہ خاموش ہو جاؤ۔"

"نہیں میں نے تمہیں خاموش ہونے کے لیے نہیں کہا۔" محمد امیر نے کہا تھا۔

"آپ نے کہا تھا بحث مت کرو۔ حالانکہ میں آپ سے بحث نہیں کر رہی تھی۔"

"اوہ! سوری۔" محمد امیر نے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

"غلطی ہو گئی مجھ سے۔ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ تم واقعی بہت اچھی ہو۔ تم بحث نہیں کرتی۔ نہ ہی کوئی لڑائی جھگڑا۔ تمام لڑکیوں اور عام بیویوں سے بہت مختلف ہو۔ اور اسی لیے میں نے تمہیں اپنے لائف پارٹنر کے طور پر چوز کیا ہے۔" محمد امیر نے کہا تھا۔

"آپ کو اپنی لائف پارٹنر میں جو خوبیاں چاہیے تھیں کیا وہ مجھ میں موجود ہیں۔" عائشہ گل نے استفسار کیا تھا۔

"ہاں اس سے بھی زیادہ۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے اتنی اچھی بیوی ملے گی۔" محمد امیر نے کہا تھا۔

"تو میرا بھی تو یہ حق بنتا ہے نا کہ وہ ساری خوبیاں جو میں اپنے لائف پارٹنر میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ میں ہوں۔" عائشہ گل نے کہا تھا۔

"تو کیا وہ خوبیاں جو مجھ میں نہیں ہیں۔" محمد امیر نے اس کی جانب استفہامیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"یہ واقعی بہت مزے کا ہے۔" محمد امیر دیکھ رہا تھا کہ وہ بات بدل گئی ہے۔ عائشہ گل نے کہا تو وہ اس کی بات پر مسکرا دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ مجھ میں کوئی بھی خوبی

نہیں ہے۔" محمد امیر نے خود ہی جواب دے دیا تھا۔

"ایسا نہیں ہوتا۔" عائشہ گل نے نفی میں سر ہلایا۔

ہر انسان خوبیوں اور خامیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ مگر کچھ خامیاں ایسی ہوتی ہیں۔ جو ہم میں بالکل نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ وہ ہمیں اللہ سے دور کرتی ہیں۔ ورنہ انسان تو خطا کا پتلا ہے۔ سب ہی خطائیں کرتے ہیں۔" عائشہ گل نے وضاحت کی۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" وہ اس موضوع پر اس سے بحث نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس کوئی نالج نہیں تھا۔

" کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جو متواتر کرنے سے ہمیں اللہ سے اتنا دور کر دیتے ہیں کہ پھر ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا۔ کہ ہم گناہوں کے دلدل میں پھنس رہے ہیں۔ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ کس راستے پر لگ گئے ہیں۔" محمد امیر بس اس کی جانب دیکھے گیا۔ اور عائشہ گل نے بھی جلدی بات کو سمیٹ دیا۔

"کس ٹائم ہماری فلائٹ ہے؟" محمد نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر موجود اذیت قدرے کم ہوئی ہے۔

"فلائٹ رات دو بجے ہے۔" محمد امیر نے بتایا۔

"اچھا۔" عائشہ گل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ساری پیکنگ وغیرہ تو ہو چکی ہے۔" عائشہ گل نے بتایا۔

"ہاں تم بہت سگھڑ ہو۔" محمد امیر نے کہا۔ تو عائشہ گل کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ یا نرم تاثر نہیں ابھرا تھا۔ اس کے دل میں کچھ زیادہ ہی پریشانی تھی۔ محمد امیر نے محسوس کیا۔

"پتہ نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"پتہ نہیں کی کیا بات ہے۔ میں کہہ رہا ہوں ناواقعی۔ تمہاری زندگی بہت مینجڈ اور پرسکون ہے۔ میں خوش قسمت ہوں مجھے تم جیسی بیوی ملی ہے۔" محمد امیر نے کہا تھا۔
"میری روٹین کچھ اس طرح سے ہے کہ کبھی کہیں تو کبھی کہیں۔ اور تمہارا ساتھ میرے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔" محمد امیر نے مزید کہا تھا۔
عائشہ گل نے اسے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ خاموش بیٹھی کھانے کی جانب متوجہ تھی۔ اور اس طرح کھانا کھا رہی تھی جیسے کہ اس وقت کھانا کھانا دنیا کا سب سے ضروری اور دلچسپ کام ہے۔ محمد امیر نے اسے ٹوکا نہیں تھا۔ وہ خود بہت بے رغبتی سے کھا رہا تھا۔ کیونکہ اسے کچھ خاص بھوک نہ تھی۔ اور پھر اسے بھوک جو تھوڑی بہت تھی وہ عائشہ گل کے اسے چھوڑ کر ہوٹل میں آ جانے اور پھر یہاں جو بات اس نے کی تھی۔ اس نے اڑا دی تھی۔ مگر وہ خود کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

✧✧✧

ہر انسان کی زندگی کا کوئی مقصد یا محور ہوتا ہے۔ کوئی ایک نقطہ جس کے گرد وہ گھومتا ہے۔ کوئی ایسی ہستی جس کی وجہ سے وہ اپنے صبح و شام کرتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ انسان سوشل اینیمل ہے۔ وہ انسانوں اور رشتوں سے جتنی مرضی تکلیفیں اٹھائیں۔ مگر وہ ان کے بغیر ابھی نہیں سکتا۔ اور یہ رشتے اگر انسان کو تکلیفیں دے کر کمزور کرتے ہیں۔ تو یہ اس کی طاقت بھی ہوا کرتے ہیں۔ اور علیزے تو اس معاملے میں بے انتہا بدقسمت تھی۔ اس نے جیسے ہی ہوش سنبھالا تو اپنے پاس رشتوں کی صورت میں صرف اپنی ماں کو پایا۔ اور وہ واحد رشتہ بھی اب اس سے دور ہو گیا تھا۔ اور ماما کی جدائی نے علیزے کے دل و دماغ پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔ وہ تنہا کچھ دن رہنے میں تو اور زیادہ ایموشنلی ویک ہو گئی تھی۔ وہ ہر وقت مما کو یاد کرتی اور روتی رہتی۔ اس پر مستزاد ان کی ڈائری اس کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ اور اس ڈائری میں ایسے انکشافات تھے۔ جس نے علیزے کو ہلا دیا تھا۔ اسے اس بات کا قلق تھا کہ ماما نے کبھی بھی اس کے پاس ان سب باتوں کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اور اینڈ پر انہوں نے جو چند باتیں اسے بتائی تو وہ بھی بہت ہی مناسب الفاظ میں۔
مگر حقیقت کیا تھی علیزے کو ماما کی ڈائری پڑھ کر معلوم ہوا تھا۔ اور تب سے اس کے دل میں بے حد بے چینی تھی۔ مگر پاپا اس دنیا سے جا چکی تھیں اور وہ کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔
ایما اسے زبردستی اپنے ساتھ لے کر تو جا رہی تھی۔ مگر علیزے کو کچھ ہوش کہاں تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟ کس کے ساتھ جا رہی ہے؟ اس کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ سب کچھ ایسے ذہن سے نکل گیا تھا۔ ہر وقت تو اسے یاد رہتا تو صرف یہ کہ اس کی ماما اس دنیا سے بہت بے بسی کی حالت میں گئی ہیں۔ وہ ان کا ٹریٹمنٹ نہیں کروا سکی تھی۔ ماما نے اس سے اپنی ہر تکلیف، ہر دکھ چھپایا تھا۔ حتیٰ کہ آخر میں اپنی بیماری بھی وہ اس سے چھپا گئی تھیں۔
"ماما یہ آپ نے کتنا ظلم کیا۔" علیزے نے دل ہی دل میں انہیں نے مخاطب کیا۔
"آپ مجھے بتاتی تو صحیح۔ میں آفس سے لون لے لیتی۔ میں کچھ بھی کر لیتی۔ مگر میں آپ کا ٹریٹمنٹ تو کرواتی۔" علیزے نے سوچا۔
"آہ! ماما میرے لیے سب کچھ ختم ہو گیا۔ میری زندگی ختم ہو گئی ہے۔" علیزے نے اپنا

ہاتھ سیٹ پر مارا۔ تو ایما کو محسوس ہوا کہ علیزے ڈسٹرب ہے۔ مگر ایمانے فی الوقت اسے اگنور کیا۔ کیونکہ وہ اس کی ذہنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ ایک تو ماں کی دائمی جدائی، اپنی زندگی کا واحد اور سب سے پیارا رشتہ کھو دیا۔ اور اس کے بعد اپنا گھر بھی چھوڑنا پڑا۔ یہ کوئی چھوٹا غم نہ تھا۔ مضبوط سے مضبوط اعصاب کا مالک انسان بھی ایسے وقت میں شدید توڑ پھوڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور پھر علیزے نازک جذبات رکھنے والی ایک نرم دل لڑکی تھی۔ ایسے میں اس کا یہ سب برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔

✧✧✧

فلائٹ کا ٹائم ہو گیا اور محمد امیر اور عائشہ گل ایئرپورٹ کی جانب رواں دواں تھے۔ دونوں آپس میں کوئی بات نہ کی تھی۔ عائشہ گل نے خاموشی سے اپنا سامان اٹھایا۔ اور دروازے کی جانب بڑھی۔ محمد امیر چند ثانیے اسے دیکھتا رہا۔ پھر آگے بڑھا اور اس کا ہینڈ کیری اس سے لے لیا۔

"لاؤ مجھے دے دو۔" محمد امیر نے کہا۔

"مجھے اپنا بوجھ اٹھانا آتا ہے۔" عائشہ گل نے کہا۔ تو محمد امیر شدید حیرت میں مبتلا اسے دیکھتا رہا۔

"تمہارا بوجھ اٹھانا میرا فرض ہے۔" محمد امیر ہے کہنے لگا تو عائشہ گل نے ایک گہری نظر کی جانب اُچھالی۔

"کچھ اور فرائض بھی ہیں۔" وہ کہنے لگی۔

"مثلاً۔۔۔" محمد امیر رُکا۔

"کچھ حقوق انسانوں کے ہوتے ہیں۔ اور کچھ اللہ کے۔ ہمیں وہ سب ادا کرنے چاہیے۔" محمد امیر نے نہ سمجھی کے عالم میں اس کی جانب دیکھا۔

"اللہ کے حقوق۔" اس نے دایاں ابرو چڑھا کر استفہامیہ انداز میں استفسار کیا۔ تو عائشہ گل اسے دیکھے گئی۔

"جی ہاں اللہ کے حقوق۔" وہ کہنے لگی۔

"مثلاً عائشہ گل۔" محمد امیر نے سوال کیا۔

"مثلاً نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، حج اور زکوۃ دینا۔ اللہ کے احکامات پر عمل کرنا۔۔ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنانا۔ اور حرام کردہ چیزوں کو چھوڑ دینا۔" عائشہ کو کہنے لگی تو محمد امیر سمجھ گیا کہ اب یہ دوبارہ پھر اسی موضوع کی جانب آ گئی ہے۔ وہ فلحال اس سے بحث کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اپنا اور اس کا بیگ اُٹھایا باہر کی جانب بڑھ گیا۔ عائشہ گل خاموشی سے اس کے ساتھ میں چلنے لگی۔ دونوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی تھی۔ ایئرپورٹ پر پہنچ کر بھی بورڈنگ وغیرہ سے فری ہو کر وہ لوگ فلائٹ کے منتظر تھے۔ فلائٹ اپنے ٹائم پر نکل گئی تھی۔ اور پھر کراچی ایئرپورٹ پر ماما ڈیڈی انہیں رسیو کرنے کے لیے موجود تھے۔

ڈیڈی نے محمد امیر کو گلے لگا لیا تھا۔ جبکہ ماما آگے بڑھ کر عائشہ گل سے ملنے لگی تھیں۔ اسے ڈھیر سارا پیار کرنے کے بعد اس کا حال احوال دریافت کیا تھا۔

"کیسا ٹرپ گزرا عائشہ گل۔" انہوں نے استفسار کیا۔

"جی الحمدللہ۔" عائشہ گل نے انکل کو سلام کیا تھا۔ اور انہوں نے سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

"کیسی ہو عائشہ گل؟" انہوں نے سوال کیا۔

"میں ٹھیک ہوں الحمدللہ۔"

اب ماما، محمد امیر کی جانب مڑی تھیں۔ وہ جس گرم جوشی سے اس سے مل رہی تھیں تو عائشہ گل کو اپنی امی یاد آگئی تھیں۔ مگر

میں دبائے وہ ان لوگوں کی ہمراہی میں چلتی ہوئی گاڑی کی جانب بڑھ گئی تھی۔ گاڑی گھر کی جانب رواں دواں تھی۔ گھر پہنچ کر وہ دونوں سیدھے اپنے روم میں آئے تھے۔ ماما نے ان کا سامان ان کے روم میں بھجوا دیا تھا۔

"آپ لوگ ریسٹ کریں گے یا کچھ چائے کافی وغیرہ۔" ماما نے دونوں کی طرف دیکھا تھا۔ تو محمد امیر، عائشہ گل کی جانب دیکھنے لگا۔

"تم بتادو عائشہ گل کیا چاہیے۔"

"خالہ جان مجھے ایک کپ چائے مل جائے گی۔" عائشہ گل نے کہا تو ماما نے محمد امیر کی جانب دیکھا۔

"اور تمہیں؟"

"مجھے بھی چائے دے دیں۔" محمد امیر کو عائشہ گل کا انداز اچھا نہیں لگا تھا۔ ماما چلی گئی تھیں۔ عائشہ گل پلٹ کر اپنا عبایا اتارنے لگی۔ اس نے اپنے بیگ میں سے دوپٹہ نکالا تھا۔

"تو اتنی جلدی تم مجھ سے الگ ہو رہی ہو۔" محمد امیر کے سوالیہ انداز پر وہ ناسمجھی کے عالم میں مڑی تھی۔

"جی کیا کہا۔" عائشہ گل دوپٹے سے بے نیاز سامان میں سے متلاشی نظروں سے اپنا دوپٹہ دیکھ رہی تھی۔

"کچھ بھی نہیں۔" محمد امیر نے کہا۔

"ایسے مت کیا کریں۔ جو بات ہوتی ہے اس کو واضح کیا کریں۔"

"ہاں ایسے ہی واضح جیسے تم نے مما کے سامنے واضح کہا ہے۔ مجھے چائے چاہیے۔ کیا تم یہ نہیں کہہ سکتی تھی۔ چلو خیر چھوڑو۔"

"کیا ہو گیا محمد امیر۔ میں نے ایسا تو کچھ بھی نہیں کہا۔ جس پر آپ یوں خفا ہو رہے ہیں۔"

"ہاں واقعی تم نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔ میں پاگل ہوں۔" وہ واپس پلٹ گیا۔ اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"استغفر اللہ میں نے ایسا کب کہا۔" وہ پریشان ہو کر اس کے قریب آئی تھی۔

"بتائیں تو سہی ہوا کیا ہے۔ میں نے کیا کہا ماما کے سامنے۔"

"تم یہ بھی تو کہہ سکتی تھی کہ ہمیں چائے دے دیں۔"

"میں نے تو اس لیے کہا تھا آپ چائے پسند نہیں کرتے۔"

"عائشہ گل میں اب پسند کرتا ہوں۔" محمد امیر نے کہا۔

"اوکے سوری۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں آئندہ خیال رکھوں گی۔" وہ فوراً اس کو منانے لگی تھی۔

"نہیں سوری کی بات نہیں ہے۔" وہ بھی فوراً مان گیا تھا۔

"آپ کو کچھ چاہیے سامان میں سے۔" عائشہ گل نے اس سے پوچھا۔

"نہیں مجھے تو کچھ بھی نہیں چاہیے۔ مجھے صرف تم چاہیے۔"

"الحمد للہ میں تو آپ کو مل گئی ہوں۔" وہ ہولے سے مسکرادی۔

"مگر کبھی کبھی ایسا لگتا ہے تو مکمل میری نہیں ہوئی۔" محمد امیر کہنے لگا۔

"اب اس بات کا کیا مطلب ہے؟" عائشہ گل نے استفہامیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"کبھی کبھی تم مجھ سے بہت دور چلی جاتی ہو عائشہ گل۔" محمد امیر کہنے لگا۔

"میں نا آپ سے دور ہوں۔ نا کبھی آپ سے دور ہونے کا سوچ سکتی ہوں۔ میرا سب

سے مضبوط، سب سے قریبی اور پیارا رشتہ آپ کے ساتھ ہے۔ بس میں اگر کبھی کوئی بات کرتی ہوں۔ تو آپ کی بھلائی کے لیے کرتی ہوں محمد امیر۔ آپ مجھ سے بدگمان مت ہوں۔"

"نہیں میں تم سے بدگمان نہیں ہوں۔ بس میں پریشان ہوں۔"

"کس بات پہ پریشان ہیں۔"

"عائشہ گل میں کبھی بھی تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ میں نے تمہارا ہاتھ عمر بھر کے لیے تھاما ہے۔ میں ہمیشہ تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔ جیسے بھی حالات ہوں۔"

"اور میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہی ہوں محمد امیر۔" عائشہ گل نے کہا۔

"ہاں مجھے کل یاد دلانا تمہارے ایڈمیشن فارمز لینے ہیں۔" محمد امیر نے کہا۔

"ہاں جی اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہوگا۔ آئی وِل بی رئیلی تھینک فل ٹو یو۔" اس کا ہاتھ تھام کر ممنونیت سے بولی۔

"نہیں شکریہ کی کوئی بات نہیں۔ میں تمہارا ہر شوق، ہر خواہش پوری کروں گا۔ میں تمہاری ہر خواہش کا احترام کرتا ہوں۔ میرے لیے تم سب سے زیادہ اہم ہو۔ ہر انسان، ہر رشتے سے زیادہ۔ تم جو کہو گی تمہیں وہ ملے گا۔ تم جو چاہو گی وہ ہوگا۔" محمد امیر نے کہا۔ اور عائشہ گل کا جی چاہا کہ وہ اسے کہے کہ میں جو چاہوں گی وہ سب تم نہیں کر سکتے۔ مگر وہ فی الوقت اس کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے خاموشی اختیار کی۔ اتنا اس نے دل میں تہیہ کیا تھا کہ محمد امیر کو گناہوں کی رستے سے ضرور ہٹائے گی جس پہ وہ چل رہا تھا۔ اور اس بات کا اس نے دل میں مستحکم ارادہ کیا ہوا تھا۔

✧✧✧

حسن فراز نے اپنی سی کوشش کر کے دیکھ لی تھی۔ مگر روما ان کی کوئی بات نہ مانتی تھی۔ وہ صبح ہوتے ہی گھر سے نکلتی اور شام کو واپس آتی۔ نہ جانے وہ کن دوستوں کے ساتھ گھومتی پھرتی رہتی تھی۔ یونیورسٹی جانا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ ہر کام، ہر مصروفیت اس نے ترک کر دی تھی۔ اگر اس کو کچھ کہا جاتا تو وہ غصے میں آجاتی تھی۔

"فار گاڈ سیک مام اینڈ۔ مجھے میری زندگی جینے دیں۔"

"تمہاری زندگی پر ہمارا حق بھی ہے۔"

"میری زندگی پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ جس کو میں نے حق دیا تھا۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا۔"

"تم نے اس کو کیوں حق دیا تھا ہم سے پوچھے بغیر۔" حسن فراز تھوڑا سا غصے میں آ گئے تھے۔

"تم جانتی ہو تم نے اپنے والدین کو کتنا پریشان کیا ہوا ہے۔" انہوں نے اس کے بگڑتے تیور دیکھ کر گویا فوراً ہی بات بدل لی تھی۔

"میں نے کسی کو کوئی پریشان نہیں کیا۔ البتہ مجھے سب نے مل کر بہت پریشان کیا ہے۔ بہت زیادہ تنگ کیا ہے۔ میں زندگی سے تنگ آتی جا رہی ہوں۔" روما کی بات سن کر اس کے والدین بے حد پریشان ہوئے تھے۔ وہ زندگی سے اچاٹ اور بیزار نظر آنے لگی تھی۔ اس نے زندگی کی رنگینیوں کو انجوائے کرنا چھوڑ دیا تھا۔

وہ دونوں بالکل بھی یہ امید نہیں کر رہے تھے۔ روما اس طرح سے محمد امیر کی شادی کو سیریس لے گی۔ اور ایسے وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو جائے گی۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ اور ان کی کل کائنات تھی۔ انہوں نے وہ جان سے زیادہ عزیز تھی۔ ایسے میں روما کا

یہ رویہ ان کے لیے بہت زیادہ پریشان کن تھا۔ مگر وہ کیا کرتے وہ ان کی کوئی بات سننے اور سمجھنے کو تیار نہ تھی۔ اور اپنے والدین کو پریشان کر کے بالکل مطمئن گھوم رہی تھی۔

"ایسا بھی کیا ہے محمد امیر میں روما۔ دنیا ایک شخص پر ختم نہیں ہو جاتی۔" اس کی مما نے کہا تھا۔

"آپ لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ میرے لیے دنیا محمد امیر پر ختم ہے۔" وہ کہہ کر اپنے روم کی جانب ہوئی تھی۔

❖❖❖

موسم نے انگڑائی لی تو درختوں نے زرد لباس اتار کر سبز ریشمی لباس اوڑھ لیا تھا۔ ہر طرف پھول اور رنگ جیسے بکھر سے گئے تھے۔ تمام مناظر بہار کی آمد آمد سے نکل گئے تھے۔ ایک موسم انسان کے آس پاس ہوتا ہے۔ اور ایک دل کا موسم ہوتا ہے۔ اور کچھ ایسا ہی عائشہ گل کے ساتھ بھی تھا۔ محمد امیر کا اس کی زندگی میں آنا اس کے لیے جہاں بہت خوش کن تھا۔ وہیں وہ جس راستے پر چل رہا تھا۔ وہ بھی عائشہ گل کے لیے پریشان کن تھا۔ وہ محمد امیر کو اس راستے سے روکنا چاہتی تھی۔ مگر اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ اس کے لیے بہت زیادہ دعا کیا کرتی تھی۔ اپنے خیالوں میں گم وہ بیٹھی تھی کہ ان کے لیے چائے آ گئی تھی۔ عائشہ گل نے کپ اٹھایا اور محمد امیر کو تھما دیا۔

"شکریہ!" محمد امیر مسکرا دیا اور عائشہ گل نے اپنا کپ پکڑ لیا۔ وہ دونوں چائے پینے لگے تھے۔ چائے پینے سے عائشہ گل کے اعصاب کو کسی حد تک سکون مل رہا تھا۔ اس نے پہلی دفعہ اتنا لمبا سفر اور وہ بھی پھر جہاز کا سفر کیا تھا۔ جس وجہ سے وہ کچھ زیادہ ہی تھک گئی تھی۔ اور پھر اس کے ساتھ ساتھ محمد امیر کے ساتھ ہونے والی بحث نے بھی اس کو پریشان کیا تھا۔ محمد امیر جس طرح سے یہ بات کرتا تھا کہ وہ میوزک کو نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ اس کے لیے خاصی پریشان کن تھی۔ مگر فی الوقت وہ کوئی بھی زیادہ بڑی بات نہیں کہنا چاہتی تھی۔ کیونکہ ابھی ان کی شادی کی ابتدا تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ بہت کچھ بدلے گا اور محمد امیر اس راستے سے ہٹ جائے گا۔ عائشہ گل کو یقین تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" محمد امیر نے استفہامیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"کچھ نہیں۔" عائشہ گل نے نفی میں سر ہلایا۔

"ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ کچھ بھی نہ سوچ رہی ہو۔ کچھ نہ کچھ تو سوچ رہی ہو گی۔"

"آپ کو کیا لگتا ہے۔" عائشہ گل نے الٹا سوال داغ دیا۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ تم یہ سوچ رہی ہو کہ ۔۔۔ چلو خیر چھوڑو۔" محمد نے اچانک ہی بات بدل دی اور عائشہ گل نے بھی اس سے سوال نہیں کیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر بات چلے گی۔ تو پھر بلا وجہ ان دونوں کا موڈ آف ہو گا۔ اس لیے فی الحال وہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"چائے کیسی ہے؟" محمد امیر نے سوال کیا۔

"بہت مزے کی ہے۔" عائشہ گل نے کہا۔

"دیکھو میں تمہاری خاطر چائے پینے لگا ہوں۔" محمد امیر نے جتایا۔

"بہت شکریہ۔" عائشہ گل نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں شکریہ کی کوئی بات نہیں۔ ایک دوسرے کے لیے کچھ چیزوں کو اپنا لینا اور کچھ چیزوں کو چھوڑ دینا ہی اچھا ہوتا ہے۔" محمد امیر نے کہا تو عائشہ گل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں نے تمہارے لیے کافی پینا بہت کم کر دیا۔ حالانکہ میں کافی بہت شوق سے پیا کرتا تھا۔" محمد امیر نے اس کو بتایا۔ عائشہ گل اس کی ذومعنی باتوں کے مفہوم ومقاصد بہت اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ مگر وہ اسے کوئی بھی جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس لیے وہ خاموش بیٹھی چائے کا ایک ایک گھونٹ اپنے اندر اتارتی رہی۔ اسے محمد امیر سے اختلاف کر کے اس کو خفا کرنا اور پھر اس کا موڈ خراب کر کے اسے چھڑانا نہیں تھا۔ اس لیے وہ اسے دھیرے دھیرے سے سیدھے رستے پر لانا چاہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی دھوری باتوں کا کوئی بھی جواب نہیں دے رہی تھی۔

"کیا کہتی ہو؟" محمد امیر نے اس سے جواب کے لیے آمادہ نہ ہوتے دیکھ کر استفسار کیا۔

"جی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" عائشہ گل نے کہا۔

"چلو شکر ہے تمہیں کچھ تو ٹھیک لگا۔"

"مجھے سب کچھ ہی ٹھیک لگتا ہے محمد امیر۔" عائشہ گل نے چائے کا کپ واپس ٹرے میں رکھا۔

"سب کچھ تو نہیں لگتا۔" محمد امیر تو گویا تیار بیٹھا تھا۔

"جو ٹھیک ہوتا ہے وہی ٹھیک لگتا ہے سب کو۔" عائشہ گل نے بھی جواب دیا۔

"ہاں اب تم صحیح کہہ رہی ہو۔" محمد امیر نے کہا۔

"تم کس سبجیکٹ میں داخلہ لینا چاہتی ہو۔" محمد امیر نے استفسار کیا۔

"فی الحال تو میں دیکھتی ہوں کہ میرے مارکس کیسے آئیں ہیں۔" اس کا رزلٹ آ گیا تھا۔ مگر اس نے ابھی تک چیک نہیں کیا تھا۔

محمد امیر سے باتیں کرتے کرتے کافی وقت گزر گیا۔ چائے ختم کر کے محمد امیر تو کچھ دیر کے لیے لیٹ گیا تھا۔ مگر عائشہ گل ابھی بیٹھی تھی۔ اسے اتنی آسانی سے نیند نہیں آنے والی تھی۔ یہاں واپس آتے ہی اسے بہت کچھ یاد آنے لگا تھا۔ اس کو امی کی یاد شدت سے آئی تھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ۔۔۔۔

✧✧✧

زندگی میں انسان جس مقام پر بھی پہنچ جائے اسے اپنا اصل ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔ اسے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ کہاں سے چلا ہے۔ اور کہاں پہنچ گیا ہے۔ کہیں پہنچ جانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ انسان اپنے اصل کو بھول جائے۔ اور جو انسان ایسا کرتا ہے تو وہ بہت نقصان اٹھاتا ہے۔ کامیابی اور ترقی کی سفر میں آگے سے آگے بڑھتے رہنے کی خواہش اور جستجو جب ہوس میں بدل جاتی ہے۔ اور انسان اپنا جینے کا مقصد، دنیا میں آنے کی اصل وجہ ہی فراموش کر بیٹھتا ہے۔ تو پھر وہ منہ کے بل گرتا ہے۔ اور بہت نقصان اٹھاتا ہے۔

کچھ ایسا ہی اس کے ساتھ بھی ہو رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھنے کے جستجو میں یہ بھلا دیا تھا کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا ہے؟ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ اس کا دنیا میں آنے کی اصل وجہ کیا ہے۔ اس کو اگر یاد تھا تو صرف ترقی کے اس سفر میں آگے سے آگے بڑھنا اور پھر خدا نے اس کو ایسی کامیابیاں دی تھیں۔ کہ اوپر سے اوپر چڑھتے ہوئے ایک کے بعد دوسری سیڑھی چڑھتے ہوئے ایسی دنیا میں آ گیا تھا۔ کہ اس کو یہ بھول گیا تھا کہ وہ کہاں سے چلا ہے۔ اس کے آس پاس ایسی دنیا تھی۔ ایسی خوبصورتی، روشنیاں، رنگ ونور پھول خوشبو

تھے کہ وہ اصل کو تو بھول ہی گیا تھا۔ اس کے ذہن سے سب کچھ محو ہو گیا تھا اس نے ہر چیز کو فراموش کر دیا تھا۔ اگر یاد تھا تو صرف یہ کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ اور اس بات نے اسے اتنا الجھا دیا تھا۔ اتنا محو کر دیا تھا کہ اس کے ذہن سے سب کچھ نکل گیا تھا۔ یہ دنیا ہی اتنی خوبصورت تھی۔ اس کی رنگینیاں، اس کی خوشبوئیں، اس کے رنگ ایسے چندیا دینی والی روشنیاں تھیں کہ اس کی آنکھیں خیرا کرتے ہوئے اس کو ایسی دنیا میں لے گئی تھیں کہ جہاں سے واپسی ممکن ہی نہ تھی۔ اور ایسی دنیا سے واپس بھلا جانا بھی کون چاہتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے بھی واپسی کا کبھی سوچا ہی نہ تھا۔ اور آگے سے آگے بڑھتے ہوئے اس نے یہ بھلا دیا تھا کہ اس نے اپنا سفر کہاں سے شروع کیا تھا۔ اور کدھر پہنچ گیا ہے۔

✧✧✧

ایما، علیزے کو اپنے گھر لے آئی تھی۔ اور اس نے علیزے کو گھر کا گیسٹ روم دے دیا تھا۔ علیزے روم میں آ گئی تھی۔ ایما نے اس کا بیگ بھی اس کے روم میں پہنچا دیا تھا۔ علیزے یہاں بالکل بھی کنفرٹیبل محسوس نہیں کر رہی تھی۔ لیکن کیا کرتی اس کی مجبوری تھی۔ زندگی نے اسے اس طرح سے اس کی دوست کی دہلیز پہ لا پھینکا تھا۔ کہ وہ ایسی بے بس اور مجبور ہو گئی کہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ ایما اس کو روم میں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ علیزے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی روم میں موجود بیڈ کے پاس پہنچی۔ اور بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔ اس نے طائرانہ نگاہوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرا تھا جو کہ اچھا سیٹ کیا گیا تھا۔ روم بہت سادہ سا تھا۔ مگر علیزے کو اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ روم سادہ ہے یا پُر نقش۔ اس کو تو بس رہنے کے لیے ایک چھت چاہیے تھی۔

یہ چھت اس کے پاس موجود تھی۔ مگر اس کا کوئی ساتھی تھا۔ کوئی ہمدرد و غم گسار جو اس کے اچھے بُرے وقت میں کام آتا۔ جو اس کے ساتھ ہوتا۔ جو تنہائی میں اس کا ساتھی بنتا۔ اور اسی لیے اس نے ایما کی پیش کش قبول کر لی تھی۔ کیوں کہ وہ خود بھی اپنے گھر میں اس قدر ڈپرسڈ تھی کہ اسے لگتا تھا کہ اسے کچھ ہو جائے گا۔ اور پھر جب ایما اپنے کزن کے ساتھ اسے لینے کے لیے آئی تو اس نے بغیر کسی پس و پیش کے اس کے ساتھ آنے میں ہی عافیت جانی۔ اور اس کے ساتھ اس کے گھر میں آ گئی۔

علیزے جس کی زندگی گھر میں ماما اور گھر سے نکل کر آفس اور آفس میں ایما تک محدود تھی۔ تو اب صرف ایما اور اس کے گھر تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ایسا تو اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ جیسے اس کے حالات ہو گئے تھے۔ وہ ایک خوددار اور اپنے حساب سے زندگی گزارنے والی لڑکی تھی۔ مگر اب وہ ایما پر ڈیپینڈنٹ ہو گئی تھی۔ مگر فی الحال وہ مجبور تھی۔ اس لیے وہ کچھ بھی نہ کر یا کہہ سکتی تھی۔ ابھی ماما کو دن ہی کتنے ہوئے تھے۔ ابھی تو اس میں خود سے قدم بھی بڑھانے کی سکت نہ تھی۔

اسے کافی دیر ہو گئی تھی۔ روم میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ اچانک روم کا دروازہ کھلا تھا۔ اور ایما اندر آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھا جو کہ اس نے آ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"ایزی ہو کر بیٹھ جاؤ علیزے۔" ایما نے اس کو یوں تکلف سے بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس کو کہا۔

"میں ٹھیک ہوں ایما۔" علیزے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"علیزے تمہیں خود کو سنبھالنا ہوگا۔" ایما نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اور اس کے ہاتھ کے پشت کو سہلایا۔

ہمدردی کے دو بول سن کر اور اس کے ہاتھ کے نرم لمس محسوس کر کے علیزے کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تمہیں زندگی کو آگے بڑھانا ہوگا۔ ہمت کرنی ہوگی۔ اگر ایسے روتی رہو گی۔ پریشانی ہوگی تو زندگی نہیں بڑھے گی۔"

"زندگی کو آگے کیسے بڑھاؤں ایما۔" علیزے نے اس کی جانب آنسو بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ماما کے بغیر کیسے رہوں گی۔ تم ہی بتاؤ مجھے۔"

"یہ مشکل ضرور ہے۔ مگر ناممکن نہیں ہے۔ دیکھو یہ قانونِ قدرت ہے۔ تم مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہو۔ ان باتوں، ان چیزوں کو۔ تم ایک بہت اچھی لڑکی ہو۔ سنبھالو خود کو۔" ایما نے یہ کہہ کر کپ میں چائے انڈیلی۔

"لو پہلے پانی پیو۔" اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر علیزے کی جانب بڑھایا۔ تو علیزے نے پانی ایک ہی سانس میں ختم کر لیا۔

ایما اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جس طریقے سے پانی پی رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ کوئی بہت لمبی مسافت طے کر کے آئی ہو۔ اور شاید ایسا ہی تھا۔ اس نے بہت لمبا سفر گزارا تھا۔ انجانے پن میں۔ بالکل اجنبی ہو کر اس نے اپنی ماں کے دکھوں کو، اس کی تنہائی جاننے کی کوشش ہی نہ کی تھی۔ اس نے کبھی اپنی ماں سے یہ سوال ہی نہیں کیا تھا۔ کہ وہ لوگ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اس کی ماں کا خاندان کدھر ہے؟ یا اس کے باپ کا خاندان کدھر ہے؟ اس نے کبھی بھی اس طرح کا کوئی سوال اپنی ماں سے نہیں کیا تھا۔ مگر اب اس کے اندر سوال سر اٹھانے لگے تھے۔ جب سے اس نے ماما کی ڈائری کو دیکھا تھا۔

"علیزے تم چائے پی کر تھوڑی دیر کے لیے ریسٹ کرو۔ پھر میں تمہارے پاس آؤں گی۔" ایما اس کو چائے کا کپ تھمایا۔ تو علیزے نے خاموشی سے کپ پکڑ لیا۔ اور گھونٹ گھونٹ چائے اپنے اندر اتارنے لگی۔ یہ چائے اس وقت جیسے اس کے تناؤ کا شکار اعصاب کے لیے سکون کا کام دے رہی تھی۔

علیزے نے چائے پی لی تھی۔ اور ایما نے کپ پکڑ کر ٹرے میں رکھا۔ ایما بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی رہی تھی۔ اپنا خالی کپ بھی اس نے ٹرے میں رکھا۔ اور ٹرے کو سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"اب تم لیٹ جاؤ۔" ایما نے علیزے سے کہا تو علیزے خاموشی سے لیٹ گئی۔ ایما نے اس کے اوپر بلینکٹ دے دیا تھا۔ علیزے نے آنکھیں موندلیں۔ اس کے پاس بیٹھ کر اس کے بالوں میں انگلیاں پھرنے لگی۔

"سو جاؤ میری بہن، میری پیاری دوست۔" ایما نے کہا تو علیزے آنکھیں موندے لیٹی رہی۔ ایما کافی دیر اس کے پاس بیٹھی رہی۔ جب اسے یقین ہو گیا علیزے سو گئی ہے۔ تو وہ ٹرے اٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔ دروازے سے نکل کر اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔

"یا اللہ میری دوست پر اپنا خاص کرم اور رحم فرمانا۔" ایما نے دل سے اپنے دوست کے لیے دعا کی تھی اور کچن کی جانب بڑھ گئی۔

✧✧✧

ازابیل کو ہوش آ گیا تھا۔ ہوش آتے ہی اس

نے خود کو ہسپتال کے بستر پر پایا۔اور پھر جب حسیات مکمل طور پر بیدار ہونے لگی تو اس نے آس پاس دیکھا۔اسے کہیں بھی اویس دکھائی نہ دیا۔

"اویس!" اس نے اویس کو آواز دی۔مگر وہ موجود نہ تھا۔

"اویس کہاں چلا گیا۔ وہ تو میرے پاس تھا۔" اس کا خیال آتے ہی وہ بیڈ سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔اور اسی لمحے ایک نرس تیزی سے اس کے قریب آئی تھی۔

"لیٹی رہیں آپ۔آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"اویس کہاں ہے؟" اس نے اویس کے متعلق استفسار کیا۔

"اویس کون؟"

"میرے ہزبینڈ۔" وہ مزید گویا ہوئی۔

"آپ کے ہزبینڈ۔۔۔اچھا وہ جو ویل چیئر پر تھے۔" نرس نے سوال کیا۔

"جی جی وہی۔" ازابیل کو تشویش لاحق ہوئی۔

"وہ تو۔۔۔" اتنا کہہ کر نرس خاموش ہوگئی۔

"کیا کیا وہ تو کیا۔۔۔جلدی بتائیں کیا ہوا ہے۔ٹھیک تو ہے ناوہ؟ کدھر ہیں پلیز مجھے جلدی بتائیں۔" ازابیل کو سخت پریشانی نے گھیر لیا تھا۔اور وہ اس سے بار بار سوال پہ سوال کر رہی تھی۔ مگر نرس بالکل خاموش کھڑی تھی۔توازابیل کو تشویش ہونے لگی۔

"کیا ہوا ہے میرے ہزبینڈ کو آپ بتاتی کیوں نہیں ہیں؟" ازابیل نے اس کو بازو سے پکڑ کر ہلایا۔

تو نرس نے اس کو جو بتایا اس انکشاف سے تو گویا چھت اس کے سر پر آن گری تھی۔

"آپ کے ہزبینڈ وہیل چیئر سمیت سیڑھیوں سے گرے ہیں۔" نرس نے بتایا تو ازابیل کے تو گویا ہوش اڑ گیا۔ وہ اٹھ کر اندھا دھند باہر کی جانب بھاگی تھی۔اسے کوئی سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کیا کرے کہاں جائے۔اور ایسا کرتے ہوئے وہ بالکل اپنے حواس کھو رہی تھی۔

"نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔اگر اویس سیڑھیوں سے گرا ہے تو۔۔۔" اس سے آگے تو وہ سوچنا بھی نہ چاہتی تھی۔اس نے نرس سے کچھ بھی نہ پوچھا تھا۔باہر نکل گئی تھی۔اور پاگلوں کی طرح ادھر ادھر اویس کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔اور بلآخر اسے اویس کا پتا چل گیا تھا۔وہ سیڑھیوں سے بہت بری طرح گرا تھا۔

"ڈاکٹر!" اس نے ڈاکٹر کو آواز دی تھی۔

"کیا ہوا ہے میرے ہزبینڈ کو؟"

"اس کے سر میں چوٹ آئی ہے۔"

"کیا زیادہ گہری چوٹ آئی ہے۔" ازابیل نے استفسار کیا تھا۔

"نہیں چوٹ گہری نہیں ہے۔ دراصل۔" ڈاکٹر نے اتنا کہہ کر چپ سادھ لی۔

"دراصل کیا ڈاکٹر؟ پلیز بتائیں مجھے۔ڈاکٹر آپ خاموش کیوں ہیں۔" ازابیل سوال پہ سوال کر رہی تھی۔مگر ڈاکٹر فی الحال اسے کوئی جواب نہ دے سکا تھا۔

"ابھی ہم آپ کو کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔"

"او مائی گاڈ! یہ کیا ہو گیا۔" ازابیل نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"یہ کیا ہو گیا اویس۔"

"ڈاکٹر کیا میں اویس سے مل سکتی ہوں" اس نے ڈاکٹر سے استفسار کیا۔

"نہیں ابھی نہیں۔"

اسے انتہائی نگداشت میں رکھا ہوا تھا۔اس

کے سر کی چوٹ بہت گہری تو نا تھی۔ مگر عجیب ضرور تھی۔ ڈاکٹرز اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہ کر پا رہے تھے۔ ازابیل پریشانی کے عالم میں باہر بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی نظریں بار بار آئی سی یو جانب اٹھتی تھیں۔ اسے کوئی کچھ بھی نہ بتا رہا تھا کہ اویس کی کنڈیشن کیا ہے۔ اس کا دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔

"اویس پلیز جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ میرا اب اس دنیا میں تمہارے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں کہاں جاؤں؟ کیا کروں اور میرا یہ بچہ۔۔۔"

اس کا ہاتھ اپنے پیٹ پر گیا تھا۔ اور اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔ مگر فوراً اس نے آنسوؤں کو اپنے اندر اتارا تھا۔

"مجھے کمزور لڑکی نہیں بننا۔ مجھے باہمت رہنا ہے کیونکہ اگر میں کمزور پڑ گئی تو اویس کو کون سنبھالے گا۔ جانے اس کی چوٹ کیسی ہے۔ اور اس کی حالت کیا ہوگی؟" اس خیال سے ہی وہ گھبرانے لگی تھی۔

تقریباً دو دن اویس بے ہوش رہا تھا۔ اور تیسرے دن ڈاکٹرز نے اسے بہت بری خبر سنائی تھی۔ اگر آج کے دن وہ ہوش میں نہ آیا تو قومے میں بھی جا سکتا ہے۔ اور ڈاکٹرز نے تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے تھے۔ وہ پریشانی کا عالم میں بے حال، تنہا، بے بس سی ہاسپٹل میں پاگلوں کی طرح ادھر سے ادھر چکراتی پھر رہی تھی۔ اسے نہ تو اپنے وجود کا کوئی ہوش تھا۔ نہ نیند اور آرام کا۔ نہ ہی اس نے اتنے دنوں سے کچھ کھایا تھا۔ اس کو بس ایک ہی فکر تھی کہ اویس جلد از جلد ٹھیک ہو جائے اور ہوش میں آ جائے۔ اس کے ہوش میں آنے کے بعد ہی وہ کچھ کھائے پیے گی۔ اور کچھ بھی اور کرے گی۔ مگر فی الحال نہ تو اسے آرام کی فکر تھی۔ نہ کھانے پینے کی۔ اور تیسرے دن کی شام کو اویس کو ہوش آ گیا تھا۔

"آپ کے پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے۔" ڈاکٹر نے اسے خوشخبری سنائی تھی۔ تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ وہ آئی سی یو کی جانب بڑھی تھی۔

"کیا میں اس سے مل سکتی ہوں۔"

"نہیں ابھی آپ نہیں مل سکتیں۔ آپ شام کو ملیں گی۔" ڈاکٹر نے اسے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" ازابیل نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ وہ ہوش میں آ گیا۔ ورنہ۔۔۔" اس سے آگے تو بس سوچنا بھی نہ چاہتی تھی۔ وہ بے چینی سے اویس سے ملنے کا انتظار کر رہی تھی۔ وقت تھا کہ کاٹے نہ کٹتا تھا۔ اور وہ بے چینی کے عالم میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔

◇◇◇

مراد جیسے پاگل ہو رہا تھا۔ عائشہ گل اس کے ہاتھوں سے کسی ایسی خوبصورت فاختہ کی طرح نکل گئی تھی۔ جو شکاری کے ہاتھ میں آنے کے بعد اچانک سے اڑ جاتی ہے۔ اور مراد بل کھا کر رہ گیا تھا۔

"میں تمہیں چھوڑوں گا تو نہیں لڑکی۔" وہ اس کے گھر آیا تھا۔ اور چیزوں کو توڑتا پھوڑتا ادھر ادھر کرتا وہ وہاں سے نکل گیا تھا۔

"تمہیں حاصل کر کے رہوں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" وہ خیالوں میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔ اور اس کے گھر سے نکل کر وہ پہاڑی چوٹی سے نیچے اترتا ہوا مختلف پگڈنڈیوں سے ہوتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔ جب ثانیہ نے اپنے گھر کی چھت سے مراد کو پگڈنڈیوں سے گھوم کر

جاتے ہوئے دیکھا۔تو اس نے عائشہ گل کا نمبر ملایا تھا۔مگر جواب نادار تھا۔

"یہ اب یہاں کیوں آیا ہے؟" ثانیہ نے دل میں سوچا۔

عائشہ گل کے یہاں سے جانے کے بعد ثانیہ کے بھائیوں نے اس کی پڑھائی بھی ختم کروادی تھی۔اور وہ اب گھر پر ہی ہوتی تھی۔وہ عائشہ گل کو بہت یاد کرتی تھی۔اور اس وقت کو بھی جب وہ دونوں مل کر کالج جایا کرتی تھیں۔عائشہ گل کے جانے سے اس کی پڑھائی تو بالکل ختم ہوگئی تھی۔البتہ اسے عائشہ گل نے فون پر اپنی گریجویشن کمپلیٹ ہونے کی خبر سنائی تھی۔تو ثانیہ نے اسے مبارک باد دی تھی۔

"بہت خوش ہوئی عائشہ باجی۔" ثانیہ نے اسے مبارک دی تو عائشہ گل نے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"تم نے پڑھائی کیوں چھوڑ دی۔"

"آپ جانتی ہیں نا۔میں آپ کو کیا کہا کرتی تھی۔" ثانیہ نے اسے یاد دلایا۔

"کیا؟" عائشہ گل نے جیسے ذہن پر زور دیا۔

"کہ میری پڑھائی تب تک ہے جب تک آپ میرے ساتھ ہیں۔"

"ثانیہ کوئی بھی انسان کوئی بھی کام کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔سب اللہ کے ہاتھ میں ہے تم اللہ سے دعا کرو اللہ تمہارے لیے کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا دے گا۔" عائشہ گل نے اسے تسلی دی تھی۔

"آپ کتنی اچھی ہیں عائشہ باجی۔" ثانیہ نے اسے کہا تھا۔

"میں واقعی اللہ سے دعا کروں گی اللہ میرے لیے کوئی سبب بنا دے۔" عائشہ گل کا خیال آتے ہی ثانیہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"عائشہ باجی کتنی اچھی ہیں۔" ثانیہ سوچنے لگی۔

"ان کا نام ذہن میں آتے ہی بہت نرم اور خوبصورت احساس ابھرتا ہے۔ہمدردی، پیار، خلوص، اچھے جذبات، نہ کسی کے لیے دل میں حسد اور بغض رکھتی ہیں۔نہ کسی سے جلتی ہیں۔نہ کسی سے کوئی مقابلہ لگاتی ہیں۔ہر ایک کے لیے خیر ہی خیر اور دل کتنا نرم ہے ان کا۔کتنی خاص ہیں وہ۔اللہ تعالی نے انہیں کتنا خاص بنایا ہے۔صاف شفاف طبیعت کی مالک اور خوبصورت بھی اتنی ہی زیادہ ہیں۔شاید انسان کے اندر کی خوبصورتی ہوتی ہے جو اس کے چہرے پر نظر آتی ہے۔اور وہی خوبصورتی عائشہ باجی کے چہرے پر نظر آتی ہے۔اللہ تعالی انہیں ہمیشہ اپنی حفظ و امان میں رکھے اور اس خبیث شخص سے بچا کر رکھے۔" ثانیہ نے دل ہی دل میں دعا کی۔

مراد اب نیچے اتر چکا تھا۔اور اب اپنی لینڈ کروزر میں بیٹھ کر جا رہا تھا۔لینڈ کروز زن سے اڑی تو ثانیہ نے سینے میں اٹکا ہوا سانس گویا بحال کیا۔اسے اس شخص سے بہت خوف آتا تھا۔یہ بہت عجیب تھا اور اسے یہ یاد ہے کہ عائشہ گل بھی اس سے بہت ڈرتی تھی۔

"اللہ تعالی آپ کو ہمیشہ اس شخص سے بچا کر رکھے عائشہ باجی۔" اس نے دل ہی دل میں دعا کی تھی۔اور چھت سے اتر کر نیچے آنے لگی۔

وادی پر اب شام بسیرہ کر رہی تھی۔دھوپ پہاڑوں سے اتر کر اب اپنا سفر تمام کر چکی تھی۔اور شام نے وادی پر اپنے پر پھیلا دیے تھے۔پہاڑوں پر بیٹھے چرند پرند بھی اب اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے۔کیونکہ شام ہوگئی

تھی۔ اور اسے بھی کھانا بنانے کے لیے امی کے ساتھ مدد کروانی تھی۔ اس لیے وہ سیڑھیاں اتر کر رہائشی حصے میں آ گئی تھی۔ اور دل ہی دل میں عائشہ گل کے ساتھ گزرا ہوا اپنا وقت یاد کر رہی تھی۔ اچھے دوست بھی کیا ہی زندگی کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ اس نے اداس سی شام کو گہری نظر سے دیکھا تو اسے شام کی آنکھیں بھی اداس دکھائی دیں۔

✧✧✧

علیزے کی آنکھ کھلی تو کمرے میں ملگجا اندھیرا سا پھیلا ہوا تھا۔ کچھ دیر تو اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ کہاں ہے۔ جب اسے سمجھ آیا۔ تو اس نے اپنے آس پاس دیکھا۔ اور چھت کو گھورنے لگی۔

"میں کہاں ہوں؟" خیال آتے ہی اس کے دل میں ٹھیسیں سے اٹھنے لگی تھیں۔

"ماما!" علیزے نے ماما کو آواز دی۔ لیکن ماما وہاں نہیں تھیں۔ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ اکیلی تھی۔ تنہا، اداس اور پریشان۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔

"میری زندگی کا کیا مقصد ہے؟ میں کس کے لیے جی رہی ہوں۔" اس کے دل نے اس سے سوال کیا تھا۔

"آہ! ماما آپ ایسی تو نہ تھیں آپ تو میرے لیے بہت فکر مند رہا کرتی تھیں۔ پھر آپ کہاں چلی گئیں مجھے چھوڑ کر۔" وہ مما سے سوال کرنے لگی۔ مگر وہ اس کا جواب دینے کے لیے وہاں موجود نہ تھیں۔ علیزے نے ٹھنڈی سانس بھری اور بیڈ سے پاؤں نیچے اتار دیئے۔ وہ روم سے باہر نہ جا سکتی تھی۔ کیونکہ ایما نے اسے گیسٹ روم ٹھہرایا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ وہاں پر ایک مہمان کے طور پر رہ رہی تھی۔ اور اسے یہ مناسب نہ لگا کہ وہ کمرے سے باہر جائے۔ اس لیے وہ اٹھ کر کھڑکی میں کھڑی ہو گئی۔ باہر رات خاصی گہری ہو رہی تھی۔ اس نے روم میں موجود وال کلاک کی جانب دیکھا تو رات کے ساڑھے کا وقت تھا۔

"اوہ! میں اتنا سوئی۔" علیزے نے سوچا۔

"تو کیا ایما سو گئی ہے۔" وہ مزید سوچنے لگی۔ اسے کچھ بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ اور ماما کے بعد یہ پہلی دفعہ ایسا ہوا تھا کہ وہ اتنا زیادہ سوئی تھی۔ اور پھر اٹھنے کے ساتھ ہی اسے بھوک بھی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ ایما کا انتظار کرنے لگی۔ لیکن ایما نہیں آئی تھی۔

"اب میں کیا کروں؟" وہ خود سے ہی سوال کر رہی تھی۔ کافی دیر انتظار کرنے کے بعد جب تقریباً ڈیڑھ پونے دو بجے کا وقت ہو گیا تو وہ بھوک اور پیاس کے ہاتھوں مجبور کر روم سے باہر نکلی تھی۔ اسے گھر کی لوکیشن کچھ بھی نہ پتہ تھا۔ وہ اس سے پہلے کبھی بھی ایما کے گھر نہ آئی تھی۔ اس کی زندگی کا مقصد اور محور صرف اس کی ماما اور اس کا گھر تھا۔ وہاں سے وہ کبھی بھی کسی فرینڈ وغیرہ کے گھر نہیں گئی تھی۔ بلکہ اس کی فرینڈ تو صرف ایما تھی۔ اور وہ اس کے گھر بھی نہیں آئی تھی۔ وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کدھر جائے کہ سامنے راہداری میں چل پڑی۔ اور سوچنے لگی کہ نہ جانے کچن کدھر ہے کہ اچانک اسے سامنے سے فارس آتا دکھائی دیا۔

"ہیلو!" فارس نے اسے دیکھ کر کہا۔ وہ خاموشی سے اس کو دیکھتی رہی۔ مگر کوئی جواب نہ دیا۔

"کچھ چاہیے آپ کو؟" وہ پوچھنے لگا۔

"جی مجھے۔۔۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

"جی۔جی کہیے۔"
"مجھے پیاس لگی ہے۔" اسے بھوک کا بتانے کی اس میں ہمت نہ ہو رہی تھی۔
"او کے ٹھیک ہے۔"
"ایما کہاں ہے؟" اس نے استفسار کیا۔
"وہ تو سو گئی ہے۔ میں آپ کو پانی دے دیتا ہوں۔ آپ جائیے میں آپ کے روم میں لا دیتا ہوں۔" فارس نے کہا۔
"نہیں نہیں۔ آپ مجھے بتا دیں کچن کدھر ہے۔" علیزے نے استفہامیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔
"آئیں میں آپ کو لے چلتا ہوں۔" فارس اسے کچن میں لے گیا تھا۔ علیزے کچن میں آئی تو فارس نے اسے پانی دیا۔
"کچھ کھائیں گی؟" فارس نے استفسار کیا۔
"نہیں۔" علیزے نے نفی میں سر ہلایا۔
"آپ نے تو رات کو کھانا بھی نہیں کھایا۔ ایسے ہی سو گئیں تھیں۔" فارس فریج کی جانب بڑھا۔ اور اس نے فریج میں سے کافی کچھ نکال لیا تھا۔ سینڈوچ اور نہ جانے کیا کچھ۔ وہ چیزیں گرم کر رہا تھا۔ ساتھ میں چائے بنا رہا تھا۔ علیزے حیران سی کھڑی تھی۔ اسے سمجھ نہ آرہا تھا کہ وہ فارس سے کیا کہے۔ مگر وہ اسے انکار بھی نہ کر سکتی تھی۔ اس لیے خاموشی سے ایک چیئر پر بیٹھ گئی۔ اور چائے بننے کا انتظار کرنے لگی۔

(باقی اگلے ماہ)

محمد امیر نے اس چیز کو اگنور کیا تھا۔
"سر!" ملازم نے محمد امیر کو ایک شاپنگ بیگ لا کر دیا تھا۔ اور محمد امیر نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ تو وہ چلا گیا۔ محمد امیر نے وہ شاپنگ بیگ صوفے پر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ ماما نے استفہامیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔
"یہ عائشہ گل کے ایڈمشن فارم ہیں۔" محمد امیر نے کہا۔
"اچھا واؤ۔ عائشہ گل ایڈمشن لے رہی ہے۔" ماما نے خوشی سے کہا۔
"ہاں۔" محمد امیر نے اثبات میں سر ہلایا۔
"لیکن بیٹا یونیورسٹی میں جانے کے لیے آپ کو خود کو تھوڑا مین ٹین کرنا پڑے گا۔ آپ ٹھیک ہیں۔ اچھی ہیں لیکن تھوڑی گرومنگ کی ضرورت ہے۔" حسین فراز نے اس کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"کیا مطلب انکل۔"
"یہی جس طرح سے آپ اتنا پردہ کرتی ہیں تو یونیورسٹی میں تو یہ نہیں چلے گا۔"
"انکل میں نے اپنی اب تک کی تعلیم اسی پردے کے ساتھ مکمل کی۔" عائشہ گل نے اطمینان سے جواب دیا۔
"چھوڑیں بھی نا ڈیڈی۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یونیورسٹی میں سب طرح کی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ اور عائشہ گل جیسی بھی ہے یہ بہت اچھی ہے۔" محمد نے کہا تو ڈیڈی خاموش ہو گئے۔
"میں نے تو آپ کے بھلے کے لیے کہا تھا۔ آپ کو پتا ہے اکثر پروفیسرز ایسے سٹوڈنٹس کے ساتھ عجیب سا رویہ روا رکھتے ہیں۔" ڈیڈی نے کہا۔
"میں پردہ اللہ کے لیے کرتی ہوں۔ اور اللہ

صراطِ مستقیم
صبغہ احمد

"بابا میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"
زیرک نوجوان نے التجائیہ کہا تھا۔"حاصل؟؟" جوگی نے زور سے بلکہ تقریباً چلا کر کہا۔ آس پاس بیٹھے مرید اور چند دیگر عامل جو آستانہ سجائے بیٹھے تھے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ جواباً خبیر نے بھی پر یقین لہجہ اپناتے ہوئے کہا،"ہاں بابا! میں اسے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔ میں نے اسے بچپن سے اپنے سامنے دیکھا ہے جیسے وہ میرے لیے لازم ہو۔ بس بابا آپ ایسا دم کر دیں کہ وہ مجھے چاہنے لگے۔ وہ گھر والوں کو میرے بارے میں انکار نہ کرے۔"بابا نے اس پر کچھ پڑھ کر پھونک دیا۔ اس نے بھی جیب سے ہزار ہزار کے نوٹ نکال کر سامنے پڑے ڈبے میں ڈال دیے اور مطمئن ہو کر اٹھ گیا۔"جا بچے! اللہ تجھ پر اپنا کرم کرے، وہ تجھے حاصل ہو۔" بابا نے اس کے الفاظ جیسے اسی کو واپس لوٹائے گویا باور کروا رہے ہوں، دیکھ! تو کیا بول گیا؟ مزار سے نکلتے ہی وہ سیاہ مرسیڈیز کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور اگنیشن میں چابی گھمانے لگا۔ گاڑی سیاہ تارکول کی سڑک پر دھواں اڑاتی مزار سے دور ہونے لگی۔ اس کے جاتے ہی ایک عامل، جوگی کے پاس آ بیٹھا اور رازداری سے پوچھنے لگا۔"کون تھا یہ بابا؟""تھا ایک ناسمجھ بالک کہتا ہے اسے حاصل کرے گا۔ ناسمجھ۔" بابا کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔

✦✦✦

"اُٹھ بھی چکو، اب تم بچی تو نہیں ہو۔ اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے کیسے گنواؤں۔ بھائی جی نے ہم پر شفقت کا ہاتھ رکھا ہے۔ تو اور کیا چاہتی ہے۔ بچپن سے تجھے پالا، تیری ہر خواہش پوری کی۔ اب ان کی باری آئی ہے تو تو نے نظریں پھیر لیں۔" زرینہ بیگم اسے اپنی اکلوتی بیٹی کو منا منا کر تھک گئی تھیں۔

تو کیا کروں امی؟ ان کے احسانوں تلے لگ جاؤں؟ انہیں سر پر بٹھا لوں کہ انہوں نے مجھ پر احسانِ عظیم کیا ہے۔"وہ کڑک کر بولی۔

"چپ کر جا۔ چپ کر جا۔ کوئی سن لے گا۔"
وہ دونوں اس وقت محلے کی عورتوں کی طرح لڑ رہی تھیں۔"اور کتنا ستائے گی تو اپنی ماں کو؟ پڑھا لکھا ہے۔ باشعور ہے، اپنا کماتا ہے، فرمانبردار لڑکا ہے۔ دیکھا نہیں کیسے باپ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ کوئی اور ہوتا تو ٹھک سے جواب دیتا کہ یتیم لڑکی میرے پلے باندھ دی۔ اب وہ اس کی خوبیاں گنوا کر دوسرا حربہ آزما رہی تھیں۔"

"ہاں، ہاں! کوئی اور کیوں ہوتا؟ یہ احسان صرف وہی کر سکتا ہے خبیر حارث علی۔" وہ ہاتھ نچا کر بولی۔"میں نے آپ سے کہہ دیا ہے امی! میں شادی صرف عمار سے کروں گی۔" آخری جملہ اس نے بڑے تحمل اور دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ جانے شرم تھی یا بغاوت وہ ماں کے سامنے ایسے ہی بول سکی۔ زرینہ بیگم نے ہاتھ ماتھے پر لے جا کر ایسے مارا جیسے قسمت کو کوس رہی ہوں۔

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ کیا ہے اس نشئی میں؟ کرتا کراتا کچھ ہے نہیں۔ اس کی ماں تجھے نوکرانی بنا دے گی۔ کیوں نہیں سمجھتی تو آتش! اس سارے میں انہوں نے پہلی بار اس کا نام لیا تھا۔" وہ لجاہت سے بولیں۔"نشئی" کا لفظ تھا یا انگارا، آتش کو اندر تک سلگا گیا۔"امی وہ نشہ نہیں کرتا اور اس کی ڈگری بھی مکمل ہونے والی ہے۔ آپ ایسا نہ کہیں امی، آپ۔۔۔۔"
وہ نمناک ہو گئی۔ مزید کچھ بول نہیں پائی بہت کچھ جو وہ بولنا چاہتی تھی کہ آگے لحاظ بھی

صفا اپنے مقابل کھڑی لڑکی کو نگاہوں سے ٹٹول رہی تھی۔ موازنہ اور رقابت آہستہ آہستہ اپنی جڑیں پھیلائے ہوئے صفا کے ذہن سے مُصطفیٰ کا تصور مٹائے جارہے تھے۔ صفا نے اپنی چاہ سے بسائے گھر کو ایک ترازو میں بدل دیا تھا۔ جہاں ایک پلڑے میں وہ خود تھی اور دوسرے میں اس نے اس لڑکی کو لا بٹھایا تھا۔ اپنے دلائل سے اپنے پلڑے کو وزنی کرتے ہوئے وہ بھول رہی تھی کہ ترازو کی رسی اس نے اس مرد کے گلے میں باندھ دی تھی جس سے محبت کے ان دونوں کے بلند و بانگ دعوے تھے۔

نئی نویلی دلہن کی بھری کلائیاں، چھلکتا دمکتا زرتار جوڑا اور جگمگاتے چہرے کو دیکھ کر صفا کو ناگواری محسوس ہوئی پھر جب اس کی نظر تمام بناؤ سنگھار کو ٹٹولتی اس کی آنکھوں پر آ کر ٹھہری تو وہ ٹھٹھک گئی۔ وہاں اس کا اپنا عکس تھا۔ اتنا اجنبی کہ وہ پہچان نہ پائی۔ اس عکس میں اس کا حال تو قید تھا ہی مگر اس سے کہیں نمایاں اس کا ماضی تھا جو آج اس پر نئے سرے سے عیاں ہوا تھا۔

✧✧✧

اسجد میں آپ کو کیا بتاؤں کہ میری کتنی بے عزتی ہوئی ہے؟ زرتشہ اپنی آپ بیتی فون پر اپنے جدہ بیٹھے شوہر کے گوش گزار کر رہی تھی۔ آواز غم میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس سے بولنا مشکل ہو گیا تھا۔

صفا کو امی نے اتنا کہا کہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لے مگر مجال ہے جو اس نے میری ماں کا مان رکھا ہو۔ صاف انکار کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

میں بات کروں گا صفا سے۔ تم پریشان مت ہو زری۔ اسجد سے زرتشہ کا دکھی لہجہ برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

اب کیا فائدہ۔ میری اور میری ماں کی تو بے عزتی ہو گئی نا۔ میری بھابی بھی آئی ہوئی تھیں۔ جاتے ہوئے کہنے لگیں۔ تمہاری ہمت ہے زری جو ایسی نند کو برداشت کر رہی ہو۔ توبہ تیور تو دیکھو۔

تم میری طرف سے امی سے معذرت کر لینا۔ اور کہہ دینا کہ صفا بھی معافی مانگنے آئے گی۔ اسجد نے بات کو سمیٹنا چاہا تو زرتشہ اور بپھر گئی۔

ہاں اب آپ اور میں ہی رہ گئے ہیں محترمہ کے کئے کا بھگتان بھگتنے کو۔ بھلے سے کماتی ہے مگر کونسا ہمارے اوپر خرچ کرتی ہے یا ہم اس کی کمائی کھاتے ہیں۔ کونسا کوئی بہت بڑی افسر لگی ہے جو اتنے نخرے ہیں۔ گورنمنٹ اسکول میں ہی تو ٹیچر ہے۔ اور ویسے بھی۔۔۔

دفعتاً گھر کی بیل ڈور بجی۔ زرتشہ اسجد کو خدا حافظ کہہ کر گیٹ کی سمت بڑھ گئی۔

✧✧✧

دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ صفا کا پور پور ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے بیگ سے چابی نکالی اور گیٹ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

زرتشہ بھابھی کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ غالباً وہ آرام کر رہی ہونگی۔ وہ دن کے کھانے کے بعد ضرور سوتی تھیں۔

صفا نے جلدی سے چینج کر کے کچن میں قدم رکھا۔ بھوک سے اس کا برا حال تھا۔ آئے دن کی اسکول ٹیچرز میٹنگ کی وجہ سے اسے روز دیر ہو ہی جاتی تھی۔ اس نے چنگیر کھولی تو اس پر روٹی کے ذرات اس کو منہ چڑا رہے تھے۔

اس نے فریج کھولا تو آٹا گوندھا ہوا نہیں تھا۔ اس پر ڈھیروں تھکن سوار ہو گئی۔

اس نے جلدی جلدی ایک چولہے پر توا

چڑھایا۔اور آٹا گوندھنے لگی۔ روٹی پکنے کے دوران اس نے شام کی چائے کی تیاری شروع کردی۔ روٹی کو اس نے اچار کے ساتھ کھایا۔ کیونکہ غالبا بھابھی نے دن کے وقت روز کی طرح باہر سے روٹی سالن منگایا تھا۔اب صفا ان تمام چیزوں کی عادی ہو چکی تھی۔ دوپہر کا کھانا صرف ان دنوں ہی گھر میں بنتا جب کوئی مہمان آیا ہوتا۔رات کے کھانے کی ذمہ داری صفا کی تھی۔عموماوہ رات میں سالن زیادہ بنالیتی اور آٹا بھی زیادہ گوندھ لیتی تاکہ اگلے دن بھی دوپہر کو کھانے میں مل جائے۔ مگر ایسا شاذونادر ہی ہوتا۔اس کے آنے تک فریج خالی ہو چکا ہوتا تھا اور پھر مجبورا اسے اچار کے ساتھ روٹی کھانا پڑتی۔

زری بھابھی اٹھ چکی تھیں۔ ارے صفا آگئیں آپ۔ بہت جلدی آگئیں آج تو۔ بھابھی کے طنز سے صفا کا دل رنجیدہ ہوگیا۔

جی بھابھی آج اسکول میں میٹنگ تھی تو میڈم نے روک لیا تھا۔آپ فریش ہوجائیں۔ میں بس چائے نکال ہی رہی ہوں۔ اس نے ماحول کو ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔

ہاں چلو تم چائے نکالو اور نمک پارے بھی بنالو۔ زرتشہ آرڈر پاس کرتی لاؤنج کی طرف نکل گئی۔

✧✧✧

آج بستر پر پہنچ کر بھی اسے ڈھیروں کام تھے۔رات کے ایک بج گئے تھے اور ابھی بھی بچوں کی کافی کاپیاں چیک کرنی باقی تھیں۔شام میں وہ بچوں کو گھر پر ٹیوشن پڑھاتی تھی۔ پھر رات کے کھانے کی تیاریوں میں وہ ایسا مصروف ہوئی کہ اب جا کر وقت ملا تھا۔دفعتا اس کا فون بجنے لگا۔اسجد بھائی کی کال تھی۔

اسلام وعلیکم بھائی۔ کیسے ہیں آپ؟ صفا کا دل بھائی کی محبت سے بھر گیا۔

صفا مجھے بہت دکھ دیا ہے تم نے۔اسجد کا لہجہ ناراضی سے بھرا ہوا تھا۔ صفا کا دل بھاری ہونے لگا۔

کیا ہوا بھائی سب ٹھیک ہے نا۔ مجھ سے کوئی بھول ہوئی ہے۔

تم نے زری اور اسکی امی کے ساتھ بدتمیزی کی۔اور وہ سمجھ گئی کہ ہوا کیا ہے۔ یہ تو اب ہر روز کا ہی معمول تھا بھابھی روز کسی نا کسی بات کو رائی کا پہاڑ بنا کر اسجد بھائی کے گوش گزار کرتیں اور ردعمل کے طور پر اسے بھائی کی سخت ست سننا پڑتی۔اب وہ لاکھ صفائیاں دیتی کہ اس نے کوئی بدتمیزی نہیں کی تھی مگر بھائی کو یقین نہیں کرنا تھا کہ جب بھابھی کی امی آئیں تھیں اسی نے کھانا بنایا تھا۔اسکول کی بہت کاپیاں چیک کرنے کو پڑی تھیں اس نے معذرت کرتے ہوئے اجازت چاہی تھی اور اس وقت تو بھابھی سمیت ان کی امی نے بھی خوش دلی سے اجازت دی تھی مگر پھر کیسے بات اس طرح بھائی تک پہنچی۔

اس نے اپنے طور پر بھائی کو صفائی پیش کردی مگر اسجد کچھ سننے کو تیار نہیں تھا۔

تم کل اسکول سے واپسی پر زری کی امی کی طرف ہوتے ہوئے آنا اور تم ان سے معافی مانگوں گی اپنے رویے کی۔اور اپنی بھابھی سے بھی معافی مانگو گی۔ بھائی لیکن۔ فون کٹ چکا تھا۔ اور اس کی بات ادھوری رہ چکی تھی۔ اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ پھنسا۔ آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے بہنے لگے۔ کاپیاں اس نے سائیڈ کیں اور لیٹ گئی۔

✧✧✧

یعقوب اور رملہ کی شادی ایک ایسا واقعہ تھا

جس پر کسی کو بھی یقین نہیں آتا تھا۔ رملہ ایک بہت امیر ماں باپ کی بگڑی ہوئی بیٹی تھی جبکہ یعقوب ان کا ڈرائیور تھا۔ رملہ کالج کے ایک لڑکے رابرٹ سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ جبکہ یہ بات اس کے والد کے لئے نا قابل برداشت تھی۔ کسی غیر مذہب میں شادی کر کے وہ اپنی دنیا و آخرت خراب نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے رملہ کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ان کے بے جا لاڈ پیار نے اسے بگاڑ دیا تھا۔ اب وہ چاہتی تھی کہ والد اس کی ہر بات کی طرح اس بات کو بھی مانے۔ حالات کچھ ایسے ہوئے کہ رملہ نے ضد میں آ کر کورٹ میرج کا فیصلہ کر لیا۔ وہ کسی صورت رابرٹ کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ شادی کی خبر اس کے والد کو پتہ چل گئی۔ انہوں نے عین موقع پر پہنچ کر نا صرف شادی کو رکوایا بلکہ رابرٹ کو بھی اغوا کے کیس میں گرفتار کروا دیا اور جذباتی بلیک میلنگ کے بعد رملہ کا نکاح اپنے ڈرائیور یعقوب سے کروا دیا۔ کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ کہیں رملہ کوئی اور انتہائی قدم نہ اٹھائے۔ وہ ہر صورت رملہ کو روکنا چاہتے تھے اسے اس بہت بڑے گناہ سے بچانا چاہتے تھے۔ موقع پر صرف یعقوب ہی موجود تھا جو ان کا بے حد وفادار اور پرانا ملازم تھا۔ رملہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر پاتی تھی۔ دو سال انہی حالات میں گزر گئے۔ رابرٹ رہا ہونے کے بعد ملک چھوڑ کر چلا گیا۔ رملہ اکیلی رہ گئی۔ والد کی طبیعت کی خرابی نے اس پر بہت برا اثر ڈالا۔ نتیجتاً وہ یعقوب کے ساتھ رخصت ہوگئی۔ اس کی زندگی دن بہ دن بہتر ہونے لگی۔ سب کچھ آہستہ آہستہ ٹھیک ہونے لگا۔ یعقوب ایک بہت اچھا شوہر ثابت ہوا تھا۔ اس کے مالی حالات بھی رملہ کے والد کے توسط سے ٹھیک ہونے لگے۔ ان کے گھر اسجد کی پیدائش نے مزید ان کے تعلقات کو نکھار دیا تھا۔ کہ دفعتاً ان کی زندگی میں بھونچال آ گیا۔ رابرٹ آسٹریلیا سے واپس آ گیا۔ اس نے رملہ سے ملنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ صفا ابھی بہت چھوٹی تھی۔ بالآخر رابرٹ کی کوششیں کامیاب ہوگئیں۔ اس نے رملہ کو بتایا کہ وہ کس طرح رملہ کے لئے تڑپتا رہا ہے۔ اور اس نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اب اسکا نام باقر ہے۔ رابرٹ کے اس حد درجہ التفات نے رملہ کو مزید اس کے قریب کر دیا۔ اس نے بنا سوچے سمجھے یعقوب سے خلا کے لئے کیس دائر کر دیا۔ یعقوب رملہ کی اس بے وفائی پر آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے رملہ کو طلاق دے دی اور گاؤں چلا گیا۔ رملہ کے والد کو جب تک یہ ساری صورتحال پتہ چلی تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ رملہ باقر سے شادی کر کے آسٹریلیا جا چکی تھی۔ بچے اس کے والد کی ذمہ داری بن گئے۔ ماں باپ کے دل ایک دوسرے کی نفرت میں بچوں سے بھی سخت ہو گئے۔

اسجد اور صفا نانا کے زیر سایہ پلنے لگے۔ نانا کی طبیعت کی وجہ سے ملازموں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ کمپنی دیوالیا ہوگئی۔ سب کچھ ختم ہوگیا۔ گھر کے حالات بہت بدحال ہو گئے۔ اسجد تعلیم مکمل کرتے ہی کام کے غرض سے جدہ چلا گیا۔ نانا کے گزرنے کے بعد صفا اکیلی رہ گئی۔ تبھی رشتہ داروں نے اسجد کی شادی کا مشورہ دینا شروع کر دیا۔ آخر کار تین سال بعد زرتشہ دلہن بن کر صفا اور اسجد کے گھر آ گئی۔ زرتشہ گھر بھر کر جہیز لائی اس لئے شروع سے صفا پر خوب رعب رکھتی۔ صفا کے بی ایڈ کا آخری سال تھا۔ صفا کی شخصیت کچھ ماں باپ کی وجہ سے دب کر رہ گئی۔ کچھ وہ فطرتاً بزدل تھی۔ زرتشہ کو لمحہ نا لگا صفا کی

فطرت کو پہچاننے میں اس نے صفا کو دبانا شروع کردیا۔ اور وہ دبتی چلی گئی۔ اسجد شادی کے بعد دوبارہ جدہ چلا گیا۔ اب صفا نے اسکول جوائن کرلیا تھا۔ وہ سکینڈری کو پڑھاتی تھی۔ زندگی کے روز و شب یوں ہی گزر رہے تھے۔

✧✧✧

آج جب صفا گھر آئی تو گھر میں تبسم آنٹی آئی ہوئی تھیں۔ وہ مہینے میں دو دفعہ ضرور آتی تھیں۔ وجہ ان کی نانا سے انسیت تھی۔ وہ صفا کے رشتے کے لئے بہت پریشان تھیں۔ وہ اب تک صفا کے لئے کئی رشتے لے کر آچکی تھیں مگر زرتشہ ہر رشتہ میں کوئی نا کوئی خامی نکال کر انکار کردیتی۔ زرتشہ بات آگے بڑھنے ہی نہیں دیتی تھی۔ یا تو لڑکے والوں کو آنے ہی نہیں دیتی یا پھر کسی چھوٹی بات کو جواز بنا کر انکار کردیتی اور اسجد کو جھوٹی سچی ملا کر سنادیتی۔

ارے صفا بیٹی آگئی تم۔ تبسم آنٹی نے اپنائیت سے پکارا۔

آنٹی سے ملنے کے بعد صفا وہیں بیٹھ گئی۔ زرتشہ صفا کو بیٹھتے دیکھ کر باہر نکل گئی۔

بٹیا آج میں تمہارے لئے رشتہ لے کر آئی ہوں۔ لڑکے کا اپنا گارمنٹس کا کاروبار ہے۔ کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ گھر بھی اپنا ہے۔ بھائی اوپر پورشن میں رہتا ہے اور نیچے لڑکا ماں باپ کے ساتھ رہتا ہے۔ آنٹی اسے تمام جزئیات تفصیل سے بتا رہی تھیں۔

صفا کے دل میں امید کے جگنو چمکنے لگے۔

مگر تیری بھابھی کہتی ہے کہ تو ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔ کیوں بیٹا۔ اٹھائیس سال کی تو ہوگئی ہے۔ اب تک تیری بھابھی تیرے کتنے رشتے ٹھکرا چکی ہے۔ اور اب یہ نیا قصہ۔ صفا کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ میں جانتی ہوں بٹیا۔ تو ایسی نہیں ہے۔ یہ تو اس عورت کا کیا دھرا ہے۔ اسجد سے تو میں خود بات کروں گی۔ غضب ہے بیوی کے آگے بہن نظر ہی نہیں آتی۔ بیوی جو سنائی ہے سب من و عن مانتا ہے۔ مگر اس بار میں رشتہ لے کر ضرور آؤنگی۔

صفا کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ اس کے دل پر اتنے زخم تھے مگر کوئی دوا کرنے والا نہیں تھا۔ بھائی تھا جو فون بھی کرتا تو بھابھی کی لگی لگائی کو بجھانے کو کرتا۔ اور اب وہ آنٹی سے کیا کہتی کہ اسے اب لگنے لگا ہے کہ بھابھی اس کی شادی کرنا ہی نہیں چاہتی۔ اس کی آدھی سے زیادہ تنخواہ بھابھی راشن بلز اور دیگر ضروریات کے نام پر لے لیتیں۔ اس کے پاس بس اتنے ہی پیسے بچتے کہ وہ مہینے میں ایک سوٹ بنا لیتی یا تھوڑی سیونگ کر سکتی۔

اسکول میں اس کی شادی کا موضوع بار بار اٹھایا جاتا۔ کئی نے اپنے بھائی دیور کے لئے رشتے بھی بھیجے مگر بھابھی نے صاف منع کردیا بلکہ بھائی کو فون کر کے ایسے ایسے الزام لگائے کہ اب وہ آگے سے خود کہہ دیتی کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔

✧✧✧

ارے خالہ جی آپ لیں نا کچھ۔ اچھا تو آپ کا وامق گارمنٹس کا کاروبار کرتا ہے۔ بھابھی کا لہجہ شیرینی میں تر تھا۔ صفا کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ بھابھی اتنے اچھے سے اس کے لئے آنے والے رشتے والوں سے بات کر رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے تیاری مکمل کی اور آخری بار آئینے میں خود کو دیکھا۔ وہ آج بہت اچھی طرح سے تیار ہوئی تھی۔ اس نے ٹرے سیٹ کی اور کمرے میں لے کر جانے لگی کہ اندر سے آنے والی آوازوں

نے اسے چونکا دیا۔ اسکے قدموں تلے زمین نکلنے لگی۔

جی خالہ بی اے کیا ہے انوشہ نے۔ کیا بتاؤں کتنی سگھڑ ہے میری بہن پورا گھر سنبھالا ہوا ہے اس نے۔ رنگ روپ دیکھ کر آپ فریفتہ ہو جائیں گی۔ بس کل ہی لے کر چلوں گی آپ کو امی کی طرف۔ بھابھی کی آواز دور تک اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

کہوں گی تو میں ہی بری بنوں گی مگر بھئی کسی کا گھر خراب کرنا بڑا گناہ کا کام ہے۔ کیا بتاؤں صفا کا۔ ہے تو نند مگر بہنوں سے بڑھ کر پیار کیا میں نے۔ مگر وہ الٹی کھوپڑی کی لڑکی ہے۔ نوکری کرتی ہے۔ اوپر سے مجال ہے گھر کا کوئی بھی کام کر لے۔ میں تو بھی بس اسجد کی محبت میں چپ رہتی ہوں۔ اٹھائیس کی ہوگئی ہے اور مت پوچھیں کس کس کو رشتے کے لئے گھر بھیج چکی ہے۔ میں تو شرم سے منہ چھپائے پھرتی ہوں۔

اب بھابھی اس کے ماں باپ کا قصہ کھول کر بیٹھ چکی تھیں۔۔ اس سے مزید سننا مشکل ہوگیا۔ اس نے کمرے میں خود کو بند کرلیا۔

✧✧✧

رو رو کر اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں۔ دل پھٹ چکا تھا۔ رات میں وہ کمرے سے باہر نکلی تو بھابھی ایک لمحے کو اسے دیکھ کر چونک گئیں۔ اس کی آنکھوں کی ڈوریں خون جیسی سرخ تھیں۔ صفا رات میں آلو کے پراٹھے بنالینا۔ آج میرا بھائی آئیگا۔ اسے بہت پسند ہیں۔ کہتی بھابھی وہاں سے نکل گئیں۔ وہ بے چارگی سے وہیں کھڑی کی کھڑی وہ گئی۔

کیا کوئی اتنا بے حس بھی ہوسکتا ہے جتنی بھابھی تھیں۔ انہیں میری آنکھیں نہیں دکھی۔ انہیں میرا دکھ نہیں محسوس ہوتا۔ میرے لئے آنے والا رشتہ اپنی بہن کے لئے۔ کیا انہیں خدا سے ڈر نہیں لگتا۔ وہ بس سوچ کر رہ گئی۔ چند دنوں بعد زرتشہ کی بہن کی شادی طے ہوگئی۔ اسی جگہ جہاں سے اس کے لئے رشتہ آیا تھا۔ اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ اب اسجد بھائی کچھ بھی کہیں مگر میں نہیں جاؤں گی۔ اس نے مصمم فیصلہ کرلیا۔

ایک سال گزر چکا تھا۔ احمد کی پیدائش گھر بھر کے لئے خوشیاں لے کر آئی تھی۔ صفا کی شادی کا قصہ اب پرانا ہو چکا تھا۔ تبسم خالہ بھی اب تھک کر بیٹھ چکی تھیں۔ اسجد غم روزگار میں مصروف تھا۔ زرتشہ بہت خوش تھی۔ اسکول میں اب وہ سینئر ٹیچرز میں شمار ہوتی۔ بھابھی سے بھی اب وہ کھنچی کھنچی رہتی۔ بس معمول کے کام کرتی اور کمرے میں چلی جاتی۔ البتہ احمد اسے بہت عزیز تھی۔ احمد ہو بہو زرتشہ پر گئی تھی۔ اسجد کا فون اٹھانا بھی اس نے بند کر دیا تھا۔ اب اسے اس دنیا سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

✧✧✧

انہی دنوں ایک بار پھر سے اسجد کا فون آیا۔ اسے پتہ نہیں کیا ہوا اس نے اس دفعہ فون اٹھالیا۔ شاید بھائی کی محبت عود کے آئی تھی۔ وہ بچپن سے بھائی کی محبت کی دعوادار تھی۔ مگر زرتشہ کے آنے کے بعد اس کی حیثیت نا ہونے کے برابر ہوگئی۔

صفا مجھے تم سے بہت اہم بات کرنی ہے۔ میرا جدہ میں ہی ایک دوست ہے انصر۔ اس کی فیملی وہیں پاکستان میں مقیم ہے۔ اس کے گھر والے انصر کے لئے لڑکی کی تلاش میں ہیں۔ اتفاقا انصر نے مجھ سے تمھارے حوالے سے بات کی اس کی فیملی کو جب تمہاری تصویر دکھائی تو انہیں تم بہت پسند آئی ہو۔ میں نے زری سے بھی

بات کرلی ہے۔ میں تمہیں انصر کی تصویر بھیج رہا ہوں۔ تم سوچ سمجھ کر بتانا مجھے۔ فون بند ہو چکا تھا۔ صفا جہاں تھی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

کیا یہ واقعی ہو رہا تھا۔ کیا بھائی نے وہی کہا تھا جو اس نے سنا۔ لیکن اچانک کیسے انہیں میرا خیال آیا۔ شاید احمد کی وجہ سے۔ آج خود بیٹی کے باپ بنے تو بہن یاد آ گئی۔ ساری دھند چھٹ گئی۔ انہیں یاد آ گیا کہ ایک کنواری بہن بھی ہے جو ان کی بیوی کے ظلم دو سال سے جھیل رہی ہے۔ دنیا کتنی خود غرض ہے۔ مگر دل ہی دل میں دوسری طرف بھائی پر پیار بھی آ رہا تھا۔ شاید اسی لئے کہتے ہیں کہ ہر چیز کا وقت متعین ہے۔ جب وقت ہو گا رب ناممکن بھی ممکن کر دیگا۔

✧✧✧

صفا کا نکاح انصر سے ہو گیا تھا۔ انصر اور صفا کی عمروں میں آٹھ سالوں کا فرق تھا۔ صفا اب اپنے گھر رخصت ہو گئی تھی۔ انصر بھی جدہ میں تھا۔ مگر صفا کے ساتھ انصر کی ماں بھی رہتی تھیں۔ اس کی زندگی یکدم بہت بدل گئی تھی۔ اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ بھابھی کا کھیل یوں بھی ختم ہو سکتا ہے۔ صفا کی شادی پر زرتشہ کا صدمے سے برا حال تھا۔ اس کی تمام کاوشیں ناکام ہو گئیں تھیں۔ ہر چال الٹ گئی تھی۔ جب رب چاہتا ہے چیزیں یوں ہی ہو جاتی ہیں۔ جیسے صفا کو انصر مل گیا تھا۔ کیونکہ اس کی شادی کا یہی وقت تھا تو اسی وقت پر ہوئی۔ جاب سے اس نے انصر کے کہنے پر ریزائن دے دیا۔ بے شمار مشکلوں کے بدلے میں اسے سر آنکھوں پر رکھنے والا شوہر اور پیار کرنے والی ساس مل گئیں۔ وہ جتنا شکر کرتی کم تھا۔ دو سال بس دو سال کا عرصہ تھا جو اس نے کانٹوں پر گزارا پھر زندگی اس کے لئے گلزار بن گئی۔ شیری کی پیدائش نے اس کی زندگی مکمل کر دی تھی۔

انہی دنوں اسے اپنی ماں کی طرف سے خط موصول ہوا۔ رملہ نے پہلی بار اس سے رابطہ کیا تھا۔

میرے پیارے بچوں اسجد اور صفا۔ کیسے ہو تم دونوں۔ میں آج تم سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ میں معافی کے قابل نہیں ہوں۔ میں نے ایک لاحاصل کے پیچھے اپنا سب کچھ تباہ کر ڈالا۔ آج میں تمہیں ساری حقیقت بتانا چاہتی ہوں۔ میں نے یعقوب سے شادی صرف اپنے بابا کی وجہ سے کی تھی۔ میری رابرٹ سے ملاقات کونونٹ کالج میں ہوئی تھی۔ دوستی کا ہاتھ اس نے میری طرف بڑھایا تھا۔ بس پھر ہماری دوستی بڑھتی ہی چلی گئی۔ جب میں نے بابا سے رابرٹ سے شادی کے متعلق بات کی تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئے۔ میں نے پہلی بار ان کا وہ روپ دیکھا تھا۔ انہوں نے آج تک میری کوئی بات نہیں ٹالی تھی۔ وہ میری ہر بات مانتے تھے۔ میں کیسے نہ باغی ہوتی۔ وہ مذہب کی بات کرتے تھے حالانکہ انہوں نے خود کبھی مجھے مذہب نہیں سکھایا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ میں گناہ کرنے جا رہی ہوں۔ مگر کبھی مجھے گناہ ثواب کا فرق نہیں بتایا تھا۔ میں نے بابا سے ضد باندھ لی تھی۔ میں نے اور رابرٹ نے کورٹ میرج کا فیصلہ کر لیا۔ مگر پتہ نہیں کیسے بابا کو پتہ چل گیا۔ وہ وہاں آ گئے۔ انہوں نے اسے کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ اور مجھے اموشنل بلیک میل کرنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں نے ان کی بات نہیں مانی تو وہ خود کو جان سے مار لیں گے۔ میں ڈر گئی تھی بیٹا۔ میں نے ان کے لئے یعقوب سے نکاح کر لیا۔ پھر رابرٹ جیل سے چھوٹ چکا تھا۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ ملک

چھوڑ کر جا چکا تھا۔ میں بہت روئی تڑپی۔ انہی دنوں بابا کو دل کا دورہ پڑا۔ انہوں نے اس دفعہ بھی مجھے بلیک میل کیا کم از کم مجھے ایسا ہی لگا۔ میں یعقوب کے ساتھ رخصت ہوگئی۔

یعقوب اچھا آدمی تھا۔ اس نے میری بہت پرواہ کی۔ میں روبرٹ کو بھول چکی تھی۔ یعقوب نے مجھے کبھی روبرٹ کا طعنہ نہیں دیا۔ میں دل ہی دل میں اس کی مشکور ہوتی۔ انہی دنوں گاؤں سے یعقوب کی چاچی آگئیں انہوں نے یعقوب سے کہا کہ وہ ان کی بیٹی کو اپنائے یا طلاق دے دے۔ اس دن مجھے پتہ چلا کہ مجھ سے پہلے یعقوب گاؤں میں شادی کر چکا تھا۔ یہ خبر مجھ پر بجلی بن کر گری تھی۔ یعقوب نے مجھ سے بہت معافیاں مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے گا۔ میں نے اس کا یقین کرلیا۔ میں نے اسجد اور تم میں خود کو مصروف کرلیا تھا۔ ہم ایک اچھی زندگی گزارنے لگے تھے۔ مگر ایک دن اچانک وہ آگیا۔ اس نے کہا کہ میں اس کے ساتھ آسٹریلیا چلوں۔ اس نے کہا کہ اس نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ وہ میری شادی پر بہت شاک تھا۔ وہ میرے لئے آیا تھا۔ اور پھر میں نے وہ فیصلہ کیا جس نے مجھے برباد کردیا۔ میں نے یعقوب کی پہلی شادی کو بنیاد بنا کر اس سے خلع کا مطالبہ کردیا۔ وہ مجھ پر بہت چلایا۔ اس نے پہلی بار مجھ پر ہاتھ اٹھایا اور جب اسے رابرٹ کا پتہ چلا تو اس نے غصے میں مجھے طلاق دے دی اور گاؤں چلا گیا۔

رابرٹ باقر اور میں نے اپنی زندگی کا نئے سرے سے آغاز تو کیا مگر ہم نے اپنی زندگی تین زندگیوں کو اجاڑ کر آباد کرنا چاہی۔ رابرٹ اپنے مام ڈیڈ کی مرضی کے خلاف مجھے لایا تھا۔ اس نے انہیں اپنی مذہب تبدیلی کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ بہت جلد ہماری زندگیوں میں زہر گھلتا گیا۔ اس کی مام مجھے ایک نظر برداشت نہیں کرسکتیں۔ اور رابرٹ نے چند ماہ میں اپنی مام کے کہنے پر مجھے چھوڑ دیا۔ میں تب سے ایک این جیو کے ساتھ ہوں جو عورتوں کے لئے کام کرتی ہے۔ میں نے بابا سے بہت معافیاں مانگیں۔ ان کو کہا میں واپس آنا چاہتی ہوں مگر انہوں نے صاف انکار کردیا۔ انہوں نے مجھ سے ہر تعلق کو توڑ دیا۔ پھر میں نے یعقوب سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ تو اپنی پہلی بیوی کے ساتھ اپنی زندگی میں بہت مگن تھا۔ اس نے میرا فون اٹھانے پر مجھے پہچاننے سے انکار کردیا۔ اس کے بعد سے میں نے اسجد اور تمھارے بارے میں پتا رکھنا شروع کردیا۔ اور آج اتنے سالوں بعد میں جب ایک اولڈ ہوم میں برے حالوں میں ہوں تب خود میں ہمت جمع کر کے میں اسجد اور تمہیں یہ خط لکھ رہی ہوں۔ مجھے معاف کردو میرے بچوں۔ میں نے سب کھو دیا ایک خواہش کے پیچھے۔ معاف کردو مجھے۔

فقط

تمھاری ماں رملہ

صفا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ وہ تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔ آج ایک بہت بڑا راز اس پر کھلا تھا۔ وہ کیسے اپنی ماں کے لئے نہیں روتی جبکہ اصل برا تو اس کے ساتھ ہوا تھا۔ اس کی ماں نے یقینا ایک خط اسجد کو بھی بھیجا ہوگا۔ اس نے فورا اسجد کو کال ملائی۔

بھائی امی؟ اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ہاں صفا۔ مگر تم فکر مت کرو۔ میں نے خط کے ایڈریس سے ان کا پتہ لگا لیا ہے۔ میں کل ہی انہیں لینے جاؤ نگا اور انہیں اپنے ساتھ رکھوں

گا۔تم فکر مت کرو۔اسجد کا لہجہ بھی آنسوؤں سے تر تھا۔

اسجد کے آسٹریلیا پہنچنے پر اسے پتا چلا کہ رملہ اس اولڈ ہوم کو چھوڑ کر دو دن پہلے جا چکی تھی شاید اسے امید تھی کہ اسجد یا صفا اس سے ملنے ضرور آئینگے اور وہ ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔صفا اور اسجد ایک بار پھر اپنی ماں سے دور ہو گئے تھے۔

✧✧✧

سال ہوا کے ساتھ پر لگا کر اڑنے لگے۔ سب اپنی زندگیوں میں مگن تھے۔صفا نے اپنے بیٹے شیری کو پڑھنے امریکہ بھیج دیا تھا۔وہ اس کے لئے سب کچھ بہترین چاہتی تھی۔شیری احمد سے ایک سال چھوٹا تھا۔مزاج کے معاملے میں وہ صفا پر پڑی تھی۔زرتشہ اب بہت بیمار رہنے لگی تھی۔پتہ نہیں اسے کیا بیماری ہو گئی تھی۔وہ ڈھیروں ٹیسٹ کرا چکی تھی مگر ڈاکٹر صحیح تشخیص کر ہی نہیں پارہے تھے۔بیماری کا پتہ چلتا تو علاج ہوتا مگر وہ تو ایک لٹکتی جھولتی تلوار جیسی زندگی گزار رہی تھی۔ وہ سارا دن ساری رات بے چین رہتی۔اسجد کا اقامہ ایکسپائر ہو گیا تھا اس لئے وہ پاکستان نہیں آسکتا تھا۔

ان تمام صورتحال میں احمد کملا کر رہ گئی تھی۔ وہ گھر کے تمام کام کرتی۔ پڑھنے بھی جاتی۔کچھ عرصے میں وہ اٹھارہ سال کی عمر میں چالیس سال کی لگنے لگی تھی۔

زرتشہ کو اپنی بیماری میں سب سے زیادہ فکر احمد کی رہتی تھی۔وہ چاہتی تھی اس کی بیٹی شہزادیوں جیسی زندگی گزارے مگر چاہتے ہوئے بھی ایسا ہو نہیں پا رہا تھا۔وہ ہر صورت احمد کو خوش دیکھنا چاہتی تھی مگر وہ یہ دیکھ رہی تھی احمد دن بہ دن ڈھلکنے لگی تھی۔وہ سارا سارا دن گھر کے کام کرتی۔ پڑھائی کرتی۔اور پھر زرتشہ کی خدمت میں جت جاتی۔

اچانک زرتشہ کو احمد کی شادی کا خیال آیا۔ کیوں نا وہ احمد کی شادی کر دے۔وہ اپنی بیٹی کو یوں خوار ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔اس نے اسجد سے بات کی۔اسجد جو زری کی بیماری کے علاج کے لئے اسکا جدہ کا ویزا بنانے میں مصروف تھا۔ زری کی بات سن کر چونک گیا۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے زری؟ وہ ابھی صرف اٹھارہ سال کی ہے انٹر کر رہی ہے۔

نہیں اسجد آپ نہیں جانتے۔ آپ یہاں رہتے تو دیکھتے میری بچی کملا کر رہ گئی ہے۔سارا سارا دن چاکری کرتی ہے میں اپنی بچی کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں جو مجھ بیمار کے ساتھ رہ کر اسے نہیں مل سکتی۔وہ بات کرتے ہوئے رو پڑی تھی۔حالات نے اس کے سارے کس بل نکال دئے تھے۔اسے اپنے صفا پر کئے ظلم یاد آتے تھے۔اسے لگتا یہ سب اس کو مکافات کی صورت ملا ہے۔اس نے صفا کی زندگی کے ساتھ کھیلا تھا اب خود بخود اس کی بیٹی اس چکی میں پس رہی تھی۔وہ چاہ کر بھی صفا سے مانگ نہیں پاتی تھی۔

تم ٹھیک ہو جاؤ گی زری۔ سب صحیح ہو جائیگا۔ابھی بہت چھوٹی ہے احمد۔چھوٹی عمر کی شادیاں بہت نقصان دیتی ہیں۔ اسجد کسی بھی طرح زری کو سمجھانا چاہتا تھا۔

نہیں اسجد میں ٹھیک نہیں ہوں گی اور اگر آپ نے میری بات نہیں مانی تو میں علاج کے لئے جدہ بھی نہیں آؤں گی۔ وہ ٹھوس لہجے میں بولی تو اسجد چپ ہو گیا۔

اچھا اگر میں تمھاری بات مان بھی لیتا ہوں تو کون ہے جو اس سے شادی کرے گا تو اس کا خیال بھی رکھے گا۔اس کی چھوٹی عمر کی لاج بھی

رکھے گا۔ اس پر سسرال کے ظلم نہیں ڈھائے گا۔ اسے کوئی پریشانی نہیں ہونے دیگا۔ وہ دلیل سے زری کو سمجھانا چاہتا تھا۔

آپ صفا سے بات کریں نا شیری کے لئے۔ الفاظ تھے یا بم تھا جو زرتشہ نے پھوڑا تھا۔

کیا؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے زری۔ تمہیں پتہ بھی ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ احمد اور شیری۔

ہاں اسجد میں مانتی ہوں شیری ایک سال چھوٹا ہے احمد سے اور وہ پڑھنے گیا ہے ابھی بہت چھوٹا ہے مگر صفا پھوپھو ہے وہ ہی ہے جو احمد کا ماں جیسا خیال رکھے گی۔ اس کی قدر کرے گی۔

اسجد سوچ میں پڑ گیا تھا۔ وہ زری کی ذہنی حالت سے بخوبی واقف تھا وہ اسے دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔

ٹھیک ہے میں صفا سے بات کر کے دیکھوں گا۔ اس نے بات ختم کر کے فون رکھ دیا۔

✧✧✧

جی بھائی بولیں۔ آپ کو کیا بات کرنی ہے۔ صفا کے اندر بڑھتی عمر نے خوشگوار تبدیلی ڈالی تھی۔

صفا وہ میں کیسے کہوں۔ اسجد ہچکچا رہا تھا۔

بھائی کہیں کیا بات ہے۔

صفا میں تم سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں۔ اسجد نے لہجہ التجائیہ بنا لیا۔

کیسی باتیں کر رہے ہیں بھائی۔ جو میرا ہے وہ آپکا بھی ہے۔ بولیں۔ صفا کے اندر کوئی ناگہانی گھنٹی بجنے لگی۔

تم شیری کی شادی احمد سے کر دو۔ زمین پھٹی۔ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوا۔ صفا کے ہاتھ سے فون پھسل کر گر گیا۔

ہیلو۔ صفا۔ صفا۔ فون پر بھائی کی آواز آ رہی تھی۔

اور صفا کے دماغ میں ماضی ایک فلم کی طرح چل رہا تھا۔

”صفا کو امی نے اتنا کہا کہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لے مگر مجال ہے جو اس نے میری ماں کا مان رکھا ہو۔ صاف انکار کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔ کہیں سے زرتشہ کی آواز گونج رہی تھی۔“

”ارے صفا آ گئیں آپ۔ بہت جلدی آ گئیں آج تو۔“

”تم کل اسکول سے واپسی پر زری کی امی کی طرف ہوتے ہوئے آنا اور تم ان سے معافی مانگوں گی اپنے رویے کی۔ اور اپنی بھابھی سے بھی معافی مانگو گی۔ اسجد کی آواز ہتھوڑے برسا رہی تھی۔“

”کہوں گی تو میں ہی بری بنوں گی مگر بھئی کسی کا گھر خراب کرنا بڑے گناہ کا کام ہے۔ کیا بتاؤں صفا کا۔ ہے تو نند مگر بہنوں سے بڑھ کر پیار کیا میں نے۔ مگر وہ الٹی کھوپڑی کی لڑکی ہے۔ نوکری کرتی ہے۔ اوپر سے مجال ہے گھر کا کوئی بھی کام کر لے۔ میں بھی بس اسجد کی محبت میں چپ رہتی ہوں۔ اٹھائیس کی ہو گئی ہے اور مت پوچھیں کس کس کو رشتے کے لئے گھر بھیج چکی ہے۔ میں تو شرم سے منہ چھپائے پھرتی ہوں۔ بس خالہ کہتی ہے شادی نہیں کرنی۔ توبہ ہے بھئی۔ زری کی آواز پھر گونجنے لگی۔“

دفعتاً ساری آوازیں آپس میں مل گئیں اور اس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔ اس کے آنکھوں کے آگے زرتشہ کے سارے ظلم گھومنے لگے۔

وہ فون کی آواز پر جھٹکے سے حال میں واپس آئی۔

صفا نے گرے ہوئے فون کو اٹھایا۔ جی بھائی۔

صفا کی فون پر دوبارہ آواز سن کر اسجد کی

جان میں جان آئی۔

ٹھیک ہے بھائی۔ آپ نکاح کی تیاری کریں۔ میں شیری کو بلاتی ہوں۔

کیا۔ سچ۔ اسجد دم بخود رہ گیا۔ وہ مان گئی صفا مان گئی اتنی جلدی۔ بنا کچھ کہے۔ بنا کچھ بولے۔ فون بند ہو چکا تھا۔

✧✧✧

صفا اپنے مقابل کھڑی لڑکی کو نگاہوں سے ٹٹول رہی تھی۔ موازنہ اور رقابت آہستہ آہستہ اپنی جڑیں پھیلائے ہوئے صفا کے ذہن سے منصفی کا تصور مٹائے جا رہے تھے۔ صفا نے اپنی چاہ سے بسائے گھر کو ایک ترازو میں بدل دیا تھا۔ جہاں ایک پلڑے میں وہ خود تھی اور دوسرے میں اس نے اس لڑکی کو لا بٹھایا تھا۔ اپنے دلائل سے اپنے پلڑے کو وزنی کرتے ہوئے وہ بھول رہی تھی کہ ترازو کی رسی اس نے اس مرد کے گلے میں باندھ دی تھی جس سے محبت کے ان دونوں کے بلند و بانگ دعوے تھے۔

نئی نویلی دلہن کی بھری کلائیاں، چھلکتا دمکتا زرتار جوڑا اور جگمگاتے چہرے کو دیکھ کر صفا کو ناگواری محسوس ہوئی پھر جب اس کی نظر تمام بناؤ سنگھار کو ٹٹولتی اس کی آنکھوں پر آ کر ٹھہری تو وہ ٹھٹھک گئی۔ وہاں اس کا اپنا عکس تھا۔ اتنا اجنبی کہ وہ پہچان نہ پائی۔ اس عکس میں اس کا حال تو قید تھا ہی مگر اس سے کہیں نمایاں اس کا ماضی تھا جو آج اس پر نئے سرے سے عیاں ہوا تھا۔

اس لڑکی کی شکل ہو بہو زرتشہ جیسی تھی۔ صفا کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ مگر اس کی آنکھوں کی لال ڈوریں اسے اس کے ماضی کی یاد دلا گئیں۔ سالوں پہلے اس کی آنکھوں میں بھی ویسی ہی تھکن تھی جیسی اس وقت اس لڑکی کی آنکھوں میں تھی۔ وہی آنکھوں کی سرخ ڈوریں۔ روئی روئی سی آنکھیں۔ ویسا ہی تذبذب کا شکار سراپا۔ اس نے دفعتاً اس لڑکی کو گلے سے لگا لیا۔

میری گڑیا۔ میری چندا احمد۔ ڈرو نہیں گھبراؤ نہیں۔ تم اپنی پھوپھو کے گھر ہو۔ چلو چل کر آرام کر لو۔ شادی کے جھمیلوں میں تم تھک گئی ہو گی۔ وہ احمد کو کمرے میں لے کر چلی گئی۔

کہتے ہیں ظلم اور تکبر کی سزا دنیا ہی میں ملتی ہے۔ وقت نے کیسے احمد کو صفا کے سامنے لا کھڑا کیا تھا بالکل اسی طرح جس طرح کبھی صفا زرتشہ کے سامنے کھڑی تھی۔ مگر فرق صرف بات سمجھنے کا تھا۔ زرتشہ نے موقع ملنے پر خود کو ایک اونچے منصب پر لا بٹھایا تھا۔ جہاں وہ حاکم تھی اور صفا رعایا۔ اس نے خود کو مختار سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ اصل مختار کل تو وہ ذات ہے جس کے قبضے میں ہماری جان ہے۔ یہ تو زرتشہ کی آزمائش تھی اس کے ظرف کا امتحان تھا جس میں اس نے بری طرح مات کھائی تھی۔ ہوا تو وہی جو رب کا فیصلہ تھا۔ صفا کی شادی اعلیٰ جگہ ہوئی۔ اسے بہترین شوہر اور سسرال ملا، لائق اولاد ملی۔ مگر زرتشہ کے ہاتھ سب کچھ پا کر بھی خالی رہ گئے۔ انسان اپنے ہر عمل کے لیے آزمایا جا رہا ہے۔ سالوں بعد یہی موقع مکافات بن کر صفا کو ملا۔ اب اس کی آزمائش تھی اس کے ظرف کا امتحان تھا۔ مگر اس نے وہ نہیں کیا جو اس کے ساتھ ہوا تھا۔ اس نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے احمد کو گلے لگا لیا اور آزمائش پر پوری اتر گئی۔ آزمائش کا سفر جو صفا سے شروع ہوا تھا وہ احمد پر تمام ہو گیا۔

✧✧✧

آئزہ احمد

شام کا وقت تھا گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر شازیہ اپنے کمرے میں بیٹھی اپنے افسانے کا سب سے اہم منظر قلم بند کرنے میں گم تھی۔ شازیہ کو ایک ہی وقت ملتا تھا اپنا افسانہ لکھنے کے لیے۔ صبح وہ اسکول جاتی کیونکہ وہ ایک ٹیچر تھی اور دوپہر کو گھر کے کام دیکھتی اور شام کو فارغ ہوتی تو یہی وقت ملتا اسے کہ وہ اپنا افسانہ مکمل کرتی۔ لکھتے لکھتے اسے احساس ہی نہ ہوا کہ اس کا موبائل وائبریٹ کر رہا تھا؛ جہاں کسی کی کال آ رہی تھی وہ تو لکھنے میں کھو چکی تھی جہاں آخر کار مرکزی کردار رومانہ ارسل سے اپنی محبت کا اعتراف کر رہی تھی۔

''اوچ!'' شازیہ نے درد سے کراہتے ہوئے قلم نیچے رکھا اس نے اپنے کندھے کو رگڑا؛ جہاں اسے اس کی دوست نوشابہ نے زور سے مارا تھا۔

''نوشابہ''

شازیہ نے اسے مارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

''میڈم مجھے مارنے سے پہلے یہ چیک کریں'' نوشابہ نے شازیہ کو اس کا موبائل دکھایا جس پر کمرے میں آتے ہوئے اسکی نظر پڑی۔

''سحر کی کال؟'' شازیہ کو حیرت ہوئی اس نے نوشابہ سے اپنا فون چھین لیا۔

''یہ تمہارے پرنسپل کی کزن ہے نہ سر محمود کی۔'' نوشابہ نے تجسس سے پوچھا۔

سحر اور شازیہ ایک ہی اسکول میں پڑھاتے۔ وہ اسکول سحر کے کزن محمود کا تھا۔

''ہاں وہی ہے شاید سر نے کچھ کہا ہوگا مجھے بتانا چاہتی ہے'' شازیہ نے سحر کو میسیج کیا۔ سحر کا فوراً جواب آیا۔

''اگر تم اس اتوار فری ہو؛ تو میں تمہارے گھر آنا چاہتی ہوں۔''

''کیا کہہ رہی ہے؟'' نوشابہ نے پوچھا

''کہہ رہی ہے میرے گھر آنا چاہتی ہے''

''ہاں ٹھیک ہے پھر'' نوشابہ نے پر جوش انداز سے کہا

شازیہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا تم کیوں اتنا خوش ہو رہی ہو؟'' شازیہ نے اس سے پوچھا۔

''یار تو مان لے مجھے لگتا ہے اس کے اور ہی ارادے ہیں تمہارے لیے'' نوشابہ نے اسے چھیڑا۔

''پلیز نوشابہ ہر وقت یہ بات نہ کیا کرو۔'' اس نے نوشابہ کی طرف دیکھا اور پھر خود کو آئینے میں دیکھا شازیہ کے سارے زخم تازہ ہو گئے اور اس کی آنکھیں بھر آئی۔

نوشابہ اس کا درد سمجھ گئی اور شازیہ کے قریب آئی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ۔'' نوشابہ نے اسے تسلی دی۔ شازیہ مسکرائی اور پھر سحر کے میسیج کا جواب دیا۔ ''تم کسی بھی وقت آ سکتی ہو۔''

''تم اس سے بات کرو اور میں چائے بناؤں گی تمہارے لیے تم بھی کیا یاد رکھوگی۔'' نوشابہ کمرے سے چلی گئی۔

◈◈◈

شازیہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ وہ ان کی آنکھوں کا تارا تھی۔ اس کا تعلق اپر مڈل کلاس گھرانے سے تھا۔ اکلوتی اور لاڈلی ہونے کے باوجود وہ اچھے اخلاق کی مالک تھی۔ بہت ملنسار اور خوب سیرت، باکردار شرم وحیا کا پیکر سب کا خیال رکھنے والی۔ وہ پیشے کے اعتبار سے ایک ٹیچر تھی لیکن اسے افسانہ نگاری کا بھی شوق

تھا۔ شازیہ کا خاندان بہت خوبصورت تھا۔ اس کی ساری کزنز بہت فیشنا ئبل تھیں۔ جبکہ ان کے مقابلے میں شازیہ پکے رنگ کی تھی اور نین نقوش بھی باقیوں کے مقابلے میں عام سے تھے۔۔شازیہ کو سادگی اچھی لگتی تھی وہ ہمیشہ سادہ اور نفیس لباس پہنتی۔ شازیہ کی ہم عمر ساری کزنز کی شادی ہو چکی تھی؛ جبکہ شازیہ کو جو دیکھنے آتا اسے اس کی رنگت کی وجہ سے مسترد کر دیتا۔ شازیہ کا دل ان سب واقعات سے بری طرح سے ٹوٹ چکا تھا۔ اسے بس انتظار تھا ایسے شخص کا جو اسکی صورت سے نہیں سیرت سے پیار کرے۔

''السلام علیکم سر! کیسے ہیں اپ؟''

سحر نے اپنے کزن محمود کو سلام کیا جو اس کے پرنسپل بھی تھے وہ شام کے وقت سحر کے گھر اس کی خیریت معلوم کرنے آئے تھے۔

''وعلیکم السلام! میں بلکل ٹھیک آپ بتائیں آپ کیسی ہیں؟ بخار کیسا ہے آپ کا؟'' انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''میں اب بہتر ہوں سر۔'' سر سر کہہ کر وہ انہیں ستا رہی تھی۔

''اچھا بس! یہاں میں تمہارا سر نہیں بھائی ہوں ؛ ہم صرف اسکول میں سر اور ٹیچر ہیں۔'' محمود نے ہنس کر کہا۔

''جی بھائی۔''

کچھ دیر خاموشی کے بعد محمود بول پڑا۔

سحر تم نے شازیہ سے بات کی؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جی۔''

''کیا بات ہوئی؟'' محمود نے بے صبری سے پوچھا۔

''صبر سے کام لیں بھائی! ابھی میں نے صرف ان سے کہا ہے کے ہم ان کے گھر آنا چاہتے ہیں؛ یعنی میں اور خالہ جان بس خالہ جان جلدی سے جویریہ آپی کی طرف سے آجائیں۔'' سحر نے کہا۔

''ہاں ان شاء اللہ ماں بھی شازیہ کو پسند کرینگی ہماری طرح۔'' محمود کو امید تھی۔

ان شاء اللہ! شازیہ ہے بھی تو کتنی اچھی ؛ویسے آپ کو شازیہ کے بارے میں سب سے اچھی چیز کیا لگتی ہے؟'' سحر نے پوچھا۔

''ایک بات ہو تو بتاؤں سحر وہ ہر طرح سے اچھی ہے باصلاحیت ہے باکردار ہے؛ اور سب سے اچھی بات وہ خوب سیرت ہے۔ اس کے بات کرنے کا انداز کتنا اچھا ہے۔ جب بات کرتی ہے تو دل کرتا ہے بس وہ بولے اور میں سنوں۔ دو سال سے میرے اسکول میں کام کر رہی ہے لیکن آج تک میں نے اسے کسی سے جھگڑتے یا بدکلامی کرتے نہیں دیکھا؛ سب سے خوشدلی سے پیش آتی ہے بچے بھی اس سے بہت خوش ہیں؛ مجھے ہمیشہ سے شازیہ جیسی ہی بیوی چاہیے تھی۔'' محمود نے کہا۔

''محمود امیر گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ خوش شکل، لمبا قد اور اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ اس کا اپنا سکول تھا۔ محمود کی عمر اب 38 برس ہو چکی تھی ؛لیکن اسے ابھی تک اپنی آئیڈیال نہیں ملی۔ محمود کو شازیہ بہت پسند تھی کیونکہ شازیہ اچھے عادات کی مالک تھی بلکل ویسی جس کی محمود نے آرزو کی تھی۔ اس لیے سالوں سے محمود اسے دیکھ رہا تھا۔ نرم گو، سادہ لوح اور با اخلاق شازیہ اسے پسند آ گئی تھی۔

''ان شاء اللہ شازیہ ہی میری بھابھی بنے گی۔'' سحر نی مسکرا کر کہا۔

''انشاءاللہ۔''

''توبہ ہے خدا کی پناہ! سارے جہاں میں محمود تمہیں یہ پکے رنگ کی لڑکی ملی تھی؛ پسند کرنے کے لیے۔''
محمود کی والدہ جب سحر کے گھر گئیں تو وہی انہیں سحر نے شازیہ کی تصویر دکھائی تھی جو سحر اور شازیہ نے سکول میں ہونے والی تقریب کے دوران بنوائی تھی۔ شازیہ کی تصویر دیکھنے کے بعد اب وہ محمود پر برس رہی تھیں۔
''امی پلیز اس طرح سے تو نہ بولیں وہ کتنی اچھی ہے؛ دل کی بہت صاف اور بہت اچھے کردار کی مالک ہے۔''محمود نے اس کا دفاع کیا۔
''میں کیا کروں؟ مجھے اس کا دل لوگو کو دیکھانا ہے ہاں! بتاؤ زرا؛ غضب خدا کا! اگر لوگ اس دیکھیں تو ہنسیں گیں تجھ پہ۔''
''کیوں امی جان شازیہ میں کیا برائی ہے؟ یہ کے اسکا رنگ گورا نہیں ہے؛ امی جان یہ سب تو اللہ نے بنایا ہے اور اگر وہ سانولی ہے تو میری بھی عمر زیادہ ہے۔''
محمود نی ماں کو احساس کرانا چاہا۔
''مرد کی عمر نہیں دیکھی جاتی۔'' ماں نے جواب دیا۔
''میرے لیے سب بے معنی ہے بس انسان کی سیرت اچھی ہونی چاہیے؛ اور شازیہ ایک خوب سیرت لڑکی ہے؛ میں نے ہمیشہ سے شازیہ جیسی لڑکی کی چاہت رکھی ہے۔''
محمود نے وضاحت کی۔
''تمہاری شادی اس سے کبھی نہیں ہوگی جان لو بلکہ میں کل ہی جا کر اپنی چچازاد بہن کو ہاں کر دونگی؛ تمہاری شادی اب فضا سے ہوگی۔ بہت ہوگیا پر اب بس! اپنے گھر میں ہیرا موجود ہے میں باہر کیوں جاؤں۔''محمود کی ماں یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔

''نوشابہ پلیز جلدی کرو بہت دیر ہوگئ ہمیں ابھی جیولری بھی لینی ہے۔''
شازیہ نے نوشابہ کو جلدی کرنے کا کہا۔
نوشابہ نے جوڑا پیک کرنے کے لیے دکاندار کو دیا نوشابہ اور شازیہ دوپہر کے وقت اپنی دوست کی شادی پر جانے کے لیے شاپنگ کرنے مال آئے تھے۔ شاپرز لیکر شاپ سے دونوں باہر آئے؛ اور مال کے اوپر کے پورشن پر جانے کیلئے اسکیلیٹر کی طرف آئے تبھی شازیہ کی نظر سامنے والی دکان پر ایک بزرگ خاتون پر پڑی جن کی طبیعت خراب نظر آرہی تھی۔
''نوشابہ مجھے ان آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' شازیہ ایسے ہی سب کے لیے فکرمند ہوجاتی۔
''ہاں یار مجھے بھی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی چل دیکھتے ہیں کیا بات ہے۔'' نوشابہ نے کہا۔
وہ دونوں تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑے تھے لیکن جب تک وہ پہنچے بزرگ خاتون زمین پر گر چکی تھیں۔ شازیہ، نوشابہ اور بہت سارے لوگ بھاگ کر ان کے پاس پہنچ گئے۔
''آنٹی، آنٹی''شازیہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔ اُنہوں نے آنکھیں کھول کر شازیہ کو دیکھا کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکی اور بے ہوش ہوگئیں۔ شازیہ ان کی ہاتھیلیوں کو ملنے لگی۔''بھائی! کیا ان کے ساتھ کوئی اور تھا؟''نوشابہ نے دکان دار سے پوچھا۔
''جی ان کے ساتھ شاید انکی بیٹی تھی۔ ان کی کال آگئی تو وہ دوسری طرف بات کرنے چلی گئیں۔'' دکان دار نے نوشابہ اور شازیہ کو بتایا۔
''پلیز آپ میری مدد کیجئے انہیں ہسپتال لے کے جانا ہوگا۔'' شازیہ نے وہاں موجود لوگوں سے مدد مانگی اور انہیں ہسپتال لے آئی۔

ہسپتال کے کوریڈور میں شازیہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ وارڈ میں ڈاکٹر ان خاتون کا معائنہ کر رہی تھی۔ شازیہ بہت جلد پریشان ہو جاتی تھی؛ اس سے کسی کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی تھی۔

''شازیہ! بیٹھ جاو کب تک اس طرح ٹہلتی رہو گی۔'' نوشابہ کو شازیہ کی پریشان ہونے والی عادت کا پتا تھا اسے ریلیکس کرا رہی تھی۔

''پتا نہیں انہیں کیا ہوا ہوگا۔'' شازیہ ان کے لیے فکرمند تھی۔

''کچھ نہیں ہوا ہوگا ان شاءاللہ؛ تھوڑا بی پی وغیرہ کا مسئلہ ہوگا تمہیں تو پتا ہے اس عمر میں ہوتا ہے۔'' نوشابہ نے اسے تسلی دی۔

''اللہ کرے سب ٹھیک ہو؛ پتا نہیں ان کے گھر والے کس قدر پریشان ہوں گے۔'' شازیہ نے کہا۔

ارے ہاں! میں بتانا بھول گئی ایک لڑکی کی کال آئی تھی ان کے نمبر پر میں نے اٹھالیا اسنے پوچھا میری آنٹی جہاں آرا کہاں ہیں؟ تو اسے میں نے سب بتا کر یہاں بلالیا بس آتی ہوگی۔'' نوشابہ کو ایک دم یاد آیا جب شازیہ ان خاتون کے ساتھ اندر تھی تو اس لڑکی کی کال ائی۔

''یہ تو تم نے بلکل ٹھیک کیا نوشابہ۔'' شازیہ اب تھوڑا پرسکون ہوئی۔

اتنی ہی دیر میں سامنے سے ایک لڑکی بھاگتی ہوئی ان کے پاس ائی۔

''میری آنٹی جہاں آرا وہ کہاں ہیں؟'' اس لڑکی نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔ ''وہ۔۔۔'' ابھی شازیہ اسے بتانے ہی والی تھی کہ ڈاکٹر وارڈ سے باہر آئیں۔

''ڈاکٹر! آنٹی کیسی ہیں؟'' شازیہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''بالکل ٹھیک ہیں آپ پریشان نہ ہوں بس ان کا بلیڈ پریشر لو ہو گیا تھا اب وہ بلکل ٹھیک ہیں کچھ دیر میں انھیں ہوش آجائے گا پھر اپ ان سے مل سکتی ہیں۔'' ڈاکٹر یہ کہ کر چلی گئیں۔ شازیہ اور نوشابہ سے پہلے وہ لڑکی اندر چلی گئی۔ اور نوشابہ سے ٹکرائی پر بنا کچھ کہے اندر چلی گئی۔ نوشابہ کو اس پر سخت غصہ آیا۔

''کیسی عجیب اور بدتمیز لڑکی ہے؛ نہ ہمیں شکریہ کہا اور نہ اس حرکت پر سوری کہا بدتمیز!'' نوشابہ نے اپنا دوپٹہ درست کیا جو اس کے ٹکرانے سے سرک گیا تھا۔ ''کوئی بات نہیں نوشابہ وہ پریشان ہے بے خیالی میں ہوا ہوگا۔'' شازیہ نے اسے سمجھایا۔

''چلو ہم بھی ان کا پرس واپس کر کے ان سے مل کر چلتے ہیں۔'' شازیہ نے کہا۔ تبھی جہاں آرا کے موبائل پر محمود کی کال آئی شازیہ نے اٹھا لیا۔

''ہیلو ماما! آپ کہاں ہیں آپ نے ڈرائیور کو بلوایا مگر آپ مال میں نہیں ہیں آپ کہاں ہیں ماما!'' محمود کی آواز سن کر چونک گئی۔

''محمود سر؟'' شازیہ ان سے مخاطب ہوئی۔ دوسری طرف محمود بھی اس کی آواز پہچان گیا۔

''مس شازیہ اپ؟'' محمود کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

''مس شازیہ میری ماما۔۔۔'' وہ بات مکمل نہیں کر پایا۔

''محمود سر آپ پریشان نہ ہوں میں آپ کو بتاتی ہوں۔'' شازیہ نے محمود کو سب کچھ شروع سے بتادیا۔

''میری ماما کیسی ہیں اب؟'' محمود ان کی حالت کا سن کر پریشان ہوگیا۔

''وہ ٹھیک ہیں پلیز آپ ریلیکس ہوں۔''

شازیہ نے محمود کو حوصلہ دیا۔ ''میں آرہا ہوں'' یہ کہتے ہی محمود نے فون بند کر دیا۔ شازیہ نے انکا فون ان کے پرس میں رکھ دیا۔

''چلو نوشابہ چیزیں واپس کرتے ہیں انہیں۔'' شازیہ اور نوشابہ وارڈ کی طرف آگئے جو کچھ قدم کے فاصلے پر تھا۔

''آپ مجھے قصوروار کیسے ٹھہرا سکتی ہیں میں تو کال سننے گئی تھی آپ کو جان بوجھ کر چھوڑ کے تو نہیں گئی۔'' وہ لڑکی جس کا نام فضا تھا جہاں آرا پر چلا رہی تھی۔

شازیہ اور نوشابہ نے جب چیخنے کی آواز سنی تو دروازے کے پاس ہی رک گئے۔

''یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم مجھ سے تمیز نہیں بڑوں سے بات کرنے کی۔'' جہاں آرا کو اس کے اس رویے پر سخت غصہ آیا۔

''آپ مجبور کر رہی ہیں مجھے اس طرح بات کرنے کے لیے؛ اور اگر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو نہیں آنا چاہیے تھا آپ کو میرے ساتھ مال الٹا میرے لیے مصیبت بن گئیں۔''

فضا کی سخت باتوں نے جہاں آرا کا دل چھلنی کر دیا تھا؛ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس لڑکی کی ظاہری خوبصورتی کو دیکھ کر جہاں آرا اسے اپنی بہو بنانا چاہ رہی تھی۔ وہ سوچ چکی تھی کی اسی ہفتے اس کے گھر جا کر اس کا ہاتھ مانگے گی۔ یہ سوچ کر بے اختیار جہاں آرا کی آنکھوں سے آنسوں بہنے لگے۔ جہاں آرا کی تذلیل اب مزید شازیہ سے برداشت نہ ہوئی اور وہ اندر آگئی۔

''یہ کس طرح بات کر رہیں ہیں آپ ان سے؟ کیا آپ کو نظر نہیں ارہا ان کی کیا حالت ہے۔'' شازیہ سے اسکی بدتمیزی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ پھر بھی نرم لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم ہوتی کون ہو ہمارے معاملات میں مداخلت کرنے والی یہ میرا اور میری آنٹی کا مسئلہ ہے دور رہو۔'' فضا نے اسے دور رہنے کا کہا۔

''میں مداخلت نہیں کر رہی صرف آپ سے کہ رہی ہوں کہ اس طرح سے بات نہ کریں بڑی ہیں وہ آپ سے۔'' شازیہ کو اس لڑکی کی حرکتوں پہ افسوس تھا۔

''تم حد میں رہو اپنی۔'' فضا شازیہ پر چلائی۔

بس! دفع ہو جاؤ تم یہاں سے فضا مجھے تمھاری ضرورت نہیں ہے۔ یہ کہتے ہوئے جہاں آرا کھانسنے لگی۔ شازیہ نے جلدی سے انہیں پانی پلایا۔ فضا پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

''آنٹی آپ ٹھیک ہیں؟'' شازیہ نے پانی کا گلاس ان کے ہاتھ سے لے کر ٹیبل پر رکھ دیا۔

''ٹھیک ہوں بیٹا؛ تمھارا بہت شکریہ میری بیٹی تم نے اس حالت میں میری مدد کی اللہ تمہیں خوش رکھے۔'' جہاں آرا نے شازیہ کو دعائیں دی۔

''ارے نہیں آنٹی کوئی بات نہیں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے بھلا کوئی کسی کو تکلیف میں کیسے چھوڑ سکتا ہے۔'' شازیہ نے مسکرا کر کہا۔

''جیتی رہو بیٹی'' جہاں آرا نے شازیہ کے سر پہ شفقت سے ہاتھ رکھا۔

جہاں آرا بیگم شرمندہ تھی اور دل سے شازیہ کو اپنی بہو بنانا چاہتیں تھیں کیونکہ وہ سمجھ چکی تھیں کہ انسان کا قد، رنگ یا آواز یہ سب بے معنی ہیں۔ انسان کا دل اسکی سیرت یہ سب اہمیت رکھتا ہے۔ شازیہ اس حادثے کے بعد روز اسکول سے سحر کے ساتھ گھر آتی اور جہاں آرا کی خیریت معلوم کرتی۔ اس کے سیرت نے جہاں

آرا کا دل جیت لیا۔ سحر کی مدد سے آج وہ شازیہ کا رشتہ محمود کے لیے مانگنے آئیں تھیں۔

''میرے بچوں کو شازیہ بہت پسند ہے محمود اور سحر بہت تعریف کرتے ہیں شازیہ کی ماشااللہ تعریف کے قابل ہے آپ کی بیٹی اگر آپ مجھے اجازت دیں میں آپ کی شازیہ اپنے محمود کے لیے مانگتی ہوں کیا آپ کو منظور ہے؟''

جہاں آرا نے رشتے کی بات کی۔ شازیہ کی ماں صبا حیران پریشان تھی حلانکہ وہ سب جانتی تھیں سحر نے پہلے ہی سب بتا دیا تھا ان کی حیرانی کی وجہ یہ تھی کہ جس نے بھی شازیہ کو دیکھا ہمیشہ مسترد ہی کیا اور آج محمود شازیہ کو پسند کر کے رشتے کے لیے آیا تھا۔

''شازیہ کا رشتہ؟'' شازیہ کی پھپھو فرحانہ جو وہاں موجود تھی یہ دیکھ کر ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''ہاں بہن آپ کی شازیہ محمود کو بہت پسند ہے ہم ہمیشہ سے ہی شازیہ جیسی لڑکی چاہتے تھے شکر ہے خدا کا ہمیں مل گئی۔'' صبا نے شازیہ کی طرف دیکھا جو سر جھکائے بیٹھی تھی وہ رشتے پہ راضی تھی صبا کو محمود پسند آیا۔ وہ سحر کو بھی اچھے سے جانتی تھیں۔

اس حادثے کے بعد سحر محمود اور جہاں آرا بہت دفع شازیہ کے گھر آئے۔ سحر نے رشتے کے لیے آنے سے پہلے ہی صبا کو سب بتا دیا تھا۔

''ہمیں منظور ہے جہاں آرا بہن۔'' انہوں نے مسکرا کے کہا۔'' ماشااللہ! پھر میں آپنی بہو کو انگوٹی پہنانا چاہتی ہوں۔'' جہاں آرا نے خوش ہو کر کہا۔

شازیہ شرما رہی تھی۔ جہاں آرا نے بیگ سے انگھوتی نکال کر شازیہ کو پہنا دیا اور سب کا منہ میٹھا کرایا۔ محمود بار بار شازیہ کو دیکھ رہا تھا اور دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ رسم ادا کرنے کے بعد جہاں آرا بیگم جانے کا کہنے لگی۔

''صبا بہن! پھر ہم چلتے ہیں ان شاء اللہ بہت جلد تاریخ لینے آئیں گے۔'' جہاں آرا نے مسکرا کے کہا۔

''ان شاء اللہ کیوں نہیں۔'' صبا نے جواب دیا۔

''ما شاء اللہ صبا تمہاری قسمت بہت اچھی ہے جو محمود جیسا داماد مل رہا ہے ورنہ ایسی کالی لڑکیوں کو آج کل کون پسند کرتا ہے۔'' فرحانہ نے صبا سے سرگوشی میں ہنستے ہوئے کہا۔

محمود نی سن لیا اور یہ سن کر اسے شدید غصہ آیا۔ ''انسان کا سانولہ یا گورا ہونا اہم نہیں آنٹی اصل چیز انسان کی اچھی سیرت ہوتی جو انسان کو بڑا بناتی ہے؛ پھر چاہے رنگ کیسا بھی ہو شازیہ ان لوگوں میں سے ہے جو پرفیکٹ ہیں۔''

محمود نے شازیہ کو محبت اور فخر بھری نگاہوں سے دیکھ کر پھپھو کو جواب دیا محمود کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھ کر شازیہ کی آنکھیں نم ہوئی اور اس نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا جو اسے محمود جیسا جیون ساتھی دے رہا تھا۔ آخر کار شازیہ کو اس کے صبر کا پھل محمود کی صورت میں مل گیا۔ جس نے اس کی صورت نہیں سیرت دیکھی۔

سلسبیل

نایاب جیلانی

دسویں قسط کا خلاصہ

میکلوڈ روڈ پر سینما کے ساتھ ایک پرانی لیکن بے حد پائیدار عمارت جو کافی عرصے سے بے آباد پڑے تھی وہاں ایک ڈاکٹر نے اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ جو کہ کم تھیں رہائش اختیار کر لی تھی۔ وہ اپنی بیٹیوں کو صبح ہوسپٹل ساتھ لے جاتا اور شام کو واپس آتا۔ ساری کالونی کے لوگوں کے لیے ان باپ بیٹیوں کی محبت رشک کا باعث تھی۔ اسی کالونی میں شافیہ نامی لڑکی رہتی تھی جس کا باپ نہیں تھا اسے ان دونوں بچیوں پر پناہ دلچسپی تھی اور اس کی وجہ ان کے باپ کی ان کے ساتھ محبت تھی جبکہ کالونی کی باقی لڑکیاں اس ڈاکٹر پر فدا تھیں۔

مسز نرجس نامی خاتون بھی وہیں اپنے شاندار گھر میں رہائش پذیر تھیں جن کا ایک سوتیلا بیٹا تھا۔ ہشام عیسیٰ جو کہ امریکہ میں تھا۔ شافیعہ کی سوتیلی والدہ تھیں اور مسز نرجس کی بھتیجی تھی جس کی نظر اپنی پھپھو کی جائیداد ہوتی ہے جو کہ انہوں نے اپنے سوتیلے بیٹے کے لیے سنبھال رکھی ہے۔ وہ اپنی بھتیجی سمیرا کی سوتیلی بیٹی شافعیہ سے بے پناہ پیار کرتی ہیں اور یہ بات سمیرا اور اس کی بیٹیوں کو ہضم نہیں ہو رہی۔

اب آپ آگے پڑھیے

گیارہویں قسط

سوا اس ایک کوٹھی کے باقی سب کچھ جی جی کی بھتیجیوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ بس یہی وجہ تھی کہ شافیہ کے نکاح پر زیادہ واویلا نہیں کیا گیا تھا۔

اسود اور اس کی ماں سمیت سب نے کروڑوں روپے سمیٹے اور شافیہ پے فاتحہ پڑھ دی سمیرا کی بیٹھے بیٹھائے شافیہ سے جان چھوٹ گئی تھی

اب وہ سکون کے ساتھ عرشیہ اور اسود کی شادی کر سکتی تھی سب کچھ حسب منشا ہو گیا تھا اور ہشام کو ہاتھ سے نکالنے کا دکھ بھی نہیں رہا تھا

ہشام واپسی کی تیاریاں کر رہا تھا

ظاہر ہے وہ جس کے لیے آیا تھا وہ وجود ہی نہیں رہا تھا اسے اس دیس میں کون سی کشش کھینچ سکتی تھی؟

جب وہ آخری بار خداداد کے گھر آیا اور اس کے بھائی شایان سے بات چیت کر رہا تھا تب وہ پریشان تھا

شان نے فکر مندی سے پوچھا

ہشام بھائی! آپ کیوں پریشان نظر آرہے ہیں؟

ہاں میں پریشان ہوں کیونکہ میں شافیہ کو فی الحال ساتھ نہیں لے جا سکتا

اس نے اپنی فکر مندی کی وجہ بتائی تھی

اور یہ بھی کہ اسے کن لوگوں میں چھوڑوں؟ ایسے لوگ جو گدھ سے بھی بدتر ہیں لالچی اور مطلبی

شان اس کی بات سمجھ رہا تھا

مگر میری ماں کی وصیت ہے میں شافیہ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا؟

شان سمجھ سکتا تھا اس لیے تسلی دیتا بولا

ہمارے ہوتے ہوئے آپ فکر مند نہ ہوں بھائی! شافیہ آپ کے حوالے سے اور بھی محترم ہے، بہن تو تھی ہی اب بھابھی بھی ہے۔''

ہشام کے لیے یہ نئی رشتے داری اجنبی تو تھی مگر وہ رشتے سنبھال کر چلنے والا انسان تھا۔ کتنے ہی دن سے اس کا موبائل بند تھا آج اس نے موبائل کھولا تو بہت سارے پیام موجود تھے۔ رات کو جب اسے خطیب کی طرف سے بہت دنوں بعد نیو ائیر کا میسج آیا تو اس کے اندر سلسبیل ایک حقیقت بن کر جاگی تھی۔ وہ اس کا نیو ائیر میسج پڑھ رہا تھا

شاعرہ ایلا ویلرول کا کس کی نظم تھی ہشام سن سا اسکرین کو دیکھ رہا تھا

''نئے سال کی نظموں میں کیا بیاں ہو سکتا ہے؟

جو ہزاروں بار نہ کہا گیا ہو؟

سال نو آتا ہے، پرانا سال جاتا ہے،

ہمیں معلوم ہے ہم خواب دیکھتے ہیں، ہم خواب دیکھتے ہیں ہمیں معلوم ہے یہ۔

ہم روشنی کے ہمراہ ہنستے ہوئے اٹھتے ہیں،

شب کے ہمراہ روتے ہوئے لیٹ جاتے ہیں۔

ہم دنیا کو گلے لگاتے ہیں جب تک یہ ہمیں ڈس نہ لے،
تب ہم ملامت کرتے ہیں اور قوتِ پرواز کے لیے آہیں بھرتے ہیں۔
ہم جیتے ہیں، ہم پیار جتاتے، وعدے کرتے اور شادی رچاتے ہیں،
ہم اپنی دلہنوں کو ہار پہناتے اور مردوں کو کفناتے ہیں۔
ہم ہنستے ہیں، روتے ہیں، امید لگاتے اور ڈرتے ہیں،
اور یہی سال بھر کے بوجھ ہیں۔
اس نے زیرلب شاعرہ کا نام دوہرایا

The Year
By Ella Wheeler Wilcox

اب وہ انگریزی میں پڑھ رہا تھا اور اس کی آنکھ نم ہو رہی تھی

What can be said in New Year rhymes,
That's not been said a thousand times

The new years come, the old years go,
We know we dream, we dream we know.

We rise up laughing with the light,
We lie down weeping with the night.

We hug the world until it stings,
We curse it then and sigh for wings.

We live, we love, we woo, we wed,
We wreathe our brides, we sheet our dead.

We laugh, we weep, we hope, we fear,
And that's the burden of the year.

ہشام کا دل کہر زدہ تھا جیسے کسی سفید دھند میں جکڑا گیا ہو
"فلسطین کے تمام طالب علم شہید ہو چکے ہیں اس لیے تعلیمی سال کا اختتام کیا جاتا ہے۔
یہ لکھتے ہوئے خطیب کتنا رویا ہوگا؟
کتنے اس کے دل کے ٹکڑے ہوئے ہوں گے؟
کیسی قیامت اس پر گزری ہوگی؟

اس کو اپنے بہن بھائی ماں باپ چچا دادا سب کس قدر یاد آئے ہوں گے؟
وہ کتنا اکیلا ہو گا؟

ہشام کو لگا وہ اس کے سینے سے لگ کے بہت زیادہ رونا چاہتا ہے۔ اس نے اپنی نم آنکھ پونچھ کر دوسرا پیغام پڑھا تھا یہ پیغام ایک انجان نمبر سے تھا۔ عربی کی ایک حکایت تھی جیسے ہزاروں لوگ نیو ائیر پے مختلف پیام بھیجتے ہیں یہ ایسا بالکل پیام نہیں تھا۔ اس میں کچھ الگ تھا جس نے ہشام کا دل دبوچ لیا تھا۔ یہ عربی کی حکایت ڈچ میں تھی

''ایک آدمی کئی راتیں سخت سردی میں آرام سے سوتا رہا۔ ایک دن کسی راہگیر نے گزرتے ہوئے اسے کہا: ''میں تمہیں ایک گرم رضائی لا کر دوں گا!!

وہ راہگیر اپنی منزل کو چلا گیا اور رضائی لانے کا وعدہ بھول گیا، بوڑھا آدمی اس کا انتظار کرتے ہوئے سردی سے مر گیا۔ لوگوں کو اس کی لاش کے پاس ایک مخطوط رقعہ ملا۔ اس پر یہ الفاظ لکھے تھے:
''میں نے تمہارے آنے سے پہلے کئی راتیں سردی برداشت کی کیونکہ میرے پاس کوئی اور آسرا نہیں تھا مگر تمہاری بات نے مجھے ایک امید دلا کر اسے میرا آسرا بنا دیا اور میں نے تم پر امید لگا کر اپنی قوت کھو دی۔ چنانچہ... سردی نے مجھے مار ڈالا۔

ہشام سن ہو گیا تھا۔ یہ پیام کس نے بھیجا تھا؟ اس کا دل کسی انجان وحشت کی آہٹ محسوس کر رہا تھا۔

اس نے اگلا میسج کھولا۔ وہ بھی اسی نمبر سے آیا تھا
اوقات الگ الگ تھے
ہشام پڑھتا رہا
اس کی پلکیں بھیگتی رہیں
اور کوئی اس کے بہت قریب دوزانو بیٹھ گیا تھا
اس سے نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہ گیا وہ اسکرین کو نہیں گویا لکھنے والے کے تاثرات کو دیکھ رہا تھا

کسی نے بھی چلتی ہوا کو نہ دیکھا
نہ تو نے، نہ میں نے
مگر سرسراتے ہوئے پیڑ پر
لڑھکتی ہوئی ڈالیوں سے گزرتی
گھنی ٹہنیوں کو جھکاتے ہوئے
محبت بھرے گیت گاتے ہوئے
گنگناتے ہوئے یوں گزر جاتی ہے
کسی نے بھی چلتی ہوا کو نہ دیکھا
نہ تو نے، نہ میں نے

اس کے قریب بیٹھے وجود نے اسی نظم کو بہت ترنم میں انگریزی میں جب پڑھا تھا وہ نظر اٹھا کر دیکھنے پے مجبور ہو گیا تھا وہ شافیہ تھی۔

Who has seen the wind?
Neither I nor you:
But when the leaves hang trembling,
The wind is passing through.
Who has seen the wind
Neither you nor I:
But when the trees bow down their heads,
The wind is passing by

اس نے اتنی میٹھی آواز بس ایک ہی سنی تھی۔ وہ جو جنت کے چشموں جیسی تھی یعنی سلسبیل اور اس کا دل جیسے بہہ گیا تھا۔ وہ ایک نرم دل نرم خو انسان تھا وہ کسی کو بھی روتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کی نظر اسکرین سے ہٹ کر شافیہ کی طرف مائل تھی گو کہ ابو العلا العمری کے لفظ اس کو باندھ رہے تھے

افلی نوائب الایام وحدی
إذا جمعت کتائبھا احتشادا
کانی فی لسان الدھر لفظ
تضمن منه اغراضا بعادا

''میں نے حوادثِ زمانہ کو تنہا گزار لیا۔ جب مصیبتوں کے لشکر جمع ہوتے تو میری تنہائی ان کے سامنے ڈٹ جاتی۔

میں تو اس ہستی کی زباں پر ایک لفظ تھا جس سے لوگ بعید غرضیں اور مطالب نکالتے رہے۔ اسے لگا کہ وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں سن سکتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں بواریا میں دو فلاسفر چھوٹی لڑکیاں دیکھی تھیں اسے اندازہ نہیں تھا حسن اور زہانت کا کوئی ملک کوئی شہر نہیں ہوتا

میں صرف یہ بتانے آئی ہوں اگر آپ کا ارادہ ہے میں یہاں تنہا رہ لوں تو آپ اپنا ارادہ بدل لیجیے مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا اس کائنات میں جی جی کے سوا میرا کوئی نہیں تھا کچھ لوگ لاوارثوں کے وارث ہوتے ہیں جی جی ایسے لوگوں میں سے تھیں انہوں نے مجھے سرپرست دیا اور میں ان کی محبتوں کا یوم آخرت بھی احسان نہیں چکا سکتی۔

مجھ پر ایک احسان کر سکتے ہیں مجھے تنہا نہیں چھوڑیں اس زمین پر میرا کوئی بھی نہیں۔
اور یہ فیصلہ نیلے آسمان پر لکھا جا چکا تھا
''سلسبیل۔''

گہرے قبرستان سے ایک آواز آئی تھی۔ یہ آواز اس کے لیے اجنبی نہیں تھی اس نے سر اٹھا کر سبزے سے بھرے میدان کو دیکھا اسے لگا ساری ہریالی جل گئی ہے۔

تم کو ڈاکٹر کے پاس جانا ہے میں نے ایک جگہ بات کی ہے امید نظر آتی ہے کہ کچھ ہو سکے۔''
سلسبیل کا کلیجہ شق ہوا تھا اور وہ اس کا دل ڈوب گیا۔ اگر یہ امتحان تھا تو کس قدر بڑا تھا؟ اور اگر آزمائش تھی تو طویل تر تھی اس نے سوجھی آنکھوں کے پار دیکھا۔ اتنا دکھ تو اس گھر کے بالکل اچانک

اجڑ جانے سے بھی نہیں ہوا تھا جتنا دکھ اس بربادی کا تھا جس نے زندگی کو زندگی سے دور کر دیا تھا
''خطیب ہماری مدد کرے گا گو کہ وہ خود بھی ٹھیک نہیں ہے مگر وہ ہمارا ساتھ دے گا۔''
ڈی سوزا اسے حوصلہ دے رہی تھی وہ حوصلہ جو کھو چکا تھا ابو العلاء المعری فرماتے تھے
''گلاب کے خاموش پھول کی گہرائی میں
اک بے فکر بھنورے نے انگڑائی لی؛
اور اپنے ساتھ لیٹے ساتھی سے کہا:
یار! یہ دنیا کتنی حسین ہے!
دوسرا بھنورا بولا: یہ نفرتوں سے بھرا زندان ہے؛
اور ہم بھی اس میں محض درد سہتے قیدی
اگر تمہارے خیال میں یہ قید خانہ ہے پیارے!
تو مجھے بہت بھایا ہے
پہلا بھنورا انگڑائی لے کر بولنے لگا:
میں اب اس دنیا کی محبت میں
اک گیت سناتا ہوں
کہ اتنی دلربا دنیا اور اس کی خوشیاں مجھے ملیں
کسی سعی کے بنا؛
میرے دل کو
لطف اندوز کرنے والی دنیا!،
تیرا شکریہ!،
دوست!
تم میرے گیت سن کر
دنیا سے نفرت پر شرمسار ہو جاؤ گے
دوسرا بھنورا بولا:
میں بھی اس دنیا کے درد
لبوں میں اتار کر
اپنے گیتوں سے اہل دل کو رلاتا رہوں گا
(اور شاید تم بھی کبھی بدل جاؤ!)

✧✧✧

اور یوں/ وہ دونوں گاتے رہے ان کے گیت سن کر نہ ہوا رکی؛ نہ پھول بکھرے۔ ان کا گلاب کا گھر پہلے سے زیادہ حسین ہو گیا۔ اور ان کے گیت سن کر ہنستا رہا؛ جب وہ دونوں بھنورے بوڑھے اور دانا ہوئے تو خاموش ہو کر گلاب کی گہرائیوں میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اور؛ گلاب کا پھول اس دوران خوبصورتی سے کھلارہا!

اور تم وہ ہی گلاب کا پھول ہو جو کھلا رہے گا۔ ڈی سوزا امید کے ساتھ مسکرائی تھی
اس نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں
اس کا دھیان کہیں اور تھا شاید بہت دور
اور وہ نہیں آیا؟
وہ کھو کھلے لہجے میں بولی تھی
ہاں مگر اس کا پیام ضرور آیا تھا
اس نے اسکرین روشن کی تھی
(اے میری بصارت سے محروم دو آنکھو!)؛
میرا عذر قبول کرنا کہ میں تمہاری چاہتیں پوری نہیں کرسکتا!!!

کہ تمہاری حسرتوں کے اجالے تو فنا ہو گئے ہیں مگر یہ اندھیرے فنا ہونے والے نہیں۔ اگر تم؛ لوگوں کی محبتیں بھول گئیں ہو تو مجھے اپنی یادِ رفتگاں میں ضرور شامل کرنا۔ کتنی دفعہ ہم نے زمانے کی مدح بیان کرنے کا ارادہ کیا مگر اہل زمان نے ہمیں اس کی مذمت میں ہی مشغول کیے رکھا۔ میں اس حال میں ان لفظوں کو بیان کر رہا ہوں کہ جب آسمان پر چاند اک کمسن بچے کی صورت نمودار ہے جب کہ اندھیری رات بھر پور جوبن میں ہے (پرانے دوستوں کو یاد کرتے کرتے) نیند میری پلکوں سے دور ہو گئی ہے جیسے بزدل کے دل سے عافیت دور بھاگتی ہیا اس رات کے منظر کو دیکھ کر مجھے ایسا لگا، کہ چاند ثریا ستارے سے عشق کر رہا ہے اور وہ دونوں وقتِ الوداع گلے لگ رہے ہیں: (حسرت کا اظہار ہے)

کتنی ہی راتیں، گرچہ وہ بہت گہری تاریک تھیں، مگر محبوب کی یاد کی ہم نشینی میں خوشنما صبح جیسی حسین بن گئیں۔ سہیل ستارے کا نور کسی محبوب کے گالوں جیسا ہے (جنہیں دیکھ کر) چاہنے والے کا دل بدحواس ہو کر ڈوب جاتا ہے

عللانی فان بیض الامانی
فنیت والظلام لیس بفانی
إن تناسیتما وداد اناس
فاجعلانی من بعض من تذکران
کم اردنا ذاك الزمان بمدح
فشغلنا بذم هذا الزمان
فکانی ما قلت والبدر طفل
وشباب الظلماء فی عنفوان
هرب النوم عن جفونی فیها
هرب الامن عن فؤاد الجبان
وکان الهلال یهوی الثریا
فهما للوداع معتنقان

وب لیلٍ کانہ الصبح فی الحسنِ
وإن کان اسود الطیلسان
وسھیلٍ کوجنۃِ الحِب فی اللون
وقلب المحِب فی الخفقان

''اس پیام میں روشن دن جیسی تمازت ہے۔'' وہ ہولے سے مسکرائی تھی کہ کہا اس کی مسکراہٹ سلسبیل کو زخمی نہ کر دے

''میرے برباد شدہ دل کو کوئی خوشی محسوس نہیں ہوتی۔ وہ رونے لگی تھی۔ تمہارا دل برباد نہیں ہے یہ آباد ہے وقتی آندھی نے اس کا سبزہ اکھاڑا ہے اس پر پھر فصل اگے گی ہریالی ہوگی تمہارے دل کی سرزمین زرخیز ہے۔ وہ اسے پیار کر رہی تھی۔

''پھر بتاؤ وہ آتا کیوں نہیں؟''

اس نے آنسو بھری آنکھوں کو جھکا کر پوچھا

''وہ ضرور آئے گا یہ میرا یقین ہے۔''

میں خطیب سے ملتی ہوں اور ہم وقت طے کرتے ہیں۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر اوپر جا رہی تھی وہ جو خطیب اور خداداد کا مسکن تھا وہ جگہ بھی اس گھر کی طرح بے آباد اور ویران لگ رہی تھی۔ ڈی سوزا کے قدم من من بھر کے ہو گئے تھے

یہ کیسا امتحان تھا؟

کہ دنیا میں جن دو لوگوں سے اسے محبت تھی وہ دونوں ہی ناقابل تلافی نقصان کی زد میں جکڑے اپنی اپنی زندگی سے ہی بیزار اور مایوس تھے

ہاؤس فراؤ کا سارا مکان اجڑی بیوہ جیسا تاثر چھوڑ رہا تھا۔ نیم اندھیرا اور بس سسکیاں جو لوگ اپنا سب کچھ کھو دیتے ہیں وہ خطیب اور ڈی سوزا کی طرح ہی ہو جاتے ہیں۔ مُردہ کُتیا کے پارچے یہ راجستھانی ادب سے رات کو وہ پڑھ رہی تھی

جے پور۔۔کے کوڑے کی سانسیں
''رَگُوو،'' کی نسوں میں گھل چکی تھیں

پچھلے ستر جاڑے۔۔۔۔۔۔۔۔اس نے، اسی کوڑے اور کباڑ کو ٹٹولتے ہوئے گزارے تھے۔ بھوک دنیا میں ہر جگہ بھیانک ہوتی ہے

لیکن ایک گمنام صحرا میں سب سے بھیانک ؛ ہو جاتی ہے، ایک سنسان گلی میں، جھٹپٹا جب چھا رہا تھا، اس کا ہر عضو تین دن کی بھوک سے تحلیل ہو رہا تھا وہ ریت نہیں کھا سکتا تھا کہ ریت تو اس کے وجود کا ماخذ ٹھہری ہی تو اس کا وجود بن چکی تھی یا پھر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شاید وہ مٹی کھا لیتا لیکن راجھستان میں ہر جگہ مٹی بھی نہیں بھیک کی فریاد سننے کے لیے بھی نہیں،،،،،، اس کے لیے بھی ریگ اور جھاڑ ہیں۔ بس! دو ہاتھ کی اوٹ میں، ایک برقی تنصیب کے پاس، وہ جیسے گر گیا ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پھر اوٹ سے گزر کر اس کے سامنے ایک مردہ چوپایہ لیٹا تھا۔۔۔۔، اس کے جبڑے اور پینگل کر

سخت ہو چکے تھے، کریہہ سرخی،
اس کے گوشت میں رچی بسی تھیدھڑ جیسے کسی درندے نے پھاڑا ہو
وہ دو پارچے تھے،
اوپر۔۔۔ تلے؛ دو پارچے۔۔۔۔۔۔،
وہ آگے بڑھ گیا، اس کے ذہن میں کوئی سوچ نہ تھی ایک پردیسی کی طرح جس کا سامان لٹا جا رہا ہو اور وہ آگے بڑھے، اسے بچانے کی خاطر
اسی مانند اس کے ذہن میں کوئی سوچ نہ تھی وہ خالی تھا،،،، پورا وجود اس کا پیٹ بن گیا تھا
وہ بالکل کورا ہوتا گیا اس نے ایک جھٹکے سے دونوں پارچے الگ کیے اور خود کو اپنی پناہ گاہ کی جانب گھسیٹنے لگا
وہ گوشت لے کہ جا رہا تھا،،،، تین دن کی بھوک کے بعد ایک پلا اس کے ٹخنوں سے لٹک رہا تھا
انجانے میں اسے ہوش نہ رہا،،، وہ انہیں مردہ پارچوں کے پاس کہیں ماتم زدہ براجمان تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔۔۔۔۔۔
اس کا وجود خالی تھا۔۔۔۔۔۔۔ اس کا دماغ اور سانسیں۔۔۔ سب خالی پلے نے اس کی لنگی پر پنجہ اڑایا اس نے اسے ترستا دیکھ کر اٹھالیا
اس کی آنکھوں میں عجیب درماندگی تھی۔ رگو نے کبھی اپنی آنکھیں نہ دیکھی تھیں
لیکن شاید وہ دیکھتا کہ اس کی آنکھوں میں اس پلے کی آنکھوں۔۔۔۔۔۔ سے تشابہ۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک پکار ہے۔ جسے کوئی نہیں سنتا
لیکن پلے کی آہ وہ سن سکتا تھا، اس کی کوئی کان نہ سن سکتا تھا اس نے۔۔۔۔۔۔۔ پلے کو گود میں رکھ کر ایک نگاہ دیکھا اور پھر نیچے اتار دیا
ایک بچے کے سامنے اس کی ماں کو کوئی کھانے کے لیے جلا دیا اور پھر اسی کی ہڈیاں اس بچے کو چبانے کو دے،،،، اس سے بھی بہت کچھ بھیانک وہ کر سکتا تھا لیکن اس رات اس نے نہ کیا اپنی ہوا اور ریت سے بھری بوری جو کبھی کباڑ میں رضائی بن کر ملی تھی اسے۔۔۔۔۔۔ اس نے جاڑے کی ہڈیاں چیخ شدت میں پلے کو لپیٹ کر کونے میں دبا دیا۔۔۔۔۔۔۔۔
زندگی میں سب کچھ روٹی نہیں ہے!
لیکن ابھی کچھ دیر پہلے تو تھی۔۔۔۔۔۔۔
جاڑے میں رات کو خالی زمین پر روٹی سے کہیں آگے۔
ایک لحاف ہے،،،،،، جتنا بھی پرانا ہو،،،،، جتنا بھی گھٹیا۔۔۔۔۔ اس کا دماغ اب بھی خالی تھا۔۔۔۔۔ رات وہ ''الومینیم'' کے ڈبے میں کوڑا جلا کر سینک لیتا رہا۔۔۔۔۔۔ وہ تین دن سے بھوکا تھا اور پلا بھی شاید۔۔۔۔۔۔۔۔
صبح پو پھٹنے پر اس کا چہرہ پتھرا چکا تھا وہ آج رات سویا نہیں تھا۔۔۔۔۔۔ لیکن پچھلی دو راتوں میں خوابیدہ رہا تھا پلا سو رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔ جاڑے میں سب سے بھیانک بھوک نہیں،،،، آگ برساتے آسمان میں جیسے پانی ہو۔۔ نہیں!

سب سے بھیانک ہے خالی زمین پر رات کو رضائی نہ ہونا سورج نے موسم میں ایک گرم لہر پھیلا دی

رگو وسو رہا تھا اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پلا اس کے تلوے چاٹ رہا تھا۔

پاکستان میں رشتوں کو اتنا ہی مفاد پرست دیکھا تھا جتنا جرمنی میں اس کی ماں سمیت بہت سارے لوگ تھے۔ ان میں مخلص بہت کم تھے بہت ہی کم ہر ایک مفاد سے جڑا تھا ہر ایک کی دوسرے کے ساتھ ضرورت وابستہ تھی وہ جلدی ہی یہاں کے ماحول سے گھبرا گیا تھا

اسے اردگرد لوگوں نے بھی بتایا تھا کہ یہ جگہ یہ ملک اس کے رہنے کے قابل نہیں ہے وہ جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتا تھا مگر اس سے پہلے شافیہ کی کچھ ضروری ڈاکیومینٹیشن کروانا تھی وہ شافیہ کو ساتھ لے کر جا رہا تھا

یہ فیصلہ ہو چکا تھا

خداداد اور خطیب کو ہشام کی طرف سے میسج وصول ہو گیا تھا

یعنی وہ واپس آ رہا تھا ڈی سوزا نے سوچا کہ یہ خوشخبری وہ سب سے پہلے سلسبیل کو دے گی مگر سلسبیل یہ خبر سن کر بھی ٹس رہی تھی جیسے سن ہوتے ہیں

: جیسے بالکل جذبات سے خالی اور کھوکھلے جیسے کوئی مجسمہ جس پر کوئی چیز اثر نہ کرتی ہو۔ ڈی سوزا کا دل بھر آیا تھا

خلیل جبران کہتے ہیں

Do not love half lovers

ادھوری محبت کرنے والوں سے کبھی دل نہ لگاؤ

کچے پکے دوستوں کی خدمت نہ کرو

ایسے لوگوں کے کام میں شریک نہ ہو جو اپنے کام کے ماہر نہیں

آدھی زندگی مت جیو

اور آدھی موت بھی نہ مرو

اگر تم خاموشی چنتے ہو تو مکمل خاموشی اختیار کرو

جب تم بولنے لگو تو تب تک بولو جب تک تمہاری بات مکمل نہ ہو جائے

کوئی بات کہنے کے لیے، خود کو کبھی خاموش مت کرو

اگر تم کچھ قبول کرتے ہو تو کھل کر اس کا اظہار کرو

اس پر نقاب نہ چڑھاؤ

اگر تم اا چاہتے ہو تو واضح طور پر کرو

کیوں کہ مبہم انکار کا مطلب، کمزور اقرار ہوتا ہے

کبھی آدھا حل قبول نہ کرو

آدھے سچ پر یقین نہ کرو

کبھی ادھورا خواب نہ دیکھو

ادھوری امیدوں کے بارے میں سنہرے خواب نہ دیکھو
ادھورا مشروب تمہاری پیاس نہیں بجھائے گا
آدھا ادھورا کھانا تمہاری بھوک مٹانے سے قاصر ہوگا
آدھا راستہ طے کرنے سے تم کہیں نہیں پہنچو گے
ادھورا خیال تمہارے لیے کوئی ستارے نہیں لا سکے گا
تم ایک مکمل انسان کی شناخت رکھتے ہو
بجائے اس کے کہ تم ادھوری زندگی جیو۔
اس نے بھیگی آواز میں کہا تھا جیسے اسے تحریک دلا رہی ہو
اسے زندہ رکھنے کے لیے لفظوں کی آکسیجن مہیا کر رہی ہو وہ ایک اچھی غم گسار تھی درد دل رکھتی تھی
دہ رہنے کے لیے ہمیں اپنے سے زیادہ غم زدہ لوگوں کو دیکھ کر صبر کرنا چاہیے۔
ڈی سوزا کہہ رہی تھی
''صبر کرنا اور صبر سے جھیلنا بہت فرق ہے نا۔''
سلی کی آواز نم تھی
''زندگی کو آگے لے کر جانا ہوگا کیا تم نے فلسطین میں بے گور وکفن کٹی پھٹی لاشوں والے بچے نہیں دیکھے؟ بھوک پیاس خوف اور بے گھر وہ اللہ کے بھروسے پر ہیں نا جو زندہ رہ گے؟ تو ہم صبر کیوں نہیں کرتے؟ ایک دوسرے کو دیکھ کر میٹھے بول کبھی کبھی سہارا بن جاتے ہیں اور کبھی کبھی سکون کی علامت بھی رات کو کھڑکی کے اس پار وہ اپنی گزشتہ کے پل گن رہی تھی۔ وقت جیسے بھاگ رہا تھا بہت تیزی کے ساتھ

المرء يبذل العمر نفسه
فاذا الليل بالمساء يشنع

انسان خود اپنے ہاتھوں سے اپنی عمر گنواتا رہتا ہے (اور اسے کوئی تعجب نہیں ہوتا) مگر جو کبھی شام ڈھلے رات چھا جائے تو حیران ہونے لگتا ہے۔
شاید ایسا ہی تھا
احساس کتنا حسین تعلق تھا؟
اس نے اپنے دل میں ایک ہلکی سی رمق محسوس کی تھی جیسے زندگی کی لہر دوڑی ہو کچھ لوگ اسے دھرم کہتے ہیں کچھ ایمان سے مستعار لیتے ہیں کچھ احساس کا ثبوت مانگتے ہیں میں اسے دل کی تنہا دھک دھک کا نام دیتی ہوں، جو سب بتاتی ہے۔۔

Feelings
Some call it religion
Few tag it as faith
Other half ask for evidence
I name it a silent beat of heart

......Which

سمیح القاسم کا قصیدہ ''مامن اله سواك'' روشن دن کی طرح زندہ حقیقت بن کر ہر سو ایک ردہم میں گایا جا رہا تھا

یہ چراگاہیں مسموم گھاس اور سبزے سے بیزار ہیں
میری بھیڑیں یہاں، میری باہوں کے حلقے میں مردار ہیں
میرے میٹھے کنوئیں میں وہ سب مل کے پتھر گراتے رہے
میری انجیر برباد کی
اور زیتوں جلاتے رہے
میرے خرما کے باغوں پہ
یلغار کی
اور شاخوں کو توڑا
میری داکھوں میں جتنا بھی خوش رنگ شیرہ تھا
لے کر نچوڑا
میرے لیموں کے پیڑوں پہ بمباری کی
اور پودینے کو دی سوکھنے کی سزا
میرے مولائے کل، سب کے حاجت روا
کیسے ظاہر کروں اپنا کرب و بلا؟
اور سناؤں کسے دہشتوں کی کتھا؟
میرا کوئی نہیں ہے تمہارے سوا
دیکھتا ہوں تجھے کس قدر دھیان سے
دیکھتا ہوں تجھے پورے جی جان سے
تو بھی میری طرف دیکھتا ہے مگر
ایک الگ طرز سے
ایک الگ شان سے
تو کہ مولائے کل، رب ارض وسما
حبس اور قید کے جبر سے ماورا
میں گرفتار، محبوس وحشت سرا
میں اسیر قفس، بے کس و مبتلا۔

لفظ رو سکتے تھے جیسے انسان روتے تھے
ایسے ہی ماحول بھی روتا ہے اور احساسات بھی روتے ہیں
سلسبیل کو لگا وہ بھی رو رہی ہے وہ دونوں رو رہے تھے اور ان کے ساتھ پورا ابوار یا رو رہا تھا
ہاں جب غبار چھٹ گیا تھا تو سلسبیل نے زرد پتوں کی چرمراہٹ جیسا ایک سوال پوچھا تھا

''کیا فلسطینی عورتیں ناجائز بچوں کو جنتی ہیں؟''
اسے لگا خطیب بھی رویا ہے اس کا چہرہ زرد ہوا تھا پھر سیاہ پڑ گیا تھا
اور وہ لب بھینچ کر ضبط کرتا رہا
''جو تمہارے ساتھ ہوا ایسا بہت ساری مظلوم عورتوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے صبر اور ہمت سے تم اسے شکست دے سکتی ہو اگر تم چاہو تو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں''
خطیب کے لفظ اس کے لیے ایک بڑی امید تھے اسے لگا آج بوار یا میں بہت دن کے بعد آکسیجن میسر تھی وہ کھل کر سانس لے سکتی تھی۔
انسان کو اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے۔
یہ بات شافیہ کو کبھی سمجھ نہیں آئی تھی اس نے ہمیشہ دوسروں کے مطابق ہی زندگی گزاری کہ اس سے کوئی ناراض نہ رہے کوئی اس کے بارے میں برا نہ سوچے کوئی اس کے بارے میں غلط خیال نہ کرے
یہ سب کرتے کرتے اس کی اپنی زندگی تو بلکل محدود ہو کر رہ گئی تھی
اسی لیے عظیم فلسفہ نگار اپنی زندگی کے نچوڑ پیش کر چکے تھے
''مرنے کے بعد لوگ آپ کو زیادہ یاد نہیں کریں گے، یہ صرف چند دن ہے اور پھر آپ بھولے ہوئے لوگوں میں سے ہو جائیں گے، گویا آپ پیدا ہی نہیں ہوئے اور نہ ہی کبھی تھے۔ اتفاق سے آپ کا ذکر چند بار ہوگا، لیکن آپ ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائیں گے کیونکہ نئی نسلیں زندہ ہو جائیں گی۔ تب لوگ یاد نہیں رکھیں گے کہ آپ کون ہیں، اور وہ آپ کے اصولوں کو یاد نہیں رکھیں گے جن پر آپ ہمیشہ کاربند رہے، اور نہ ہی وہ یہ یاد رکھیں گے کہ آپ شریف النفس تھے یا بُرے ولن... دونوں صورتوں میں آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ان کے الفاظ بالکل!
اپنی زندگی کو اس طرح گزاریں جس طرح آپ اسے دیکھتے ہیں، جس طرح سے آپ کو خوشی ملتی ہے، کیونکہ زندگی آپ کی زندگی ہے، اور گزرے ہوئے دن کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ اپنی زندگی جیو جیسا کہ آپ کو مناسب لگتا ہے۔
شافیہ نے سوچا تھا وہ جرمنی جا کر اپنی مرضی کا جینے کی کوشش کرے گی اس وقت بھی جب سمیرا نے اس کے جانے سے پہلے جو کچھ جی جی اسے دے کر گئی تھیں اس میں سے حصہ مانگ لیا تھا تب شافیہ نے جو کچھ اس کے پاس تھا وہ دے دیا، اسے دوبارہ اس خود غرض سرزمین پر قدم نہیں رکھنا تھا یہ اس کا آخری فیصلہ تھا۔
جاتے سمے آنٹی ثروت سنہرے اور اس کے بھائی سب ان سے ملنے آئے تھے خداداد کی پوری کوشش تھی کہ وہ بھی جرمنی سیٹ ہو کر اپنے بہن بھائی کو بلالے عنقریب یہ لوگ بھی جانے والے تھے جس دن ان کی روانگی تھی وہ اس سرزمین سے سارے تعلق ختم کر کے جا رہی تھی یہ چند خود غرض لوگ جو صرف اور صرف پیسے کے پجاری تھے ان کی کیا حثیت واہمیت تھی؟
صرف دو کوڑی کے لوگ تھے بابا ایک مٹی کے مادھو وہ بہت آزردہ دل کے ساتھ اس سرزمین کو چھوڑ رہی تھی

اور جب جہاز بادلوں کے اوپر پرواز کر رہا تھا شافیہ کے لیے دنیا کا ایک اور دروازہ کھل رہا تھا
تم بھلائے گے۔۔۔۔۔محمود درویش
کہتے ہیں
تم بھلائے گئے۔۔۔
یوں بھلائے گئے جیسے تھے ہی نہیں
تم بھلائے گئے
جیسے (کھنڈرات میں) پنچھیوں کی قضا
یا کنیسے کی خاموش، گم سم فضا
راہ چلتی محبت (پراگندہ خواب)
رات کے (ہاتھ میں جیسے) کالے گلاب
تم بھلائے گئے۔
آہ۔
بواریا کے ایک گاؤں میں سسکی ابھر رہی تھی
افل نوائب الایام وحدی
إذا جمعت کتائبها احتشادا
کانی فی لسان الدهر لفظ
تضمن منه اغراضا بعادا
میں نے حوادثِ زمانہ کو تنہا گزار لیا۔ جب مصیبتوں کے لشکر جمع ہوتے تو میری تنہائی ان کے سامنے ڈٹ جاتی۔
میں تو اس ہستی کی زباں پر ایک لفظ تھا جس سے لوگ بعید غرضیں اور مطالب نکالتے رہے۔
میں اپنی بیٹیوں کو یہ
سکھاؤں گی
نہ چپ رہیں کہ عزتوں کے بوجھ سے
کبھی جو سانس تنگ ہو
تو پگڑیوں پہ تھوک دیں
طمانچے مارنے کا حوصلہ نہ ہو
تو پھر بھی اتنا کر سکیں
کہ زندگی کے منہ پر چار
گالیاں تو بک سکیں۔

باقی آئندہ

تجدید محبت

سباس گل

کوئی اتنا پیارا کیسے ہو سکتا ہے؟
پھر سارے کا سارا کیسے ہو سکتا ہے؟
فہد نے بڑے ترنگ میں یہ شعر پڑھا تھا تو احد نے متجسس ہو کر پوچھا:
"کس کی بات کر رہے ہو؟"
"نور محل کی جو سارے کا سارا اتنا حسین اتنا پیارا ہے کہ دیکھ دیکھ کے نظر بھرتی ہے نہ دل، اُف کیا حسن ہے۔"
فہد نے بڑے فدائیہ انداز میں جواب دیا تو احد کو خاصی مایوسی ہوئی۔ اس کے جواب سے منہ بنا کر بولا۔
"اے لو، میں سمجھا تھا کسی لڑکی کی بات کر رہا ہے جو اتنا فریفتہ ہوا جا رہا ہے۔"
"کیوں؟ حسین اور پیارا ہونا کیا صرف لڑکی پر، صنف نازک پر ختم ہے؟"
"نہیں! مگر نوجوانوں اور دیوانوں کو حسن صرف لڑکی یا عورت میں ہی نظر آتا ہے۔" احد مسکرا کر بولا۔
"دیکھنے کا زاویہ بدلو گے تو عورت کے علاوہ بھی دنیا میں بہت کچھ نظر آئے گا۔" فہد کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے بولا۔
"ہاں مگر عورت کے حسن سے، لڑکی کی خوبصورتی سے ہم نظریں نہیں پھیر سکتے اور شاعر مشرق نے بھی کیا خوب کہا تھا کہ
وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ"
"ہاں! یہ بہت ثانوی بات ہے، عورت کو مائنس کر کے دیکھو، دنیا میں ہر طرف حسن ہی حسن بکھرا ہوا ہے۔ تم ٹھرکی قسم کے لوگ ساری دنیا کا حسن چھوڑ کر ایک لڑکی پر فدا ہو جاتے ہو۔" فہد نے سنجیدگی سے کہا۔
"توبہ توبہ، شاعر مشرق کو جھٹلا رہے ہیں آپ، ان کے کہنے کو غلط اور ٹھرکی سے تعبیر کرنے کی کوشش بلکہ گستاخی کی ہے فہد مرزا آپ نے، میں علامہ اقبال کے مزار پر جا کر شکایت کروں گا آپ کی، دیکھ لینا۔"
احد اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے اپنے مخصوص پر مزاح لہجے میں گویا ہوا۔
"دھیان سے جانا، یہ نہ ہو کہ وہیں دھر لئے جاؤ۔"
وہ ہنس کر اسے ڈراتے ہوئے بولا۔
"امکان تو بہت ہے، جو شکایت لے کر جاتا ہے وہی دھر لیا جاتا ہے لیکن ابھی تک قبر سے مردوں کے اٹھنے اور گرفتاری ڈالنے کا کیس سامنے نہیں آیا۔ یہ تو زندوں نے زندوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔" احد نے بے بسی سے کہا۔
"صحیح کہہ رہے ہو، ہر ناجائز خواہش کو قانون کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے اور ہر قانونی دلیل کو بے توقیر کیا جا رہا ہے۔"
"یہ سلسلہ تو نجانے کہاں تک پہنچے۔ فی الحال آپ ڈرائنگ روم میں پہنچیں، کب سے خالہ آئی ہوئی ہیں اور ان کے ہونے والے داماد جی نے اب تک انہیں سلام بھی نہیں کیا۔"
احد نے خوبرو چھبیس سالہ فہد کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"یار! یہ سلامی کے پروگرام کب تک چلیں گے؟"
فہد بیزاری سے بولا۔
"جب تک ہے جان۔" وہ شوخی سے بولا۔
"یعنی تمام عمر؟"
"ہاں تو تمہیں اتنی بیزاری کیوں رہتی ہے؟ چار دن کی زندگی ہے، ہنسی خوشی، پیار محبت سے گزارو۔"
"چار دن کی زندگی ہے اور چھبیس سال سے جئے جا رہے ہیں۔" فہد مسکراتے ہوئے بولا۔

''شکر الحمدللہ کہو اور چلو نمیرہ بھی انتظار کر رہی ہے۔''

''ظاہر ہے، اس کی خالہ کا گھر ہے اور تایا کا بھی، ڈبل ٹرپل رشتے ہیں نمرہ بھابھی کے اس گھر سے، تو کیوں نہ آئیں وہ یہاں؟''

''میں کیا بات کروں گا اس سے؟''

''آئی لو یو بول دینا اور جتنے قصیدے ''نور محل'' اور شمالی علاقوں کی خوبصورتی کے پڑھ رہے تھے ناں، تھوڑے سے نمیرہ بھابھی کی شان میں بھی پڑھ دینا۔''

''یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔'' فہد نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تم کوئی اعلیٰ درجے کے نمونے ہو، قدرتی حسن، عمارتی حسن تم کو Fascinte کرتا ہے اور قدرت کا حسین شاہکار ایک پیاری سی لڑکی جو تم سے منسوب ہے، وہ تمہیں محبت اور تعریف کے قابل محسوس نہیں ہوتی؟ بھیا! شادی ہونا ہے نمیرہ سے تمہاری، کچھ تو اس پر توجہ دو۔''

احد نے اسے تاسف اور شکوہ بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''شادی ہو جائے گی ناں تو توجہ بھی دے دوں گا، فی الحال میں یہ چونچلے نہیں کر سکتا۔'' وہ رکھائی سے بولا۔

''تمہیں وہ پسند نہیں ہے؟''

''میں نے ایسا تو نہیں کہا۔''

''تمہاری حرکتیں اور باتیں تو یہی ظاہر کرتی ہیں۔ دیکھو یہ ایک لڑکی کی پوری زندگی کا معاملہ ہے اور شادی شدہ زندگی بیزاری اور ناگواری سے نہیں گزرتی، سوچ سمجھ کر امی کو اپنی مرضی بتا دو، ابھی بھی وقت ہے۔''

احد نے سنجیدگی سے کہا۔

''یار، کیا بتاؤں میں؟ شادی کے لئے ماننا کافی نہیں ہے کیا؟ اب میں محبت کے دعوے اور عملی مظاہرے بھی کروں تب تم لوگوں کو یقین آئے گا کہ میں نمیرہ سے شادی پر دل سے راضی ہوں۔'' وہ بیزاری سے بولا۔

''تو تم دل سے راضی ہو؟'' احد نے بغور اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھا تھا۔

''ہاں! اور راضی ہونے کا مطلب محبت ہونا نہیں ہوتا۔''

''واہ کیا لاجک ہے؟'' اسی وقت نمیرہ کی آواز ان دونوں کی سماعتوں میں حیرت بن کر اتری تھی۔

''نمیرہ۔'' احد اور فہد دونوں اسے دیکھ کر ایک ساتھ بولے تھے۔

''آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے، میں پسند نہیں ہوں تو آپ اس رشتے سے انکار کر سکتے ہیں کیونکہ میں آپ کی زندگی میں زبردستی، ان چاہی اور مجبوری کی علامت بن کر نہیں آنا چاہتی۔'' نمیرہ نے فہد کو دیکھتے ہوئے پراعتماد لہجے میں کہا۔ وہ دونوں اپنی جگہ شرمندہ ہو گئے تھے۔ نمیرہ نے اتفاقاً ان دونوں کی باتیں سن لی تھیں۔

''نن...... نہیں، نمیرہ! ایسی بات نہیں ہے۔''

فہد ہکلاتے ہوئے بولا۔ احد اس کی حالت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

''خوشی، سکون اور محبت کا انتخاب ہم خود کرتے ہیں، کسی ایک کی خوشی دوسرے کی غمی، کسی ایک کا سکون دوسرے کے لئے بے سکونی کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ ایک ہی جذبہ بیک وقت دو انسانوں کے لئے دو مختلف معنی اور احساسات کا حامل ہوتا ہے۔ مگر شادی کا بندھن دونوں فریقین کی دلی رضامندی، پسند اور پیار

سے ہی بنتا اور نبھاتا ہے۔ اس میں زبردستی یا مجبوراً کسی ایک فریق کو دوسرے سے محبت پر آمادہ نہیں کیا جاسکتا۔'' نمیرہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا اور واپس پلٹ گئی۔ وہ دونوں ہونقوں کی طرح ایک دوسرے کا منہ تکتے ہوئے وہیں کھڑے رہ گئے۔

شاہد مرزا اور زاہد مرزا دونوں بھائی تھے۔ متوسط طبقے سے تعلق تھا۔ دونوں بھائیوں کی شادیاں اپنی کزنز دو بہنوں حمیرا اور سمیرا سے ہوئی تھیں۔ شاہد مرزا بڑے بھائی تھے، ان کی بیوی حمیرا تھیں، ان کے دو جڑواں بیٹے تھے فہد مرزا اور احد مرزا۔ زاہد مرزا اور سمیرا کے بھی دو بچے تھے بیٹی نمیرہ اور اس سے اڑھائی برس چھوٹا بیٹا موحد تھا۔ شاہد مرزا اور زاہد مرزا کا گاڑیوں کا شوروم تھا۔ دو دکانیں کرائے پر دی ہوئی تھیں۔ گزر بسر اچھی ہو رہی تھی۔ دونوں بھائیوں کے گھر بھی ساتھ ساتھ تھے بلکہ صحن کی دیوار میں دروازہ لگایا گیا تھا تاکہ بآسانی ایک دوسرے کے گھر آ جا سکیں۔ گیٹ سے باہر نہ جانا پڑے۔

نمیرہ نے حال ہی میں ایم ایس سی کے امتحان دیئے تھے۔ وہ پھولوں، تتلیوں، شاعری اور نغموں کی دیوانی ایک شوخ، چنچل اور زندگی سے بھرپور لڑکی تھی۔ موحد انجینئرنگ کے دوسرے سال میں ہوا تھا۔ ابھی وہ بھی شوخ مزاج کا تھا۔ موحد کی دوستی احد سے بہت زیادہ تھی۔ فہد مرزا نے فائن آرٹس میں ماسٹرز کیا تھا اور دو سال سے ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی میں کام کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ اپنی تعلیم کے مطابق وہ جاب کے لئے کہیں اور بھی اپلائی کئے ہوئے تھا۔ آرٹ کالج میں جاب کرنا اس کا خواب تھا۔ وہ قدرتی مناظر، خوبصورت عمارتوں، پہاڑوں اور وادیوں کا دلدادہ تھا۔ احد بھی چونکہ اس کا ہم عمر تھا لیکن مزاجاً بہت شوخ اور ہنس مکھ تھا۔ فہد سنجیدہ تھا۔ انسان سے زیادہ چیزوں، پہاڑوں، عمارتوں، قدرتی نظاروں سے متاثر ہونے اور پیار کرنے والا...... احد میڈیکل کے تیسرے سال میں تھا۔ نمیرہ نے جب سے خواب دیکھنے کی عمر میں قدم رکھا تھا، فہد مرزا کے خواب اس کی آنکھوں نے دیکھے تھے۔ حمیرا اور شاہد مرزا نمیرہ کو اپنی بہو بنانا چاہتے تھے۔ سمیرا اور زاہد مرزا کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا لہٰذا پانچ ماہ پہلے ان دونوں کی باقاعدہ منگنی کر دی گئی تھی۔ نمیرہ کو اپنے خوابوں کے شہزادے سے منگنی ہونے پر بے حد خوشی تھی۔

فہد بھی بظاہر خوش تھا مگر اس نے کبھی بھی نمیرہ سے اپنی پسندیدگی یا محبت کا اقرار اور اظہار نہیں کیا تھا۔ نمیرہ گلابی مائل دودھیا رنگت کی مالک تھی۔ سیاہ آنکھیں، سیاہ زلفیں، چہرے کے دل کش نقوش، سرخ ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی گلاب کی طرح کھلتی تھی۔ مناسب قد کاٹھ، سلم سمارٹ سی وہ شاعر کی خوبصورت غزل لگا کرتی تھی۔ ہر کوئی اس کے حسن اور حسن اخلاق کے گن گاتا تھا۔ ایک فہد مرزا تھا کہ کبھی کبھار عید تہوار پر اس کے پوچھنے پر کہ ''میں کیسی لگ رہی ہوں؟''

''اچھی لگ رہی ہو، اتنے خوبصورت لباس میں تو اچھی ہی لگو گی۔''

یہ جواب ہوتا تھا فہد مرزا کا جو نمیرہ کو خفا سا کر دیا کرتا مگر وہ یہ سوچ کر اظہار نہیں کرتی تھی کہ مذاق میں کہا ہوگا فہد نے...... اب منگنی کے بعد واضح الفاظ اور بیدار لہجے میں نمیرہ نے فہد کی باتیں سنیں تو اس کا معصوم سا دل ٹوٹ گیا تھا۔ وہ برسوں سے اس کی محبت میں ڈوبی ہوئی تھی اور فہد تھا کہ لمحوں میں اسے بے مول کر کے رکھ دیا تھا۔ کوئی لطیف جذبہ، احساس، پیار بھرا جملہ کچھ

بھی نہ تھا اس کے لئے فہد مرزا کے پاس۔ وہ گھر اپنے کمرے میں آ کر خوب روئی تھی۔

''محبت کسی بیوہ فاختہ کی طرح
اپنے پروں میں سر دیئے
دن کی دہلیز پہ، اداس پڑی رہتی ہے
''تجدید محبت'' کرنے اس سے کوئی نہیں آتا
کہ
آ کے اس کی مانگ میں ستارے بھر دے
اسے پھر سے سہاگن کا لال دوپٹہ اوڑھا کر
اس کے زرد ہونٹوں پر
خوشیوں کی لالی بکھیر دے
محبت اپنی ''بیوگی'' کے غم میں ہے کب سے
کسی ''لو برڈ'' کی منتظر ہے یہ
چلو یوم محبت پر، اسے ہم سرخ پھولوں کا
حسین بکے دلاتے ہیں
اسے پھر سانس لینے کا نیا روزن دکھاتے ہیں

نمیرہ لان میں لگے جھولے پر اداس، گم سم سی بیٹھی تھی۔

فہد اور احد وہاں سے گزر رہے تھے۔ ان کی نظر اس پر پڑی تو وہ خود ہی شرمندہ سے ہو گئے اس خیال سے کہ نمیرہ نے پرسوں ان کی باتیں سن لی تھیں۔ بنا اس سے بات کئے وہ دبے پاؤں اپنے پورشن میں آ گئے۔

''غلطی تمہاری ہے اور شرمندگی مجھے ہو رہی ہے۔''

احد نے فہد کو گھورتے ہوئے کہا تو وہ کھسیانا سا ہو کر بولا۔

''مجھے کیا پتا کہ وہ سن لے گی۔''

''یہ تو پتا ہے نا کہ نمیرہ سے منگنی ہو چکی ہے تمہاری اور عنقریب شادی بھی ہونے والی ہے تم دونوں کی، پھر بھی تم اسے اجنبی کی طرح ٹریٹ کرتے ہو۔''

''یار! اس نے امی ابو سے تو نہیں شکایت کی ہو گی؟''

''کس کے امی ابو سے؟''

''اپنے اور کس کے؟''

''شکایت کی ہوتی تو اب تک یہاں بھی طبل جنگ بج چکا ہوتا اور جناب کی پیشی لگی ہوئی تھی اپنے امی ابو کی عدالت میں۔'' احد نے کھلی کھلی گندمی رنگت والے اپنے خوبرو جڑواں بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ دونوں کی شکلیں آپس میں کچھ کچھ ملتی تھیں۔ فہد اپنے ابو پر گیا تھا اور احد اپنی ماں کا عکس رکھتا تھا۔

''ہاں، کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔'' فہد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تو اس سے پہلے کے نمیرہ بھابھی کا صبر، ضبط اور حوصلہ جواب دے جائے، ان کو منا لو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' احد نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھتے ہوئے مفت مشورہ دیا۔

''مگر مجھے تو منانا بھی نہیں آتا۔'' وہ بے چارگی سے بولا۔

''تو بھیا! سیکھ لو منانا کیونکہ شادی کے بعد آئے دن روٹھنا منانا چلتا ہی رہتا ہے اور شوہر کو ہی ہتھیار ڈال کر بیوی کو منانا پڑتا ہے۔ سو بہتر ہے ابھی سے پریکٹس شروع کر دو۔'' احد نے مسکراتے ہوئے شریر لہجے میں کہا تو وہ پھر سے ہنس دیا۔

''نمیرہ! کیا بات ہے، میں کئی روز سے دیکھ رہی ہوں تم افسردہ اور روئی روئی سی لگتی ہو، کچھ ہوا ہے کیا؟''

سمیرا نے اس کے کمرے میں آ کر پوچھا تھا۔ وہ پریشان لہجے میں بولی۔

''امی! مجھے لگتا ہے فہد ہمارے رشتے سے خوش نہیں ہیں، زبردستی یہ رشتہ جوڑا ہے تایا جان

نے۔‘‘

’’اور تمہیں ایسا کیوں لگا؟ فہد نے کچھ کہا ہے تم سے؟‘‘

سمیرا نے پوچھا تو وہ ڈر گئی کہ کہیں بات بڑھ نہ جائے اور فہد سے اس کی منگنی ہی نہ توڑ دیں امی ابو۔ فہد نہ سہی وہ تو اس سے پیار کرتی تھی ناں نا۔

’’نہیں، وہ کچھ کہتے ہی تو نہیں ہیں ورنہ آج کل کے لڑکے تو اپنی منگیتر سے بات کرنے، ملاقات کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ ان کے لئے تحائف لاتے ہیں۔ ایک فہد ہیں جیسے سنجیدہ اپنے کام سے کام رکھنے والے، منگنی سے پہلے تھے ویسے ہی اب ہیں۔ ذرا فرق نہیں پڑا ان کے مزاج میں۔‘‘

نمیرہ نے رنجیدہ، پریشان اور خفا سے لہجے میں جواب دیا تو وہ اس کی سادگی پر ہنس دیں۔

’’ارے پگلی! یہ تو اچھی بات ہے نا کہ وہ آج کل کے لڑکوں کی طرح چھچھوری حرکتیں نہیں کرتا۔ صحیح وقت آنے پر تم سے اپنے جذبات کا اظہار بھی کرے گا اور تحفے تحائف بھی لایا کرے گا تمہارے لئے۔ اور تم بھول گئیں وہ تو شروع سے ہی سنجیدہ مزاج ہے، احد اور تمہاری طرح باتونی نہیں ہے۔‘‘

’’موحد کو بھول رہی ہیں آپ، وہ منچلا ہے، ایک آپ کے ہونے والے داماد جی ہی ہیں جو ہنسنے میں بھی کنجوسی سے کام لیتے ہیں جیسے ہنسنے کے بھی پیسے دینے پڑیں گے انہیں۔‘‘ نمیرہ نے روٹھے پن سے کہا تو سمیرا کو ہنسی آ گئی۔

’’تم ہنسنا بولنا سکھا دینا اسے۔‘‘

’’اب تک تو نہ سیکھے، بچپن سے ہم ساتھ ہی پلے بڑھے ہیں۔‘‘

’’ہاں یہ تو ہے۔‘‘

’’تو یہ کیسے نیچر لو (Nature Love) ہیں کہ انہیں ایک حسین و جمیل لڑکی سے پیار نہیں ہے۔‘‘ نمیرہ نے دل کی بات بے اختیاری میں کہہ دی۔ ویسے بھی سمیرا ماں سے زیادہ دوست تھیں اس کی۔

’’ایسا ممکن نہیں ہے کہ ایک انسان قدرتی مناظر کا دلدادہ ہو اور اسے خوبصورت لڑکی جو اس کی منگیتر بھی ہو، اس پر پیار نہ آتا ہو۔‘‘

سمیرا نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرے کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تو شرما کر ہنس دی۔

✧✧✧

’’میں نے چار دن سے اس کی شکل نہیں دیکھی۔‘‘

فہد پریشانی کے عالم میں احد سے مخاطب ہوا جو اپنی پڑھائی میں مصروف تھا۔ اس کی طرف دیکھے بنا بولا۔

’’کس کی شکل؟‘‘

’’نمیرہ کی۔‘‘

’’کیوں؟ وہ کہیں گئی ہوئی ہے کیا؟‘‘ احد نے کتاب سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

’’مجھ کیا پتا۔ اکیلی کہاں جائے گی وہ؟ چچا اور چچی تو گھر پہ ہی ہیں، موحد بھی یہاں ہے۔‘‘ وہ بے کلی سے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے چکر لگاتے ہوئے بولا۔

’’تو تمہاری بے کلی ظاہر کر رہی ہے اس کا نظر نہ آنا تمہارے لئے بے قراری کا باعث بن رہا ہے اور تمہیں اس کے نہ ہونے سے فرق پڑتا ہے۔‘‘ احد اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے سامنے آ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

’’پتا نہیں۔‘‘ وہ بے بسی سے بولا۔

’’تو پتا کرو نا۔ اکیلے، تنہائی میں بیٹھ کر سوچو، یاد کرو پرانی باتیں، نمیرہ تمہارے لئے

کتنی اہم ہے، تمہیں اس سے پیار ہے یا نہیں۔
یہ سب تم پر آشکار ہو جائے گا۔"
"تمہیں کیا لگتا ہے؟"
"نمیرہ تم سے محبت کرتی ہے، اب سے نہیں بہت پہلے سے، اس لئے میری مانو! اسے محبت سے منالو۔"
"مجھے تو یہ بھی کنفرم نہیں ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں یا پسند کرتا ہوں اسے۔" فہد الجھن زدہ لہجے میں بولا۔
"تو میرے مشورے پر عمل کرو، تنہائی میں سوچو اس کے بارے میں، دل و دماغ میں اگر اس کی چاہت، محبت پنہا ہے تو گھنٹیاں بج جائیں گی اور اگر نہ ہوئی تو تمہارا گھنٹہ بج جائے گا سب گھر والوں کے ہاتھوں۔" احد نے مسکراتے شوخ لہجے میں کہا۔
"ڈرا کیوں رہا ہے؟ میں پہلے ہی پریشان ہوں نمیرہ کی ناراضگی اور گمشدگی کو لے کر، وہ یقیناً دانستہ مجھے نظر نہیں آنا چاہتی۔ گھر میں اپنے کمرے میں چھپ کر بیٹھی ہو گی جانتا ہوں میں۔" فہد نے پریشان اور خفا خفا سے انداز میں کہا تو احد کو ہنسی آ گئی۔
"بس یہ نہیں جانتے کہ تم بھی محبت کرتے ہو اس سے۔"
"کیا بک رہا ہے؟" فہد نے اسے گھورا۔
"سچ۔" احد مسکرا کر بولا۔
"اسے مجھ سے محبت ہے۔
مجھے اس سے محبت ہے۔
یہی سچ ہے۔
یہی سچ ہے۔"
✧✧✧
"فہد بھائی! میں نے کوفتے پکائے ہیں آپ کو پسند ہیں ناں؟ یہ میں آپ کے لئے لائی ہوں، کھا کر بتائیں کیسے بنے ہیں؟"
فہد کو کافی پرانی بات یادوں کے جھروکے سے گونجتی سنائی دی۔
"یہ تم نے میرے لئے بنائے ہیں؟"
"جی، میں نے آپ کی پسند کی ساری ڈشز بنانا سیکھ لی ہیں۔" وہ خوش ہو کر بتا رہی تھی۔
"وہ کیوں؟" فہد نے کوفتوں کا ڈونگہ لے کر پوچھا تھا۔
"اپنے خاص اور پسندیدہ لوگوں کی پسند کا خیال تو رکھنا چاہئے۔ ویسے بھی میری چھٹیاں ہیں لہٰذا کوکنگ سیکھنے اور سگھڑ بننے کا نادر موقع ہے یہ۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی اور وہ ہنس پڑا تھا۔
"فہد...... بھائی! آپ مجھے مارکیٹ تک لے جائیں گے؟"
نمیرہ کی ایک اور بات اسے یاد آئی تھی۔
"احد سے کہو نا، وہ لے جائے، مجھے تھوڑا کام ہے اس وقت۔"
"تو آپ کس وقت فری ہوں گے؟"
"ڈیڑھ دو گھنٹے تک۔" وہ بولا تھا۔
"ٹھیک ہے، میں آپ کا انتظار کرلوں گی۔ آپ جب فری ہو جائیں تو مجھے بتا دیجئے گا، مارکیٹ تو مجھے آپ کے ساتھ ہی جانا ہے۔"
مطلب نہیں جانا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا اور وہ اس کے اس صاف انکار پر منہ بسور کر اپنے پورشن میں چلی گئی تھی۔ مگر تین روز بعد اس کی سالگرہ پر تحفہ دیا تھا اس نے۔ وہ تحفہ خریدنے ہی جانا چاہتی تھی اس کے ساتھ۔
"نیچر لور کی نیچر بہت لونگ اینڈ کیئرنگ ہوتی ہے اپنے سے جڑے لوگوں اور رشتوں کے معاملے میں لیکن آپ تو اس کے الٹ ہی ہیں۔" منگنی کے بعد کی بات فہد کو یاد آئی۔

”کیوں بھئی! میں کیا خیال نہیں رکھتا اپنوں کا، پیار نہیں کرتا ان سے؟“

”پیار اظہار کا محتاج ہوتا ہے۔ فرض اور ذمے داری الگ احساس ہے۔ خیر آپ عمارتوں اور پہاڑوں سے پیار کریں، ان کو فرق نہیں پڑتا کہ آپ ان سے محبت کرتے ہیں یا نفرت۔ وہ بے جان ہیں، بول نہیں سکتے، محسوس تو بالکل بھی نہیں کر سکتے۔“ نمیرہ کی اس بات نے فہد کو پوری طرح سے جھنجھوڑ دیا تھا۔

”وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، مجھے کئی بار ایسا لگا تھا لیکن میں نے جان بوجھ کر نظر انداز کیا تھا۔ میں نے تو خود سے بھی چھپایا تھا کہ مجھ نمیرہ اچھی لگتی ہے، محبت کی آواز دل سے اٹھتی تھی تو بھی ان سنی کرتا رہتا کہ یہ اظہار میرے بس کی بات نہ تھی۔ میرا مزاج سب کے سامنے سنجیدہ اور لئے دیئے ہوئے انداز میں ہی رہا ہمیشہ۔ مجھے اظہار کا طریقہ، سلیقہ یا ہنر بھی نہیں آیا...... شاید اس لئے بھی کہ جو من پسند تھی بھی مجھے پسند کرتی تھی اور بنا کسی رکاوٹ اور مسئلے مشکل کے مجھے مل رہی تھی۔ میری زندگی میں شامل ہونے جا رہی تھی۔ میں نے محبت کو حق سمجھ لیا تھا اور اظہار کا خیال بھی نہ آیا مجھے۔ نمیرہ صحیح کہتی ہے، رشتے اظہار اور پیار سے مضبوط ہوتے ہیں۔ شادی کا بندھن دونوں فریقین کی دلی رضامندی، پسند اور پیار سے بنتا، پنپتا ہے۔ اس میں زبردستی یا مجبوری نہیں چلتی۔ شادی کو چلانے کے لئے عمر بھر محبت اور عزت دینا پڑتی ہے۔“ فہد مرزا نے تنہائی میں بیٹھ کر نمیرہ کی بہت سی باتوں، ماضی میں اس کے اور اپنے درمیان ہونے والی گفتگو کو یاد کیا تو سمجھ میں آیا کہ وہ تو نجانے کب سے اس کی محبت میں گرفتار تھی اور خود فہد مرزا بھی دل ہی دل میں اسے پسند کرتا تھا مگر اسے چاہت، محبت کا نام دینے اور سنجیدہ لینے سے، تسلیم کرنے سے بھاگ رہا تھا۔ اب جب نمیرہ ناراض تھی، اس سے ارادتاً چھپ رہی تھی اور احد نے اسے سوچنے، سمجھنے، یاد کرنے کا مشورہ دیا تھا تو اس پر منکشف ہوا تھا کہ وہ کنفرم محبت کرتا ہے نمیرہ سے اور وہی اس کی خوشی اور چاہت ہے۔ یہ ادراک نمیرہ کی خفگی اور دوری کے بغیر شاید نہ ہوتا اسے، اب ہو گیا تھا تو وہ ہلکا پھلکا ہو کر مسکرا رہا تھا اور نمیرہ کو منانے کا طریقہ سوچ رہا تھا۔

✧✧✧

”کوئی پاس کیسے آ سکتا ہے جب تک کہ وہ دور نہ جائے؟“

فہد مرزا مسکراتے ہوئے بولا تو احد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر شوخ و شریر لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”یعنی میرا مشورہ کارگر ثابت ہوا ہے اور بھائی کو سمجھ آ گئی ہے۔ نمیرہ سے محبت کرتے ہیں۔ وہی زندگی ہے۔ وہی ہر خوشی ہے، کیوں؟ صحیح کہہ رہا ہوں نا؟“

”سو فیصد صحیح کہہ رہے ہو، شکریہ تمہارا کہ تمہاری وجہ سے میں نے خود سے سامنا کیا، تسلیم کیا، منوالیا کہ میں بھی نمیرہ سے محبت کرتا ہوں۔ بس مجھے یہ ہچکچاہٹ تھی کہ میرے ”آئی لو یو“ کہنے پر تم لوگ مذاق نہ اڑانے لگو میرا کہ ویسے اتنا سنجیدہ، خاموش طبع اور ریزرو رہتا ہے اور اب محبت میں پاگل ہوا جا رہا ہے۔“

”محبت میں سبھی پاگل ہوتے ہیں برادرِ من! محبت تو وہ پانی ہے جو پتھر دل کو بھی شگاف ڈال کر توڑ دیتا ہے، موم بنا دیتا ہے، آگ بجھاتا نہیں سلگاتا ہے، کیا سمجھے؟“

احد نے مسکراتے ہوئے محبت کی شان میں گیان بانٹا تھا۔

''سمجھ گیا ہوں، اب یہ بتاؤ نمیرہ کو مناؤں کب اور کیسے؟''

''اب یہ بھی میں بتاؤں؟'' احد نے اسے تاسف سے دیکھا اور مسکرا دیا۔

''ہاں تو اور کیا، میں سیکھ رہا ہوں تم سے۔''

''میں کوئی اظہار محبت کرنے، روٹھے کو منانے کی ترکیب سکھانے والی اکیڈمی ہوں جو سیکھ رہے ہو مجھ سے۔''

''فی الحال تو ہو، آگے میں خود سنبھال لوں گا، ابھی کے لئے مشورہ دو مجھے، کیسے مناؤں نمیرہ کو، کیسے یقین دلاؤں اسے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس رشتے سے خوش نہیں، بہت زیادہ خوش ہوں۔'' فہد مرزا نے دوستانہ لہجے میں استفسار کیا۔

''میرا مشورہ ہے کہ موقع بہت اچھا آ رہا ہے منانے اور محبت کا اظہار کرنے کا۔ پرسوں ''چودہ فروری'' ہے۔ دنیا بھر میں محبت کرنے والے یہ دن مناتے ہیں۔ ویسے تو محبت کرنے والوں کے لئے ہر دن ہی ''یوم محبت'' ہوا کرتا ہے مگر یہ علامتی دن ہے۔ تو ''آئی ایم سوری'' اور ''آئی لو یو'' کہنے کے لئے موزوں رہے گا۔ نمیرہ کے لئے تازہ سرخ گلابوں کا بکے خریدنا اور اس کی پسند کا چاکلیٹ کیک لے کر اس کے پاس جانا، سوری، آئی لو یو، بول دینا، ائی ایم شور کہ وہ فوراً مان جائے گی، محبت جو کرتی ہے تم سے۔''

احد نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ بے اختیار اس سے لپٹ گیا۔

''تھینک یو سو مچ، آئی لو یو برو۔''

''لو یو ٹو، ہاہاہا...... اب ہماری ہونے والی بھابھی کو بھی بول دینا آئی لو یو۔'' احد نے ہنس کر کہا تو وہ بھی ہنس دیا۔

✧✧✧

''نمیرہ، نمیرہ! جلدی آؤ فہد کو کچھ ہو گیا ہے۔'' احد گھبرایا ہوا نمیرہ کے پورشن میں آیا۔ وہ لان میں بیٹھی دھوپ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''کیا ہوا فہد کو؟'' نمیرہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''پتا نہیں، تم آؤ میرے ساتھ۔'' وہ تیزی سے بولا اور اپنے پورشن کی طرف بھاگا۔ نمیرہ بھی پریشانی کے عالم میں ننگے پاؤں دوڑتی ہوئی شاہد تایا کے پورشن میں داخل ہوئی تو چند قدم چلنے کے بعد فرش پر بچھے پھولوں کی پتیوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ احد چھلاوے کی طرح کہیں غائب ہو گیا تھا۔ وہ حیران پریشان سی پھولوں کے رستے پر چلتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ بہت دھیرے سے نرمی سے پھونک پھونک کر قدم رکھ رہی تھی۔

''فہد کہاں ہیں آپ؟'' نمیرہ نے لرزتی آواز میں کہا۔

''میں یہاں ہوں۔'' لان کی طرف مڑتے ہی اسے فہد کی آواز سنائی دی اور اگلے پل وہ اس کے سامنے تھا۔ سیاہ جینز کی پینٹ، مہرون شرٹ پر سیاہ کوٹ پہنے، سیاہ بوٹ پاؤں میں پہنے اس کی شخصیت بہت دلکش اور جاذبِ نظر دکھائی دے رہی تھی۔ نمیرہ اسے ٹھیک ٹھاک مسکراتا دیکھ کر مزید حیران ہوئی اور بولی:

''احد تو کہہ رہا تھا آپ کو کچھ ہوا ہے۔''

''ہاں ہوا ہے ناں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے عین سامنے آ گیا۔ لان میں میز پر سرخ پھولوں کا تازہ چھکتا بکے اور کیک رکھا ہوا تھا اور کافی سارے سرخ غبارے ان کے گرد رکھے تھے۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ پھولوں اور غباروں سے سجی میز دیکھ کر سمجھ تو گئی تھی کہ یہ ویلنٹائن ڈے یا

یومِ محبت کی سرپرائز سیلیبریشن ہے۔

''پیار ہوا ہے نمیرہ زاہد مرزا سے۔''

''پیار؟ مجھ سے اور ایسا کب ہوا ہے؟''

وہ دل کی دھڑکنوں کو قابو کرنے کی کوشش میں بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہوا تو بہت پہلے تھا بس ادراک اب ہوا ہے، تمہاری ناراضی اور خفگی کے بعد۔'' وہ اس کے حسین چہرے کو چاہت سے دیکھتے ہوئے اقرار کرتا ہوا اس کی روح میں خوشی کے گل کھلاتا چلا گیا۔

''میں کیسے یقین کرلوں؟''

''یہ سب کافی نہیں ہے یقین کرنے کے لئے؟'' فہد نے میز پر رکھے تحائف اور پھولوں سے سجی روش کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

''کافی سے زیادہ ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے میز کے قریب چلی آئی۔

''پسند آیا میرا منانے کا طریقہ۔'' وہ بھی اس کے قریب چلا آیا۔

''جی! مگر اس سب کی کیا ضرورت تھی، میں تو ایک پھول سے ہی مان جاتی۔'' وہ خوشی اور حیا سے مسکراتے ہوئے اس کو دیکھتے ہوئے بولی تو وہ میز سے بکے اٹھا کر گویا ہوا:

''جانتا ہوں، مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ جتنی شدت سے کسی کا دل دکھایا ہو اسے منانا بھی اتنی ہی خوبصورتی سے چاہئے۔ سو یہ سب اہتمام میں نے تمہیں منانے کے لئے اور یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ نمیرہ! آئی لو یو سو چ، اور میں تم سے منگنی ہونے پر دل سے خوش ہوں۔ شادی کے لئے دل و جان سے رضامند ہوں۔ صرف تم نہیں، میں بھی تم سے بے پناہ محبت کرتا ہوں۔''

فہد نے سرخ گلابوں کا بکے اسے دے دیا۔ وہ خوشی سے مسکرائے جا رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ اتنی خوشی ملنے پر بھنگڑے ڈالتی، گانے گاتی۔

''تھینک یو فہد۔'' وہ خوشی سے بھیگتی آواز میں بولی۔

''یو آر ویلکم مائی لو، آؤ کیک ذبح کرو۔''

وہ شوخ لہجے میں بولا تو نمیرہ کو ہنسی آگئی۔

اسے فہد مرزا کا یہ بدلا ہوا شوخ لہجہ، رومانٹک موڈ حیران کر رہا تھا اور خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا اس کی۔

''ہیپی لوڈے، آئی لو یو۔''

دونوں نے مل کر کیک کاٹا اور فہد اسے کیک کھلاتے ہوئے مغمور لہجے میں بولا:

''سیم ٹو لو۔'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے بولی تو فہد بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ نمیرہ کا دل، چہرہ، روح خوشی اور محبت کے خزانوں کو پا کر سرشار ہو گئے تھے۔

''دل دے کے میں نے جانا ہے

گر پیار ہے تو

اقرار کرو، اظہار کرو

تم چپ نہ رہو

ہونٹوں سے کہو

چاہت میں کہو

کہ

دل کی سندر دنیا میں

''تجدید محبت'' لازم ہے''

✧✧✧

تم سے ملنے تھے ستارے
فصیحہ آصف

رشیدہ کل سے ہی کاموں میں لگی تھی، گھر کی تفصیلی صفائی، کھانے کے پروگرام مہمانوں کے لئے صاف ستھرا کمرہ، خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی، اور زارا کے چہرے کی شرمیلی مسکان بہت کچھ واضح کر رہی تھی، گھر میں پہلی شادی تھی، تو رشیدہ قدرے بوکھلاہٹ کا شکار تھی۔

منیبہ کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹ سا گیا، دل نازک آبگینہ ہی تو ہوتا ہے، ذرا سی ٹھیس پر چور چور ہو جایا کرتا ہے۔ اور آواز بھی نہیں آتی مگر یہ کرچیاں آنکھوں میں چبھ جاتی ہیں۔ ان دیکھی نمی دل پہ جا گرتی ہے منیبہ نے بھی یہ نمی دل میں اتاری اور جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔

آج کالج میں سالانہ کھیلوں کا افتتاح ہونا تھا، اور منیبہ کا یہ پہلا سال تھا، اسے اچھی کارکردگی دکھانا تھی۔ اس سے پہلے وہ سکول میں پڑھاتی رہی تھی، مگر اب یہ بڑی درسگاہ تھی اور ذمہ داریاں بھی زیادہ تھیں۔ سو آج کے دن کی مناسبت سے اس نے اچھے لباس کا انتخاب کیا تھا۔

صورت اچھی تھی، ذہین تھی، سو ذرا سی توجہ سے نکھر گئی تھی۔

مگر دل اداسیوں کی اتھاہ گہرائی میں ڈوبا تھا۔

ناشتہ بھی اس نے بے دلی سے کیا تھا۔ حالانکہ رشیدہ نے اس کی پسند کا آملیٹ بنایا تھا، مگر دل ہی نہ چاہے تو من وسلویٰ کا کیا قصور؟ اور پیسوں کی ضرورت تو نہیں امی..... وہ آخری گھونٹ لے کر کپ رکھتے ہوئے بولی: نہیں، نہیں..... رشیدہ، سوچوں سے ابھر کر بولی:

نیا ٹی سیٹ انہوں نے نکال کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھا اور مصروف انداز میں بولی ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔ منیبہ بولی اور بیگ چیک کرنے لگی چادر اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ کر وہ گھر سے باہر آ گئی۔

رشیدہ نے اسے دیکھا، اور آج آنے والے مہمانوں کے لئے تازہ دم ہو کر کاموں کے بارے میں سوچنے لگی۔

رکشے کی پشت سے ٹیک لگائے منیبہ عجب کیفیت میں گری تھی۔ اپنی ذمہ داریاں اور ماں کی خودغرضیاں وہ موازنہ کرنے میں ناکام رہی۔ جھکی آنکھوں وہ سب دیکھ رہی تھی، رکشہ مناسب رفتار سے چل رہا تھا مگر اس کا دماغ تیزی سے دوڑ رہا تھا کہ دھڑکن بھی تیز ہوتی محسوس ہوئی، چند سال پہلے ہی کی بات ہے جب منیبہ بی ایس سی فائنل میں تھی۔ اس سے چھوٹا بھائی سلمان ایف اے، زارا نویں کلاس، اسد آٹھویں اور ماریہ پانچویں کلاس میں تھی۔ جب اس کے والد حمید احسن گردے فیل ہونے کے سب ملک راہی عدم ہوئے۔ ان کی بیماری کے دوران رشیدہ کا تھوڑا بہت زیور بھی بک گیا۔ شکر تھا کہ گھر اپنا تھا، حمید احسن سرکاری ملازم تھے سو ان کی پنشن جاری ہو گئی مگر مہنگائی اور گھر کے اخراجات، پڑھائی فیسیں سب کے ساتھ رشیدہ نبرد آزما تھی۔

ایسے میں منیبہ کے حساس دل کے اندر بہت کچھ سوچا اور فیصلہ کیا۔ وہ ٹیوشنز پڑھانے لگی، اور ساتھ ہی تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوکری کا ارادہ پکا کر لیا۔ ایم ایس سی فائنل کا نتیجہ آیا۔ اس نے ایک سکول میں نوکری کر لی، پھر کئی کورسز ساتھ ساتھ کرنے لگی، یوں گھر کی گاڑی کسی نہ کسی حد تک درست سمت میں آ گئی۔ گو تنخواہ کم تھی، مگر گھر کے حالات کچھ بہتری کی جانب گامزن ہونے لگے۔ شام کو ٹیوشنز پڑھاتی، زارا

اور چھوٹے بہن بھائیوں کو پڑھائی میں مدد دیتی۔ اپنی ذات کو پس پشت ڈال کر کولہو کے بیل کی طرح جتی ہوئی تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ اس سے بہتر نوکری مل جائے کئی سال سے وہ ایک جگہ پر تھی، اور مہنگائی کا بھی مسلسل زور رہا تھا۔

منیبہ کی خوش بختی کہ کالجز میں لیکچرار کی آسامیاں آگئیں۔

منیبہ نے دو، تین جگہ درخواستیں، سی وی ز بھیج دیں۔ شومئ قسمت کہ اسے کالج میں لیکچرار کی نوکری مل گئی۔ تنخواہ بھی شاندار تھی وہ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کالج کی لیکچرار بن گئی۔

رشیدہ کو اب زارا کے رشتے کی فکر تھی، نعمان بھی ایم بی اے کے آخری سال میں تھا، زارا بی اے کر کے فارغ ہو گئی تو اس کے لئے اس کی سہیلی کے توسط سے رشتہ آگیا۔ رشیدہ کے من کی مراد پوری ہو گئی۔ ے وہ اس موقع پر منیبہ کو جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھی۔ نعمان کا داخلہ حسن ابدال ہو گیا تھا۔ ماریہ دسویں جماعت کا امتحان دے رہی تھی۔ بظاہر کچھ نہ تھا، مگر در پردہ بہت کچھ تھا۔

امی آپ پہلے آپا کی شادی کا سوچتیں، سلمان زارا کے لئے ہونے والی بات چیت پر الجھ کر ماں سے بولا، تو رشیدہ نے جیسے اسے انہونی سے دیکھا۔

ہاں...... مگر یہ رشتہ تو زارا کے لئے آیا ہے، اس کے لئے بھی دیکھا ہے جیسے ہی اس کے مناسب جوڑ کا رشتہ آیا تو کردوں گی شادی۔

رشیدہ کے انداز میں لاپرواہی ہی لاپرواہی تھی، جو سلمان کو بہت محسوس ہوئی۔ مگر اب زارا کے لئے جو رشتہ آیا تھا، وہ اس کی عمر اور اس کے جوڑ کے مطابق تھا، سو زارا کی شہزاد سے بات طے ہو گئی۔ اب رشیدہ کو زارا کے جہیز کے لئے بہت کچھ تیار کرنا تھا۔ منیبہ کی تنخواہ سے ہی اس کا جہیز بننا تھا۔ اس کی اور ماریہ کی پڑھائی بھی۔ رشیدہ کو صرف منیبہ کی تنخواہ سے غرض تھی۔ منیبہ اپنے لئے جو چند ہزار تنخواہ میں سے ضرورت کے لئے رکھتی تھی رشیدہ کو وہ بھی چبھتے تھے۔

جانے کیسی ماں تھی وہ؟ منیبہ اکثر سوچتی رہتی، اکثریت نے باتیں بھی کیں کہ بڑی کو چھوڑ کر چھوٹی کا رشتہ کر دیا، مگر رشیدہ کو کسی کی پروانہ تھی، اس نے خوب جی بھر کے جہیز تیار کیا اور زارا کو رخصت کر دیا۔ سلمان اس کی فضول خرچیوں پر دبے دبے انداز میں شکوہ بھی کرتا رہا۔ مگر رشیدہ اپنی من مانی کرتی رہی۔ اس کا دل منیبہ کی وجہ سے کڑھتا رہتا تھا وہ بچہ نہ تھا، سب دیکھ رہا تھا کہ بڑی بہن کی ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔

ماں سے دو، بدو بحث بھی نہ کر سکتا تھا مگر ایک دن اسے بحث کرنا پڑی، جب رشیدہ فون پر زارا سے باتیں کر رہی تھیں تو دم بخود رہ گیا۔

نہیں بھئی ابھی نہیں...... اسد کی تعلیم مکمل ہو جائے ماریہ اپنے گھر کی ہو جائے پھر اس کی دیکھی جائے گی شادی۔ رشیدہ کی آواز اور لہجے میں خودغرضی کی بو آرہی تھی کہ کردوں گی منیبہ کی شادی بھی۔ رشیدہ کی باتوں نے سلمان کو بے حد دل گرفتہ کر دیا تھا ے۔ تب اس نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ وہ منیبہ آپا کی شادی کے سلسلے میں جس حد تک جانا پڑا جائے گا۔ ان کی قربانیوں کا ماں غلط فائدہ اٹھا رہی ہے۔ منیبہ کی عمر گزرتی جا رہی تھی اور ماں کی خواہش کبھی ختم اور کم نہ ہوں گی۔ وقت تھا کہ تیزی سے گزر رہا تھا کہ ماریہ کے رشتے آنے شروع ہو گئے۔ منیبہ کے چہرے پر تفکرات کی لکیروں میں اضافہ ہونے

لگا۔ اور سلمان کے لئے یہ سب ناقابل برداشت۔ منیبہ کو اس روز دیر سے آنا تھا، وہ ماں سے بحث کرنے لگا۔ ماریہ کے لئے آنے والے رشتے نے ماریہ کو پسند کرلیا۔ رشیدہ جلد سے جلد اس کی شادی کر دینا چاہتی تھی۔

اماں...... وہ ان کے کمرے میں آ گیا، جہاں رشیدہ الماری کھولے جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔

کیابات ہے؟ وہ الجھی الجھی سی بولی تھی۔

اماں...... آپ منیبہ آپا کے لئے رشتے کیوں نہیں لکھ رہی، ان کی عمر ہے، اب ان کی شادی کریں، سلمان اب بچہ نہ تھا۔ وہ نرمی سے ماں سے بات کر رہا تھا۔

ہاں...... ہاں...... کہہ رکھا ہے کئی لوگوں سے۔ کوئی ڈھنگ کا رشتہ آئے تب ناں...... رشیدہ کے انداز میں لاپرواہی تھی، فکر کا فقدان تھا۔ آپ ماریہ سے پہلے آپا کی شادی کریں، ان کی زندگی کے لئے یہ بہت ضروری ہے، سلمان اس بار بھی ضبط کر کے بولا تھا۔

رشیدہ کے چہرے زاویے بگڑنے لگے تھے۔

میں ماں ہوں...... مجھے فکر نہیں ہو گی تو کسے ہو گی؟ جو تم فکر فکر و افکار کا درس دینے چلے آئے ہو، رشیدہ نے تلخی سے کہا، اور گھور کر اس کی جانب دیکھا میں واقعی فکر کر رہا ہوں۔ اور نوٹ کر رہا ہوں بغور مشاہدہ کر کے ہی آپ سے بات کر رہا ہوں۔ آپ کو کوئی فکر نہیں کوئی توجہ نہیں ان کی طرف، پہلے زارا کی شادی، میری پڑھائی، اسد کی تعلیم اور اب ماریہ کی شادی کے لئے سرگرداں، منیبہ آپی کا کوئی تذکرہ ہی نہیں۔ وہ رات، دن محنت کر کے پیسہ کمانے کی مشین بن گئی ہیں تو چلا ہی ہیں ہمارے مستقبل کے لئے خود کو بھلا رکھا ہے، انہوں نے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم انہیں نظر انداز کرتے ہوئے ان کا مستقبل تاریک کر دیں میں بچہ نہیں ہوں امی، سب دیکھ رہا ہوں۔

آپی کا چہرہ غور سے دیکھیں ان کی کمائی نہ دیکھیں، ان کی آنکھوں میں خواہشوں کے جلتے بجھتے چراغ دیکھیں، ان کا گھر بسائیں، ابو کی پنشن آ رہی ہے کچھ ماہ بعد میری بھی نوکری لگ جائے گی۔

امی، پیسہ آنی جانی چیز ہے، وقت دنیا کی دولت لٹا کر بھی واپس نہیں آتا، یہ سنہرا وقت گزر گیا تو آپی کی قسمت میں اندھیرے پیدا ہو جائیں گے۔ میری باتوں پر ذرا غور کریں اور عملی قدم اٹھائیں۔

سلمان کی باتیں سو فیصد درست تھیں، مگر وہ رشیدہ ہی کیا جس پر اثر ہو جائے وہ اپنے غضب کو دبا کر بولیں۔

تم ان مسائل میں مت الجھو، یہ میرا مسئلہ ہے کر دوں گی اس کی شادی بھی۔ رشیدہ اب بھی باتوں کو سنجیدہ نہ لے رہی تھیں، اور یہی بات سلمان کو نہ صرف دکھ کر رہی تھی بلکہ اس کے غصے میں بھی اضافے کا سبب بن رہی تھی۔ رشیدہ کو صرف نوٹ نظر آ رہے تھے، جو منیبہ کی شادی کے بعد یکسر غائب ہو جانا تھے۔ اس ہوش ربا مہنگائی میں کس طرح صرف پنشن پر گزارا کرے گی۔ یہی سوچ کر اس نے فی الحال منیبہ کی شادی کا باب بند کر رکھا تھا۔ اور سلمان اس کتاب کو نئے سرے سے کھول رہا تھا۔ جیسے رشیدہ نے سیل کر کے الماری کے سب سے نچلے خانے میں رکھ کر ہاتھ جھاڑ لئے تھے۔

✧✧✧

ماریہ کے لئے رشتے آ رہے تھے، اب زارا

نے بھی ماں کو کھلم کھلا کہنا شروع کر دیا تھا کہ اس کے سسرال والے باتیں بنا رہے ہیں کہ رشیدہ بیٹی کی کمائی کھانے کے چکروں میں اس کو نہیں بیاہ رہی، اس میں کوئی مغالطہ بھی نہ تھا، تب اس نے خود منیبہ سے بات کی۔

آپی میں کئی بار امی سے کہہ چکی ہوں مگر وہ جیسے کانوں میں تیل ڈالے بیٹھی ہیں، بے حسی کی انتہا ہے، زارا کی آواز میں تاسف جھلک رہا تھا، لمحہ بھر کو منیبہ کے دل کو کچھ ہوا، اس نے ظاہر کیے بنا ہنس کر کہا۔

ارے کچھ نہیں ہوتا، ماریہ اپنے گھر کی ہو جائے گی تو اماں کو سکون ملے گا۔ اس کا رشتہ ہو جانے دو، تم گھر بار والی ہو گئیں سلمان کی تعلیم مکمل ہو گئی اسد بھی اچھے مستقبل کے لئے سرگرداں ہے منیبہ نے حقیقت میں ظرف کا مظاہرہ کیا، وہ تھی ہی ایسی......

آپی خود پر ظلم نہ کریں زارا کی آواز نم تھی، آپی، آج سب اپنی زندگی بنانے کے لئے لگی و دو کر رہے ہیں جیسے ہی ان کے پر نکل آئے سب اڑ جائیں گے ہر کوئی مطلب پرست ہے۔ اماں کو ہی دیکھ لیں۔ اگر انہیں آپ کی پروا ہوتی تو وہ آپ کے پیسوں پر نہیں بلکہ آپ کی عمر اور وقت کو دیکھتیں، بس میں نے اور سلمان بھائی نے سوچ لیا ہے۔ پہلے آپ کی شادی ہو گی پھر ماریہ کی۔

ماریہ بھی اتنی بڑی بھی نہیں ہوئی کہ اس کو پہلے بیاہ دیا جائے اور آپ سے پہلے اس کی شادی کی جائے، حد ہو گئی ہے، امی کو احساس تک نہیں، کل سلمان بھائی میرے پاس آئے تھے، وہ بھی اس بات کو لے کر بہت دکھی تھے۔ اور کچھ کرنے کی پوزیشن میں تھے۔ زارا نے اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اور افسردگی سے فون بند کر دیا تھا۔ سلمان بھی کوشش کرنے لگا۔ پھر اس نے اپنے دوستوں اور جاننے والوں سے بات کرنی شروع کر دی۔ رات سلمان اس کے پاس آ گیا اور نمناک آواز میں بولا:

آپی آپ اس کے لئے خود کو تیار کر لیں، امی کو سمجھانا ہمارا کام ہے، وقت کتنی تیزی سے گزر رہا ہے، پھر ہمارے پاس پچھتاوے رہ جائیں گے۔ سلمان بالکل اس طرح فکر مندی سے بات کر رہا تھا جیسے وہ اس کا والد ہو۔ اور دکھی تھا۔ منیبہ اسے دیکھے گئی، تو سلمان نے اس کے ہاتھ تھام لئے آپی آپ بہت ظرف والی ہے، بہت قربانیاں دے رہی ہیں ہمارے لئے اب ہمیں آپ کے لئے کچھ کرنا ہے اور یہ فرض ہے ہم یہ قرض ہے۔

سلمان بھری آنکھوں اور گلوگیر آواز میں کہتا۔ اس کے ہاتھ چھوڑ کر یکدم کمرے سے باہر چلا گیا۔ تو منیبہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر خود کو بستر پر گرا دیا جہاں متضاد سوچیں اسے بے چین کر رہی تھیں، مگر جو سچ تھا وہ ہی تھا وہ آنے والے دنوں کے بارے میں سوچنے لگی۔

اس کے اندر بھی ایک نوخیز لڑکی کے جذبات تھے، جنہیں وہ کب سے تھپک کر سلا چکی تھی۔ اب کئی دنوں سے پھر سے وہ عبور کر آئے تھے۔ رات کی تنہائی میں اسے بھی کسی کی مضبوط بانہوں اور مدھر سرگوشیوں کی ضرورت تھی۔ ماں واقعی اس کی طرف سے آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی جو کہ منیبہ کے لئے تکلیف دہ تھا۔ وہ اپنے منہ سے کیا کہتی تھی اب زارا اور سلمان نے اس کے لئے سوچنا شروع کر دیا تھا اور منیبہ خوابوں کے لنگر میں کسی ہمسفر کے ساتھ رواں دواں تھی، میرا زندگی پہ حق ہے پچھلے گزرے دس سال کا جائزہ لیتی تو اسے یہی لگا کہ اس کے

ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ اور ہو رہی ہے، تھکن نہ صرف جسم پر بلکہ روح پر بھی حاوی تھی۔

لگاتار محنت سے اب دل بھرنے لگا تھا، سب کو سنبھالتے سب کا خیال رکھتے وہ اپنی ذات کو فراموش کر بیٹھی تھی، اس کی آنکھیں تھکن اور نیند سے بوجھل ہونے لگیں، تو اس نے خود کو نیند کی بانہوں میں سلا دیا۔

✧✧✧

صبح سے شام اور شام سے رات اور پھر صبح کا کارواں جاری و ساری تھا۔ زارا کتنے دنوں سے ہی بات سوچ رہی تھی کہ کب ماں منیبہ آپی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچیں گے، خالہ کلثوم کے بیٹے کو اس بات پہ رد کر دیا تھا کہ وہ کم پڑھا لکھا تھا۔ اور منیبہ تعلیم یافتہ تھی، حالانکہ عثمان بھائی کی خواہش تھی کہ وہ منیبہ کو اپنا ہمسفر بنائیں۔ مگر رشیدہ نہ مانی، یوں خالہ کلثوم سے رابطہ ختم ہو گیا، ماں کو پروانہ تھی۔

اس کے بعد جو بھی رشتے آئے، رشیدہ نے خامیاں نکال کر مسترد کر دیئے اور مطمئن رہی۔ ہر بار منیبہ کے دل پہ بھاری بوجھ دھر جاتا۔ کل سے زارا آئی ہوئی تھی، دو دن رہنے کے لئے، اس کے سسرال میں بھی دو، ایک رشتے تھے، سو اس نے رشیدہ سے بات کرنے کی ٹھانی۔

امی...... رات سونے سے پہلے وہ رشیدہ سے بات کرنے لگی۔

ہاں...... کیا ہے، رشیدہ چوکسی ہو گئی۔

باجی عامرہ کے دیور ہیں، عمر کچھ زیادہ نہیں آپی سے چار سال ہی بڑے ہیں، دیکھنے میں ڈیئسنٹ ہیں، سرکاری نوکری ہے، ذاتی گھر ہے، جیسے عامرہ باجی کا الگ گھر ہے پہلے ہی شگفتہ باجی کی وجہ سے شادی لیٹ ہو گئی ان کی، جواد بھائی کو ہم سب جانتے ہیں۔ اس کے فواد کو بھی اچھی طرح پرکھا ہے۔ وہ کب سے مجھے کہہ رہی تھیں رشتہ اچھا ہے آپ اچھی طرح سوچ لیں، پھر میں عامرہ باجی سے بات کرتی ہوں۔

زارا نے بنا کسی تمہید کے ماں کے گوش گزار ساری بات کر دی، سلمان سے ان کے بارے میں وہ بات کر چکی تھی، اسے بھی مناسب لگا یہ رشتہ۔ اچھا...... سوچتے ہیں۔ رشیدہ کے انداز میں لاپرواہی تھی ہمیشہ کی طرح۔ اس میں سوچنے والی کیا بات ہے پہلے ہی سوچ و بچار میں کتنا وقت ضائع کر دیا ہم نے۔ آپی کا خوشیوں پر حق ہے کہ نہیں؟

زارا آج حتمی فیصلہ کرنے کے موڈ میں تھی۔

وہ ذرا تلخ ہو کر بولی، ماں میں ہوں، تم نہیں، مجھے زیادہ فکر ہے، تم اپنا گھر بار دیکھو، رشدہ کے لب و لہجے میں اب اکتاہٹ اور غصہ تھا۔

نہیں امی...... میں فواد بھائی کے رشتے سے اب پیچھے نہیں ہٹوں گی سلمان بھائی میری بات سے متفق ہیں۔ آپی کی عمر دیکھیں بتیس سال ہو گئی ہے۔ اب اگلے برس تنتیس سال کی ہو جائیں گی کچھ ماہ بعد ے۔ اب بھی ہم نے سنجیدگی اختیار نہ کی تو نہ صرف ان کے ساتھ برا ہو گا بلکہ ہم سب پچھتائیں گے۔ زارا ہر صورت میں ماں کو قائل کرنے کی تگ و دو میں تھی، مگر رشیدہ کا دماغ ہنوز دو اور دو چار کے چکروں میں الجھا ہوا تھا۔

اسد کی پڑھائی، ہوسٹل کے اخراجات، مہنگائی کے جن سے مقابلہ کرنا، اگر منیبہ کی شادی ہو جاتی ہے تو پچاس ہزار کی مد میں اس کی تنخواہ سے رشدیہ کو ہاتھ دھونا پڑیں گے، اور کسی صورت ایسا نہیں چاہتی تھی، ۔ اس سے قطع نظر منیبہ کی عمر نکلی جا رہی تھی، اس کی قربانیاں اس

کے احساسات جس کا رشیدہ کو چنداں احساس نہ تھا۔

سو جاؤ...... اب میرے بھی سر میں درد ہونے لگا ہے، زارا کو قدرے ڈپٹ کر کہتی رشیدہ نے کروٹ بدل لی۔ تو زارا نے بھی دل میں مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ اب کچھ بھی ہو جائے وہ جلد سے بہن کو اپنے گھر کی کرنے میں دیر نہ کرنے کی دل ہی دل میں اللہ سے دعائیں کرتے ہوئے اس نے نیند میں کسمساتے عفان کو تھپک کر سلا دیا۔

اور خود بھی گہری نیند میں اترتے ہوئے منیبہ کے لئے زیرلب دعا گو تھی۔ ماریہ کی ماجد سے بات طے ہوگئی جانے کیوں اس موقع پر منیبہ پیچھے پیچھے رہی، چھپتی رہی، لوگوں کی نظروں کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی، کبھی سر درد کا بہانہ تو کبھی کچھ، زارا اور سلمان سب محسوس کر رہے تھے۔ اس موقع پر زارا نے خاص طور پر شگفتہ خانم کو بلایا تھا کہ وہ منیبہ کو اچھی طرح دیکھ سکیں، عائزہ نے ان سے بات کر رکھی تھی، سو وہ اس نازک مگر آہنی لڑکی کو غور سے دیکھ رہی تھیں، منیبہ بھی ان سے احترام سے ملی تھی، شگفتہ کو وہ بہت پسند آئی تھی۔

منیبہ کے چہرے پر میک اپ کی ہلکی سی تہہ میں چھپی اداسی قدرے واضح تھی، اسے بھی اب ماں کی خودغرضی کھٹکنے لگی تھی۔

اردگرد کے لوگ، کالج کے ساتھی، سب کی نظروں میں جو سوال تھے وہ ان سے نظریں چرانے لگی تھی، ماریہ بہت خوش تھی اس کے چہرے پر قوس وقزح کے رنگ بکھرے گئے خوشی سے سب مسکرا رہے تھے۔

سب کو اپنی اپنی فکر ہے، کوئی کیوں میری فکر میں اداس ہو، اپنی زندگی کو میری وجہ سے بے رنگ کیوں کرے؟ وہ تعلیم یافتہ تھی، قبول صورت کی باکردار تھی، گوشت پوست کی انسان تھی، جذبات رکھتی تھی، رات دن کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی تھی، عجب خزاں رسیدہ زیست بن گئی تھی۔ رشیدہ بے فکری سے مہمانوں سے باتیں کر رہی تھی، اس ساری صورت حال کو دیکھتے ہوئے سلمان اور زارا نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب منیبہ کی شادی کو عملی جامہ پہنانا ہے۔

چھ ماہ کے بعد ماریہ کی شادی قرار پائی تھی، اس دوران رشیدہ نے ہر حال میں ماریہ کا من پسند جہیز تیار کرنا تھا۔ وہ مسلسل انہی سوچوں میں گرفتار رہتی کہ کب، کیا، کیا خریدنا ہے؟ کتنی رقم درکار ہے؟ ان کی سوچوں میں منیبہ کہیں نہیں تھی، مگر رشیدہ کی سوچوں کا محور صرف اور صرف منیبہ کی تنخواہ تھی۔

اسد اگلے ہفتے چھٹیوں پر آیا تھا آٹھ ماہ کے بعد گھر میں خوشگوار ہلچل مچ گئی، رشیدہ بہت خوش تھی، اور زیادہ خوش کیوں نہ ہوئی سلمان کو بہت اچھی ملٹی نیشنل کمپنی میں شاندار نوکری مل گئی تھی۔

خوشیاں برسنے لگی تھیں۔

یہ سب آپ کی وجہ سے ممکن ہوا ہے منیبہ آپی۔ اپنے سے تین سال بڑی بہن کے ہاتھ تھام کر وہ نم آواز میں بولا۔

نہیں...... نہیں...... یہ سب میرے اللہ کی مہربانی اور امی کی دعاؤں کی بدولت ہے۔ تم نے محنت بھی تو بہت کی تھی، منیبہ حسب عادت نرمی سے بولی۔ میں بہت جلد یہ قرض لوٹا دوں گا سلمان کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ رشیدہ اور منیبہ چونک اٹھیں، مٹھائی سے بھرے منہ میں رشیدہ کے اندر پریشانی سی اُتر آئی۔ شام میں زارا اور شہزاد بھی آ گئے۔ بس اسد کی کمی تھی، سب بہت خوش تھے کہ ماریہ چہک کر بولی۔ بھائی ٹریٹ پکی ہے ناں؟ ہاں کیوں نہیں، جس

اسد آ جائے تو اچھی سی تقریب منعقد کریں گے سلمان نے بھی خوشدلی سے کہا۔

رات منیبہ جلدی سوگئی۔ زارا یہیں رک گئی تھی، تب سلمان، زارا اور ماریہ نے رشیدہ کے کمرے کا رخ کیا۔

امی فواد بھائی کے گھر سے شگفتہ باجی آنا چاہ رہی ہیں، آپ کی ملاقات ان سے ہو چکی ہے، وہ منیبہ آپی کو پسند کر چکی ہیں، زارا کے گویا قطعی انداز میں کہا تھا۔

بالکل زارا جلدی سے انہیں بلوالو...... اب دیر بالکل نہ ہو، ورنہ بہت سے مسائل کھڑے ہو جائیں گے۔ سلمان نے بھی گویا اپنے حکم دے ڈالا تھا۔ اب مزید کسی ٹال مٹول کی قطعی گنجائش نہ تھی۔ گڈ...... منیبہ آپی کی شادی ہو رہی ہے، کتنا مزا آئے گا ماریہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولی تھی، تب رشیدہ کو بے بسی سی محسوس ہوئی کہ وہ اب کی بار اپنی من مانی نہ کر سکے گی۔

ٹھیک ہے ناں امی...... میں عامرہ آپی کو کہتی ہوں، جلد ہی انہیں لے کر آ جائیں۔ وہ تو کب سے میرے پیچھے پڑی ہوئی ہیں، جواد بھائی بھی اس رشتے سے بہت خوش ہیں، فواد ایک بہترین ساتھی ثابت ہوں گے۔ منیبہ آپی کو بھی خوشیاں حاصل کرنے کا حق ہے۔ ان کی بے رونق زندگی میں بھی بہاروں کی ضرورت ہے۔ شہزاد بھی اکثر زارا سے یہی کہتے رہتے تھے جب انہیں فواد کا معلوم ہوا تو بہت مطمئن ہو کے دیکھا تھا اچھا خاندان ہے، شگفتہ کے شوہر زبیر بھی اچھے انسان تھے، سو انہوں نے خود زور دیا کہ منیبہ کے لئے فواد بہترین شوہر ثابت ہوں گے۔

امی فواد بھائی اکیلے رہتے ہیں، شگفتہ باجی اور زبیر بھائی نے کچھ عرصہ بعد بیرون ملک چلے جانا ہے۔ فواد بھائی اکیلے رہتے ہیں، وہ آپی کو بہت خوش رکھیں گے، امی پلیز آپ خوشی سے ہاں کہیں تو وہ میں ان کو بلواتی ہوں، زارا گویا منت ترلوں پہ اتر آئی تھی۔

میری نوکری لگ گئی ہے، اب میں آپی کی شادی بہت دھوم دھام سے کروں گا۔ اسد کا بس ایک سال باقی ہے، آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں بس آپی کو دعائیں دیں۔ انہوں نے ہمارے لئے بہت طویل عرصے تک قربانیاں دی ہیں۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم یہ قرض ہے کہ ان کے حصے کی خوشیاں انہیں لوٹائیں۔ انہیں کیوں محروم رکھیں، میں بھائی ہوں اور باپ کی جگہ پر ہوں، ہم سب کو مل کر ان کا گھر بنانا ہے۔

کیوں! امی ٹھیک ہے ناں......؟ سلمان ان کے گرد بازو پھیلا کر بہت نرمی سے احترام سے بول رہا تھا۔ تب رشیدہ کو احساس ہوا کہ اب تک خود غرضی کا جو لبادہ انہوں نے اوڑھ رکھا تھا اس مطلب پرستی کی چادر سرک رہی ہے۔ اور لالچ و ہوس کی پٹی اتر رہی ہے نظروں سے۔ اور منظر صاف ہو رہے تھے، جس میں انہیں منیبہ کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

ہاں...... تم سب ٹھیک کہتے ہو...... بس اب منیبہ جلدی سے اپنے گھر کی ہو جائے میں اس کے فرض سے جلد سبکدوش ہونا چاہتی ہوں۔

پھر میں تمہاری دلہن لاؤں گی، رشیدہ نے نہایت محبت سے سلمان کی طرف دیکھ کر کہا تو اس نے ماں کو گلے سے لگالیا۔ خوشی اور اطمینان جیسے سب کے اندر لہو بن کر دوڑنے لگا تھا۔ زارا کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

آج وہ دونوں سرخرو ہو گئے تھے، ہاں کیوں نہیں اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ وہ دلوں پر لگے قفل توڑنے پر قادر ہے، دا

اب بھائی کی شکر گزار تھی جس نے دلوں کے زنگ اتار کر محبت سمو دی تھی۔

✧✧✧

دن رات گویا خوشیوں کا سامان لے کر آئے تھے، دن خوشی تو رات میں ستارے جگمگا رہے تھے، رشیدہ اگلے دن منیبہ کے سامنے سر جھکائے نپے تلے الفاظ میں معذرت خواہ تھی، زارا اور سلمان ماں کے دائیں بائیں بیٹھے تھے، ماریہ چائے بنا رہی تھی، منیبہ بھی کچھ سن گن رکھتی تھی مگر ابھی بات واضح نہ تھی تب رشیدہ منیبہ سے براہ راست مخاطب ہوئی۔

منیبہ بیٹا! فواد، زارا کی نند عامرہ کے دیور ہیں میں نے بلکہ ہم سب نے مشترکہ فیصلہ کیا ہے کہ ان کے گھر والوں کو تمہارے لئے بلوا لیں۔ اور بہت جلد تمہاری شادی کر دی جائے...... رشیدہ کی آواز گلوگیر ہوگئی۔

امی......بس......منیبہ نے جلدی سے اٹھ کر ماں کو گلے لگا کر مزید بولنے سے روک دیا دونوں کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ سلمان اور زارا کے دل مطمئن ہو گئے تھے۔

امی...... میں نے اپنا فرض سمجھ کر یہ سب کیا ہے، اور مجھے ہی کرنا تھا۔ میں نے اپنی ذات کو بھلا کر ابو کے بعد سب فرائض کی ادائیگی کرنے کی کوشش کی ہے مجھے کسی سے کوئی شکوہ و گلہ نہیں۔ اب آپ نے میرے لئے جو سوچا ہے ے۔ وہ قسمت میں اسی طرح اور اسی وقت ہونا تھا۔

منیبہ بے حد رسانیت سے بولی اور معاملہ سمیٹ ڈالا، رشیدہ نے اسے خود میں سمو لیا اور دعائیں دینے لگی، اسی وقت ماریہ چائے لے آئی۔

ارے واہ کیا ماں بیٹی کا ''جذباتی سین'' ہو رہا ہے وہ ماحول کو خوشگوار بنانے کو بولی تو سب مسکرا دیئے۔

امی......آج میں گھر جا رہی ہوں عامرہ آپی سے بات کر کے جلد آپ کو آگاہ کروں گی، زارا چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولی۔

رشیدہ دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کر کے سر ہلا کر رہ گئیں۔ اور بولی۔ میں اپنی بیٹی کی شادی بہت دھوم دھام سے کروں گی۔ اس کے حصے کی خوشیاں لوٹاؤں گی۔ رشدیہ نمناک آواز میں بولیں تو منیبہ نے شرمسار سر جھکا لیا۔ صبر کا کیا سہانا مقام مل رہا تھا، چائے پیتے ہوئے وہ مسلسل سوچ رہی تھی۔ اس کی قربانیوں کا لازوال صلہ مل رہا تھا۔ ماں کی دعائیں تھیں، بہن بھائیوں کی محبتیں تھیں، تو زندگی میں کیوں نا رنگ بکھرتے، لب کیوں نہ مسکراتے؟

✧✧✧

عامرہ کو جیسے زارا کے جواب کا انتظار ہی تو تھا۔ دو روز بعد وہ شگفتہ آپی کے ساتھ ان کے ساتھ گھر آ گئیں، فواد احمد بھی ساتھ تھے شہزاد بہت خوش تھے کہ ایک اور نیا رشتہ استوار ہونے جا رہا تھا۔

ذہانت سے پر آنکھوں والے فواد احمد سے مل کر سبھی مطمئن ہو گئے۔ اور منیبہ بھی قسمت پر رشک کرنے لگے۔ متفقہ فیصلے کے بعد دعائے خیر کے لئے آنے والے جمعہ کا انتخاب کر ڈالا، اسد نے بھی آنا تھا سو اس کی موجودگی میں تقریب رکھی گئی تھی۔

منیبہ نے فواد احمد کی تصویر دیکھی، تو ایسا لگا وہی ازل سے دل میں براجمان تھا۔ رات اس کے خوابوں کی نذر ہونے لگی۔

✧✧✧

کل اسد نے آنا تھا اور دو روز کے بعد منگنی

کی رسم تھی، رشیدہ نے اس کے لئے پھولوں کا زیور بنوانے دے رکھا تھا گھر کا کونہ کونا چمکایا گیا۔ غرض کہ منیبہ کے دل سے سب دلاردوز ہو گئے۔

اسد کیا آیا...... گھر میں رونق کے بسیرے ہو گئے، وہ تھا ہی ہلا گلا کرنے والا شرارتی سا۔ منیبہ کو ساتھ لگا کے کتنی دیر سکون حاصل کرتا رہا۔

آپی...... مجھے آپ پہ فخر ہے، آپ میرا مان ہیں۔ میرے دل میں آپ کی اتنی عزت، قدر اور محبت ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میری ہر لحمہ یہی دعا ہے کہ آپ اتنی خوش رہیں کہ دامن تنگ پڑ جائے، آپ کی آنکھ میں کبھی بھی دکھ کا آنسو نہ آئے۔ فرط جذبات سے بولتے بولتے وہ رونے لگا تو زارا کے چھوٹے بچے کی طرح اسے پچکارا۔

بس کرو...... میری جان! تم سب میرا قیمتی اثاثہ ہو، سرمایہ ہو۔ میری اپنی خواہش، کوشش اور ضرورت تھی کہ گھر سنبھل جائے۔ تم سب کو کسی قابل بنا دوں کہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے سرخرو کیا، تم سب نے میری محنت کا مجھے بہت میٹھا پھل دیا ہے۔ اور اپنا مستقبل بھی روشن کر لیا ہے۔ اب تم سب کی دعاؤں سے مجھے نئی زندگی کا آغاز کرنا ہے۔ تم سب نے امی کا بہت خیال رکھنا ہے اللہ تم سب کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے۔ اور ہر قدم یہ خوشیوں کی بہار ہو، آمین۔

دونوں کافی دیر باتیں کرتے رہے، رشیدہ اور ماریہ رات کا کھانا بنا رہی تھیں کہ منیبہ کچن میں آ گئیں۔

ارے آپی آپ جائیے۔ آرام کریں، ماریہ جھٹ سے بولی۔ اسد پلیز تم آپی کو اندر لے جاؤ۔ ماریہ اسے باہر جانے کو کہنے لگی وہ پلاؤ کو دم دے رہی تھی، قورمے کی خوشبو الگ چکرا رہی تھی۔ منیبہ مسکرا دی۔ اسے آرام کی عادت کب تھی۔

چلیں آپی آپ کمرے میں، میں ابھی آئس کریم لے کر آتا ہوں آپ کی پسند کی، اسد اسے کمرے میں چھوڑ کر گھر سے باہر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد سلمان بھی آ گیا۔ تو ماریہ نے جھٹ پٹ کھانا لگا دیا۔ کھانا کھا کر سب اللہ کا شکر ادا کرنے لگے۔ انتہا انگیز خوشبو نے سب کی بھوک چمکا دی تھی یوں کھانا کھا کر خدا کا شکر ادا کیا۔

✧✧✧

تم ہی تم ہو میرے جیون میں
پھول ہی پھول ہیں جیسے چمن میں

جمعہ کا بابرکت دن بھی اپنی مبارک ساعتیں سمیٹنے آ گیا، اسد اور سلمان نے بہترین انتظام کیا تھا، اگرچہ مختصر افراد تھے مگر دونوں بھائی کسی قسم کی کوئی کمی نہ چاہتے تھے۔ منیبہ نے اپنی چند کولیگز کو بھی بلوا لیا تھا۔ مائندہ بیوٹیشن بھی تھی سو اس نے منیبہ کا بے حد دلکش میک اپ کر دیا۔

فواد کی طرف سے سوٹ، جوتا، جیولری، اور میک اپ کا سامان پہلے ہی آ گیا تھا۔ پھولوں کے زیور نے منیبہ کے سادہ حسن کو پرکشش بنا دیا تھا۔ مہمان آ گئے ان کو احترام سے نشستوں پر بیٹھا دیا گیا۔ پندرہ منٹ بعد ایک حیران کن منظر سامنے آ گیا۔

جب رشیدہ، اسد، سلمان، زارا اور مولوی صاحب اندر آ گئے۔ سب نے نکاح کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور منیبہ اس سے بے خبر تھی۔ ایسا حسین سرپرائز ابھی تک ششدر سی تھی کہ رشیدہ نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔ آج تمہارا نکاح ہے، اللہ تمہیں خوشیوں کے حصار میں رکھے

مولوی صاحب نکاح پڑھوایئے۔
سحر انگیز...... فسوں خیز لمحات میں کانپتے ہاتھوں منیبہ نے ایجاب وقبول کے بعد دستخط کر دیئے۔ تو مسرتوں کے سارے موسم اس کے اندر اتر آئے۔ مبارکباد دی گئی، دونوں بھائیوں نے گلے لگایا، ماں نے ماتھا چوما اور زارا، ماریہ اس کے دائیں، بائیں بیٹھ کر سرگوشیاں کرنے لگیں۔ مائدہ اور ناصرہ نے بھی اسے مٹھائی کھلائی۔
تھوڑی دیر گزری کہ شگفتہ اور عامرہ آ گئیں۔ عامرہ نے اسے مٹھائی کھلا کر مبارکباد دی تو شگفتہ نے اسے ''بھائی جان'' کہہ کر بلایا تو جیسے روح میں شرینی اتر آئی تھی۔
اس لئے اب باہر، ہم منیبہ کو لے کر آ رہے ہیں، زارا اور عامرہ نے کہا تو سب باہر جانے لگے، جہاں فواد احمد اور باقی سب گھر کے افراد تھے، سہج سہج کر قدم اٹھاتی منیبہ کو فواد کے پہلو میں بیٹھا دیا گیا۔ چلو بھئی...... اب فواد میاں اپنی دلہن کو انگوٹھی پہنایئے، شگفتہ نے ڈبیہ فواد کے حوالے کی، جس کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ تھی۔ اس کا بھاری مردانہ ہاتھ میں منیبہ کا سادہ سا نازک ہاتھ تھا جیسے اسے متاع حیات کی طرح تھام کر انگلی میں قیمتی انگوٹھی پہنا کر اپنی دائمی محبت کا اظہار کر دیا تھا۔
منیبہ کا ہاتھ اور جسم ہولے ہولے کانپ رہے تھے، سب اتنا اچانک ہوا کہ وہ خواب کی سی کیفیت میں تھی۔ مٹھائی سے منہ بھرا جا رہا تھا۔
شرمیلی مسکان اس کے چہرے پر تھی، اپنی قسمت پر نازاں تھی، رشیدہ نے اس کا ماتھا چوم کر دعائیں دیں۔ دیر سے سہی مگر درست ہو گیا تھا بہت، مقدر میں یہی لمحات اور یہی سب لکھا تھا، شکر تھا کہ بروقت اسے ہدایت مل گئی اور منیبہ کے لئے خوشیوں کے دروازے کھل گئے تھے۔
رخصتی میں چند ماہ بعد کروں گی، ماریہ اور منیبہ کی شادی ایک ساتھ کر کے۔ رشیدہ نے سر جھکا کر دھیمی آواز میں کہا تو شگفتہ اٹھ کر ان کے پاس آ گئیں اور ان کو گلے لگا کر بولی زبیر کو مسقط میں نوکری مل گئی ہے۔
آنٹی جیسے آپ کا حکم ہو، جیسے آپ مناسب سمجھیں، وہ سمجھدار خاتون تھی تو رشیدہ پرسکون ہو گئی، چھ ماہ بعد عامرہ نے دوبارہ آنا تھا۔
کھانے کے بعد اسے مل کر سب جانے لگے۔
منیبہ نے کمرے میں آ کر آئینہ دیکھا تو چہرے پر خوشی اور آنکھوں میں فواد احمد کی تصویر تھی۔ لباس تبدیل کر کے وہ وضو کر کے آئی اور شکرانے کے نوافل ادا کرنے لگی۔ بستر پر آئی تو اسے یوں لگا جیسے انگوٹھی اس سے فواد احمد کی باتیں کر رہی ہے۔ واقعی اب اسے خوابوں میں فواد احمد کے ساتھ سفر کرنا اور جاگتی آنکھوں اس کی ہمراہی میں چلنا تھا۔ ایسے سفر پر جہاں قدم قدم پر گلاب تھے، روشن روشن بہار تھی۔

✧✧✧

راحیلہ ناز

اس کی طبیعت مضمحل تھی۔ وہ بہت اداس اور پریشان بھی تھی۔ اس نے علی نواز کی بات تو مان لی تھی مگر اب بہت پچھتا رہی تھی۔ مگر پھر وہ کرتی تو کیا کرتی؟ خود ہی سوال خود ہی جواب کا ایک سلسلہ اس کے اندر جاری تھا جبکہ علی نواز بہت خوش تھا۔ اور اپنی طرف سے اسے خوشخبری بھی سنا چکا تھا کہ وہ بہت جلد پاکستان کی ٹاپ کی ماڈل بن جائے گی۔ اس کے کچھ دن بعد ایک دن علی نواز بہت پرجوش گھر آیا تھا۔

''یار بہت ہی زبردست اسکرپٹ ملا ہے۔ بہت ہی اعلیٰ سٹوری ہے اور اس کے لیے جیسی ہیروئین مجھے چاہیے نا تم بالکل اس پرفٹ بیٹھتی ہو''۔

''ہیں، ہیروئن؟'' وہ ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھنے لگی تھی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی اس کے کہنے پر ماڈلنگ کرلی ہے بس اب بات ختم مگر۔۔۔۔

''ایسے حیرت سے کیا دیکھ رہی ہو؟ میرے اس ڈرامے کی ہیروئن تم ہی ہو۔ میں نے کہہ دیا ہے بس'' اس کے کہنے پر وہ چکرا ہی گئی تھی۔

''کیا حال کیا ہوا ہے تم نے اپنا؟ تم مجھے ویک (کمزور) بھی لگ رہی ہو۔ جاؤ دوا لے آؤ۔ ڈاکٹر یوسفی کے ہاسپٹل چلی جاؤ'' اسے چکراتے سر کو تھامتے دیکھ کر اس نے کہا تھا۔ اس نے اپنے ڈوبتے دل کو خود ہی سہارا دیا تھا اور ڈرامے کے سلسلے میں اس سے کوئی بحث نہیں کی تھی۔ یہ طے تھا جب کہ وہ اپنی بات ہر حال میں منوائے گا تو پھر وہ کیا کہے؟ اس کی طبیعت تو واقعی بہت خراب ہو رہی تھی۔ وہ ڈاکٹر یوسفی کے ہسپتال گئی تھی جہاں لیڈی ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد اسے خوشخبری سنائی تھی۔

بچہ یعنی اس کا اپنا بچہ، اپنی اولاد ہوگی۔ وہ اپنی ساری پریشانی بھول کر خوش ہوگئی تھی۔ دل

مکمل ناول

کی دھڑکنیں خوشگوار ہو یہ خبر علی نواز کو سنانا چاہتی تھی مگر علی نواز کا ردعمل اس سے بہت بہت مختلف تھا جو اس نے سوچا تھا۔ وہ تو بچے کے ہونے کی خبر سننے کا روادار ہی نہیں تھا۔

"مجھے بچہ نہیں چاہیے، کسی صورت بھی نہیں چاہیے۔ فوری اس سے چھٹکارا حاصل کرو" وہ دم بخود اسے دیکھ رہی تھی۔

"علی" اس کے ہونٹ کانپے تھے۔

"کان کھول کر سن لو مجھے کوئی بچہ نہیں چاہیے اگر تم نے میرے ساتھ رہنا ہے تو تمہیں میری بات ماننا ہوگی" وہ بڑی بے حسی سے کہہ رہا تھا۔ انداز میں کوئی لچک کوئی نرمی نہیں تھی۔

"تم ہمیشہ اسی طرح مجھے بلیک میل کر کے اپنی منواتے رہو گے؟" اس کے تو آنسو بھی اس کی دھمکی پر ٹھٹھر گئے تھے۔

"بالکل میں ایسا ہی کروں گا" اس نے فوراً تسلیم کیا تھا۔ اسے بالگ کس کا ڈر تھا جبکہ وہ، وہ تو ہر بات پر ہی ڈرتی تھی۔

ڈرنا کوئی اس کے نصیب میں لکھا تھا۔ اب بھی اس کے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں اپنے بچے کے کھو جانے کے خوف سے، بے گھر بے سہارا ہونے کے خوف سے اور وہ یہ فیصلہ بھی نہیں کر پا رہی تھی کہ کون سا خوف زیادہ بڑا ہے۔

"دیکھو!" وہ اس کی اتری صورت دیکھ کر تھوڑا سا انسانیت کی جون میں آیا تھا۔ اس کے پاس بیٹھ کر نرمی سے بولا تھا۔

"مجھے بچوں کی کوئی خواہش نہیں ہے اور فی الحال تو بالکل بھی نہیں ہے۔ میرے دو بچے ہیں میرے لیے وہی دونوں بہت ہیں۔

"بچے؟" یہ انکشاف اس کے لیے بہت بڑا تھا۔

"ہاں" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تو، تو وہ کہاں ہیں؟"

"اپنی ماں کے پاس، وہ انہیں اپنے ساتھ لے گئی تھی"۔

"تو تو تم ان سے ملتے نہیں ہو؟" اس نے تو اتنے مہینوں میں ملنا تو دوران کا ذکر بھی نہیں سنا تھا۔

"کبھی کبھار سال دو سال میں ایک آدھ ملاقات ہو جاتی ہے وہ یہاں نہیں ہوتے۔ اپنی ماں کے ساتھ لندن میں رہتے ہیں۔ ان کا سارا ننھیال ادھر ہی ہے۔ فون پر البتہ بات ہوتی رہتی ہے"۔ وہ سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ نہ خوشی کا تاثر مل رہا تھا نہ غم کا۔ (اس کے سامنے تو اس نے کبھی انہیں فون نہیں کیا تھا)

"علی مجھ پر یہ ظلم نہیں کرو۔ تمہارے بچے ہیں لیکن میرا میرا تو کوئی بچہ نہیں ہے نا۔ میرا تو اس دنیا میں اور کوئی ہے ہی نہیں" وہ اس کا بازو پکڑے التجا کرنے لگی تھی۔

"تمہارا میں ہوں نا اور تمہیں کیا چاہیے؟" وہ سخت پتھر دل تھا جس پر اس کی التجا کا خاک اثر نہیں ہوا تھا۔

"تمہیں کیا پریشانی ہے؟ تم ابھی بہت ینگ ہو۔ کچھ عرصے بعد میں نے اس بارے میں سوچا تو شاید مگر ابھی نہیں بالکل بھی نہیں"۔

"اور اگر میں ایسا نہ کرنا چاہوں تو؟" اس نے اسے سوالیہ دیکھا تھا۔

"تو ٹھیک ہے تم مجھ سے الگ ہو جاؤ مگر میں یہ بتا دوں میں اس بچے کو اون نہیں کروں گا"۔

"کیا مطلب؟" حیرت سے اس کی آنکھیں پھیلی تھیں۔

"وہی مطلب جو تمہیں سمجھ میں آیا ہے" وہ

اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"میرے ساتھ رہنا ہے تو ابھی ڈاکٹر کے پاس چلی جاؤ ورنہ۔۔۔۔۔۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ بالکل اچانک اسے اسد یاد آ گیا تھا۔ اس بزدل کمزور شخص کو بچے کی بڑی خواہش تھی۔ وہ اپنا گھر بچانے کے لئے بچے کو بطور ڈھال استعمال کرنا چاہتا تھا مگر اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی تھی اور بے چارہ اسے چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا گیا تھا اور اب یہ شخص تھا جس کو اللہ تعالیٰ کیسے نواز رہا تھا مگر یہ ناشکرا شخص آنے والی نعمت یا رحمت سے اس کے آنے سے پہلے ہی منہ موڑ رہا تھا۔
وہ کس عذاب میں پھنس گئی تھی۔ اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔
علی نواز کی بات فوراً مان لینے کے بجائے اس نے پھر اس سے بات کی تھی بلکہ اگلے کچھ دن وہ اس کی منتیں کرتی رہی تھی واسطے قسمیں دیتی رہی تھی۔ التجائیں کرتی رہی تھی مگر وہ چٹان کی مانند تھا جو ذرا سا بھی اپنی جگہ سے سرکنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ آخر علی نواز نے اسے الٹی میٹم دے دیا تھا کہ یا تو وہ اس کی بات مان لے یا پھر گھر چھوڑ کر چلی جائے۔ وہ بچے کو کسی صورت کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ گھر چھوڑ کر چلی جائے مگر علی نواز کی بچے کو اون نہ کرنے کی دھمکی نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے۔ وہ گھر چھوڑ کر چلی جاتی، بچہ اس دنیا میں آ جاتا پھر پھر اس کی زندگی کیسی ہوتی بھلا؟ بالکل ویسی ہوتی جیسی اس کی اپنی تھی۔ نہیں نہیں ایسی زندگی گزارنے سے بہتر تھا وہ مر ہی جاتا۔
مرتا کیا نہ کرتا۔ اس نے علی نواز کے حکم پر عمل کر ڈالا تھا اور اپنے ہاتھوں سے اپنی گود اجاڑ دی تھی۔ مگر اس غم میں وہ اچھی بھلی بیمار پڑ گئی تھی

علی نواز نے اس کی صحت کا خیال رکھنے اور علاج معالجہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مگر اس کا دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ ایک خلش سی تھی جو اسے ستاتی رہتی تھی۔ انہی دنوں ایک دن علی نواز بڑی خوشی خوشی وہ میگزین لایا تھا جس پر وہ جلوہ افروز تھی۔ علی نواز نے مسکراتے اسے بتاتے میگزین اس کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اس نے میگزین کو ایک نظر بھی دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اور اس کے دو ٹکڑے کر کے پرے پھینک دیا تھا۔ علی نواز نے اس کے ردعمل کو خاموشی سے دیکھا تھا اور اس کی حالت کے پیش نظر غصہ ضبط کرتا کمرے سے نکل گیا تھا۔ اور وہ اکیلی ماتم کرتی رہی تھی۔

اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹایا تھا اور شیشے سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ کالے سیاہ بادلوں نے دن کو بھی رات کا سماں باندھ رکھا تھا۔ پھر اس کے دیکھتے دیکھتے وہ برس پڑے تھے۔ اندر اس کی آنکھیں برس پڑی تھیں۔ وہ بے پناہ اداس تھی دل دکھ رہا تھا۔ عجیب طرح کی مایوسی نے اسے اپنے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ کھڑکی کے شیشے پر سر ٹکائے باہر دیکھتے کتنی ہی دیر گزر گئی تھی۔ گاڑی کے ہارن کی آواز پر اس نے بارش میں بھیگتے سرسبز و شاداب لان سے نظریں ہٹا کر گیٹ کی طرف دیکھا تھا۔ چادر لپیٹے چوکیدار نے بھاگ کر گیٹ کھولا تھا۔ گاڑی گیٹ سے اندر آتے ہی رک گئی تھی پھر گاڑی کی فرنٹ سیٹ سے ایک آدمی اترا تھا۔ چند لمحے تک تو وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے بے یقینی سے اس آدمی کو دیکھتی رہی تھی پھر وہ باہر کی طرف بھاگی تھی۔ اسے اپنے ننگے سر ننگے پاؤں ہونے کا احساس ہی نہیں رہا تھا۔ وہ جب بھاگتی برآمدے میں پہنچی تھی تو وہ بارش میں بھیگتے برآمدے کی سیڑھیوں تک پہنچ چکے تھے۔ وہ انہیں ناقابل یقین نظروں سے گھورے جا رہی تھی۔ اسے سامنے دیکھ کر وہ بھی آخری سیڑھی پر ٹھٹھک کر رک گئے تھے۔ اس کا تخیل کہیں مجسم ہو کے تو اس کے سامنے نہیں آ گیا تھا یا وہ خواب تو نہیں دیکھ رہی تھی؟ وہ انہیں چھو کر پکڑ کر محسوس کرنا چاہتی تھی کہ ہاں وہ سچ مچ ہی ہیں مگر وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔

''مقدس!'' پھر انہوں نے وہاں چھائی خاموشی کو توڑا تھا اور حیرت، تاسف اور دکھ سے اسے پکارا تھا اور قدم بڑھا کر برآمدے میں آ گئے تھے۔

''مقدس، مقدس۔ مقدس۔'' ان کی پکار ہر طرف گونج گئی تھی۔

(میں اب مقدس نہیں ہوں)

''مقدس یہ سب کیا ہے اور تم میرے پاس کیوں نہیں آئی تھی؟'' انہوں نے شکایتی لہجے میں پوچھا تھا۔ اسے اپنی رگوں میں دوڑتا لہو فریز ہوتا محسوس ہوا تھا۔

''میں نے تمہیں بہت ڈھونڈا تھا مگر تمہارا تو کہیں اتا پتا ہی نہیں تھا۔ میں بہت پریشان رہا ہوں'' وہ دکھ اور افسوس سے کہہ رہے تھے۔ وہ نظر بھی کمزور اور بیمار سے آ رہے تھے۔

''آپ آپ سچ مچ ہیں نا، میں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟'' اس نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔ اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی غائب ہو جائیں گے۔

''مقدس کیا ہوا ہے تمہیں؟ تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی ہو'' انہوں نے پریشانی سے پوچھا تھا۔ وہ سچ مچ زندہ تھے۔ اس کے سامنے کھڑے تھے۔ انہیں کچھ نہیں ہوا تھا۔

او۔ اس ظالم دھوکے باز شخص نے اپنا مطلب پورا کرنے کے لیے اس سے جھوٹ بولا

تھا۔ اسے دھوکہ دیا تھا اور وہ کس آسانی سے اس کے فریب میں آ گئی تھی۔ اسے چکر آنے لگے تھے۔

''مقدس!'' انہوں نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے تھاما تھا ورنہ وہ نیچے گر جاتی۔ وہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔ وہ اسے تھامے اندر لاؤنج میں لے آئے تھے اور ایک صوفے پر بیٹھا دیا تھا اور خود بھی ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ وہ کچھ بھی نہیں کہہ پا رہی تھی بس روتی چلی جا رہی تھی۔ اسے ان کے زندہ ہونے کی خوشی بھی رلا رہی تھی تو اسے اپنے سارے دکھ ساری ذلت بھی رلا رہی تھی۔

''کاش میں تمہیں اتنا اعتماد دے دیتا کہ ہر ضرورت ہر مصیبت ہر مشکل میں تم مجھے پکار لیتی تو پھر میں تمہاری ڈھال بن جاتا۔ مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔ یہ میری کوتاہی ہے جس کی اذیت زندگی بھر میرے ساتھ رہے گی'' اس کے مسلسل رونے پر وہ افسردگی سے بولے تھے۔

''نہیں نہیں'' نفی میں سر ہلاتے اس نے اپنی آنکھیں اور چہرہ صاف کرنا شروع کیا تھا۔

''اس میں آپ کی کوئی غلطی نہیں ہے اور میں، میں آپ ہی کے پاس آ رہی تھی مگر۔۔۔ مگر میری بدنصیبی مجھے آپ سے بہت، بہت دور لے گئی تھی''۔ اذیت سے پھٹتے دل کے ساتھ نظریں جھکائے وہ کہہ گئی تھی۔ وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکے تھے۔ دکھ سے اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔

وہ خود بیتی ایک ایک اذیت انہیں بتانا چاہتی تھی۔ ان کے گلے لگ کر رونا چاہتی تھی اتنا رونا چاہتی تھی کہ اس کی ہر تکلیف ہر درد ہر دکھ ہر ذلت اس میں بہہ جائے اور وہ ہلکی پھلکی پاک صاف ہو جائے جیسے کبھی ان کے گھر میں رہتے ہوئے تھی مگر انہیں کوئی بات بتانا ان کی تکلیف اور پریشانی میں اضافہ کرنے کا ہی باعث ہوتا اس لیے ضبط سے کام لے رہی تھی۔

(آپ بہت لیٹ ہو گئے ہیں آپ پہلے آ جاتے تو میری گود نہ اجڑتی میرا بچہ میرے پاس ہوتا۔ میں اسے لے کر آپ کے ساتھ چلی جاتی۔ آپ جلدی آ جاتے تو وہ بچ جاتا)

''آپ پہلے نہیں آئے۔ آپ جلدی آتے مجھے آپ کی بہت ضرورت تھی'' وہ شکوہ کر گئی تھی۔

''میں نے کچھ دن بعد بوا کو تمہاری خیریت دریافت کرنے بھیجا تھا تو تمہاری ط۔۔ طل۔۔۔ طلاق کا پتا چلا تھا تب سے کل تک تمہیں ڈھونڈنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ یہ، یہ تو کل میں اپنے بزنس کے سلسلے میں ایک جگہ میٹنگ میں گیا تھا تو وہاں یہ میگزین دیکھا جس میں تمہاری تصویریں تھیں تو ان کے ذریعے تم تک پہنچنا ممکن ہوا ہے''۔ انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ میں موجود گول کیا ہوا میگزین اس کے سامنے کیا تھا۔

''اُف۔'' انہوں نے اس کی وہ واہیات سی تصویریں دیکھی تھیں۔ شرم سے وہ پانی پانی ہو گئی تھی۔

✦✦✦

مقدس کو طلاق دے کر گھر سے نکالنے کے بعد اس کے ماں باپ اور بہنیں خوب ہی جشن منا رہے تھے جبکہ وہ عجیب سا خالی پن لیے کبھی اندر جاتا تھا کبھی باہر۔ اسے لگ رہا تھا اس سے سب کچھ کھو گیا ہے۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ وہ بالکل خالی ہاتھ ہے۔

مقدس اس کے دل کا ٹکڑا تھی۔ اس کی بچپن کی محبت تھی۔ اسے یاد نہیں تھا کہ اسے مقدس سے محبت کب ہوئی تھی۔ اس نے جب ہوش

سنبھالا تھا تو وہ اس سے محبت کرتا تھا۔ بچپن میں جب وہ سامنے آتی تھی تو وہ اسے جان بوجھ کر تنگ کرنے لگتا تھا مگر جب بوا اسے مارتی تھیں تو اسے بہت غصہ آتا تھا۔ جی چاہتا تھا بوا کا برا حال کردے۔ کئی دفعہ جب بوا اس کی پٹائی کررہی ہوتی تھیں تو وہ جا کر اپنا غصہ ان کے گیٹ پر نکال آتا تھا۔ وہ گیٹ کو بوا سمجھ کر خوب ٹھوکریں اور مکے مارتا تھا۔ وہ بوا کو بہت برا اور ظالم سمجھتا تھا اور وہ خود کیا نکال تھا؟ وہ کتنا ظالم تھا۔ اس نے اس پیاری سی گڑیا کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ کس کو الزام دیتا۔ اس نے خود ہی خود کو اپنی محبت سے محروم کردیا تھا۔ خود پر خود ہی ظلم کیا تھا۔ وہ اپنا مجرم خود تھا۔

گھر میں جب سکون نہیں ملا تھا تو وہ گھر سے نکل گیا تھا اور بے مقصد منہ اٹھائے چلتے چلتے وہ بہت دور چلا گیا تھا۔ جب درد سے اکڑی ٹانگوں نے مزید چلنے سے انکار کردیا تھا تو وہ تھک کر فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا تھا اور آتے جاتے لوگوں کو خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔ جب رات گہری ہوگئی تھی اور دن کی ساری گہما گہمی ختم ہوکر سناٹے میں بدل گئی تھی تب بھی وہ ہر بات سے بے نیاز ادھر ہی بیٹھا ہوا تھا۔

''اوئے، یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہو، کیا کر رہے ہو؟'' کسی نے پاؤں سے اسے ٹانگ پر ٹھوکر لگائی تھی۔ اس نے سر اٹھایا تھا۔ اس کے سامنے دو پولیس والے کھڑے تھے۔ وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''اوئے لگتا ہے کوئی نشہ کر کے بیٹھے ہوئے ہو'' ایک پولیس اہلکار بولا تھا جبکہ دوسرے نے جھک کر اسے سونگھا تھا اور نفی میں سر ہلایا تھا۔

''نشہ تو نہیں ہے''

''لگتا ہے کوئی ڈاکوؤں کے ساتھی ہو'' اب دوسرے والا بولا تھا۔ اسے اب تھوڑا ہوش آ گیا تھا کھڑے ہوتے اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا تھا۔

''ذرا چیک تو کراؤ'' اس پولیس والے نے آگے بڑھ کر اس کی شرٹ اور پینٹ کی جیبیں کھنگال ڈالی تھیں۔ ہزار ہزار کے نوٹ دیکھ کر دونوں کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

''یہ لو، کیا یاد کرو گے'' اس نے پیسے خود رکھ کر اس کا آئی ڈی کارڈ اور دو تین چھوٹے چھوٹے اور کاغذ واپس اس کی شرٹ کی جیب میں ڈال کر گویا فیاضی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''یہاں مت بیٹھو، گھر جاؤ اپنے سیدھے'' دو ہزار ساتھی کو پکڑاتے اور تین خود اپنی جیب میں ڈالتے اس نے نصیحت کی تھی۔

''گھر؟ گھر تو ٹوٹ گیا ہے۔ اسے آگ لگ گئی ہے۔ جل کر راکھ ہوگیا ہے'' وہ بڑبڑایا تھا۔

''تم پاگل تو نہیں ہو؟'' پہلے والے سپاہی نے کہا تھا جس نے اسے ٹھوکر ماری تھی۔

''پاگل نہیں ہے دکھی ہے بے چارہ'' دوسرے والے سپاہی نے اس کی خشک مگر ویران آنکھوں اور وحشت بھرے چہرے کو ہمدردی سے دیکھتے تاسف سے کہا تھا۔

''دکھی'' پہلے والے سپاہی نے گہری سانس لی تھی۔

''اس زمانے میں کون دکھی نہیں ہے یار۔ جاؤ اپنے گھر جاؤ۔ کوئی نہ کوئی ہوگا تمہارا انتظار کرنے والا۔ چلو شاباش'' سپاہی کے حکم پر اس کے قدم اٹھنے لگے تھے۔

''سنو!'' دوسرے سپاہی نے اسے بازو سے پکڑ کر روکا تھا۔

''تمہارا گھر کہاں ہے؟''

''گھر؟'' اس نے سوالیہ نظر سے پوچھا تھا۔

"تم کہاں رہتے ہو، کس جگہ جاؤ گے؟"
جیب گرم کر کے اسے اس بے چارے پر بڑا رحم آ رہا تھا۔ اس نے اپنے گھر کا پتہ بتا دیا تھا۔ دونوں حیرانی سے اسے دیکھنے لگے تھے۔
"پتا ہے وہ علاقہ یہاں سے کتنا دور ہے، تم بھٹک کر کہاں نکل آئے ہو؟" اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔
"ادھر آؤ یار" دوسرے والے سپاہی نے اسے دائیں بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ چلانا شروع کیا تھا۔ دو چار منٹ بعد وہ وہاں پہنچے تھے جہاں چند ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ ان دونوں نے اسے ایک ٹیکسی میں بٹھایا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو اس کا پتہ سمجھایا تھا اور اسے تاکید کی تھی کہ وہ اسے اس کے گھر پہنچا کر آئے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی چلا دی تھی اور وہ سر جھکائے اس کے ساتھ بیٹھا رہا تھا۔
"بھائی اب آگے کہاں جانا ہے؟" ٹیکسی ڈرائیور کے پوچھنے پر اس نے سر اٹھایا تھا۔ وہ اس کے علاقے میں پہنچ چکے تھے مگر یہ احساس کہ وہ اس سونے سونے ویران گھر میں جائے گا جہاں مقدس نہیں ہو گی اس پر قیامت ڈھا گیا تھا۔
"یہاں نہیں جانا میں نے، واپس چلو"۔ گھبرا کر اس نے جلدی سے کہا تھا۔
"واپس، اتنی دور؟" ٹیکسی ڈرائیور حیران رہ گیا تھا۔
(تو آئے کیوں تھے بھائی؟)
"یہاں سے چلو بس" ڈرائیور نے ٹیکسی موڑ لی تھی مگر جانا کہاں تھا۔
"بھائی اترو گے کہاں؟" چند منٹ بعد ڈرائیور نے پوچھا تھا۔
"بس یہیں اتار دو" اس کے کہنے پر ڈرائیور نے ٹیکسی روک دی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر اترنے لگا تھا۔
"کرایہ تو دے کر اترو" ڈرائیور نے طنزیہ کہا تھا۔
"کرایہ؟ پیسے تو میرے پاس نہیں ہیں۔ وہ تو پولیس والوں نے لے لیے تھے۔"
"رات کے دو بجے میرا دماغ خراب نہ کرو بھائی، سیدھے کرایہ دو مجھے" ڈرائیور کا پارہ چڑھ گیا تھا۔
"میں سچ کہہ رہا ہوں میرے پاس پیسے نہیں ہیں"
"پیسے نہیں تھے تو بیٹھے کیوں تھے، باپ کی گاڑی سمجھ لی تھی تم نے" وہ بدتمیزی پر اتر آیا تھا۔
"اے بکواس مت کرو" اسے بھی غصہ آ گیا تھا۔
"یہ اکڑ کسی اور کو دکھانا، سیدھے کرایہ دو مجھے۔ میں آدھی رات کو مزدوری شوقیہ نہیں مجبوراً کرتا ہوں"
"اچھا چلو پھر" اس نے دروازہ بند کر دیا تھا اور سیدھا ہو کے بیٹھا تھا۔
"کدھر چلوں، کرایہ ادھر نکالو پہلے" اب تو وہ غصے میں بالکل ہی پاگل ہو گیا تھا۔
"بھائی بتایا تو ہے تمہیں۔ میرے پاس پیسے نہیں ہیں جو تھے وہ پولیس والوں نے نکال لیے تھے۔ جہاں پہلے گئے تھے وہاں چلو، وہاں گھر سے لے کر دیتا ہوں"۔ وہ اب نرمی سے بولا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا تھا مگر بولا کچھ نہیں تھا اور ٹیکسی چلا دی تھی۔
وہ گہری سانس لے کر رہ گیا تھا۔ پتا نہیں ٹیکسی والے کو پیسے نہ دینے ہوتے تو وہ کہاں جا کر بھٹکتا۔ دروازہ ابا نے کھولا تھا اور اسے دیکھتے

ہی ڈانٹنا شروع کر دیا تھا کہ وہ کدھر غائب تھا سب گھر والوں کو اس نے پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ ان کی سنی ان سنی کر کے وہ سیدھا اپنے کمرے میں گیا تھا اور پیسے نکال کر لے جا کر ٹیکسی ڈرائیور کو دیئے تھے۔ تب تک اماں بھی اٹھ چکی تھیں اور انہوں نے بھی اسے سنانی شروع کر دی تھیں۔ اس نے ان دونوں کو کوئی جواب نہیں دیا تھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

اماں ابا نے دوسرے دن ہی جا کر ماموں کی بیٹی عابدہ سے پندرہ دن بعد اس کی شادی طے کر دی تھی۔ عابدہ اور اس کے گھر والے سب کچھ جانتے تھے وہ اور اس کے بہن بھائی پچھلے دنوں کافی دن ان کے گھر رہ کر بھی گئے تھے۔ مقدس کو تنگ کرنے میں اس کی بہنوں کے ساتھ عابدہ بھی بڑے شوق سے شامل رہی تھی۔ گھر میں اب شادی کی تیاریوں اور شاپنگ کرنے کا ہنگامہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ چپ چاپ سب دیکھتا رہتا تھا۔ اس کے دل میں کوئی امنگ ترنگ نہیں تھی۔ وہ پہروں بیٹھا مقدس کو ہی سوچتا رہتا تھا۔ وہ اپنے آفس چلا جاتا تھا اور کام کرنے کے بجائے بیٹھا ماضی میں ہی کھویا رہتا تھا۔ ابا گھر میں ہوتے تھے۔ شادی کے سب کام انہیں خود کرنے پڑ رہے تھے وہ کسی کام میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ اگر وہ آفس آ رہے ہوتے تو اسے کبھی اس طرح بیٹھنے نہ دیتے۔ دو دن بعد چھٹی تھی۔ وہ گھر میں ہی تھا۔ چھت پر کھڑا ساتھ مقدس کے گھر کو دیکھتا پرانی یادوں میں کھویا ہوا تھا جب صنم نے اسے سیڑھیوں پر سے آواز دی تھی۔ اور جلدی نیچے آنے کا کہا تھا۔ وہ شاید فوری نہ آتا مگر اس کی آواز میں اتنا ہیجان تھا کہ وہ نیچے چلا آیا تھا۔ لاؤنج میں حیران پریشان بوا کھڑی تھیں اور اس کے اماں ابا، بہنیں اور چند دوسرے رشتہ دار بھی موجود تھے۔ اسے دیکھتے ہی وہ اس کی طرف بڑھی تھیں،

"اسد ماں کہہ رہی ہے کہ تم نے مقدس کو طلاق دے دی ہے اور وہ یہاں سے چلی گئی ہے" وہ ان کی طرف دیکھ نہیں سکا تھا۔ سر جھکائے دھیرے سے دھیرے سے سر ہلا دیا تھا۔

"اے ظالمو، یہ تم لوگوں نے کیا ظلم کیا ہے۔ یہی کرنا تھا تو شادی کیوں کی تھی؟" انہوں نے کف افسوس ملا تھا۔

"تمہارے سے تو کم ہی ظلم کیے ہیں ہم نے، ایسی بے نام و نشان لڑکی تم نے ہمارے حوالے کی تھی۔ تمہیں شرم نہیں آئی تھی؟" اماں بوا پر چڑھ دوڑی تھیں۔

"تم لوگوں کو کیوں شرم نہیں آئی تھی میرے گھر آتے ہوئے؟ تم لوگوں کو سب پتا چل چکا تھا پھر کیوں آئے تھے" بوا بھی الٹ پڑی تھیں۔

"ہم آئے تھے۔ اب ہم نے اس سے نجات بھی حاصل کر لی ہے اب تم بھی ہمارا پیچھا چھوڑو اور یہاں سے چلی جاؤ" اماں نے بد تمیزی سے باہر کی طرف اشارہ کرتے کہا تھا۔

"کدھر چلی جاؤں؟ پہلے لڑکی تو میرے حوالے کرو۔ اگر وہ یہاں سے جاتی تو سیدھی میرے پاس آتی اور اس کا دنیا میں کون ہے؟" بوا کے کہنے پر اس کا دل بیٹھ گیا تھا۔

"بوا!" اس نے بے قراری سے پکارا تھا۔

"مقدس۔۔۔ مقدس آ۔۔ آپ کے پاس، وہ۔۔ وہ فیض صاحب کے پاس نہیں گئی؟"

"نہیں" انہوں نے صاف انکار کیا تھا۔

"مگر یہ۔۔ یہ تو پا۔۔۔ پانچ۔۔ چھ۔۔۔ چھ دن پہلے کی بات ہے" وہ ہکلایا تھا۔ وہ ان کے پاس گئی تھی تو پھر کہاں گئی تھی۔

"وہ ہمارے پاس نہیں آئی۔ مجھے تو آج فیض نے کہا ہے کہ آ کر پتا کروں کیا حالات ہیں اس کے تو میں آئی ہوں" بوا کی حالت غیر ہو گئی تھی۔

"فیض نے مجھے بتایا تھا کہ تم مقدس کو طلاق دینے کے لیے تیار نہیں ہو۔ تمہارے بھروسے پر تو اتنے دن اس کا پتا نہیں کیا کہ آپس میں ہی تم لوگوں کا مسئلہ حل ہو جائے۔ ہم مداخلت نہ کریں" بوا نے الزام دیتی نظروں سے اسے دیکھتے کہا تھا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہا، وہ واقعی یہاں سے چلی گئی ہے"۔ وہ بدحواسی سے بولا تھا۔

"وہ یہاں سے جاتی تو ہمارے پاس آتی" بوا نے اس کے کہنے پر بھی یقین نہیں کیا تھا۔

"کہیں، کہیں تم لوگوں نے اسے مار تو نہیں دیا" بوا دور کی کوڑی لائی تھیں۔

"ایسا کچھ نہیں ہے وہ یہاں سے چلی گئی تھی"۔ اس نے انہیں یقین دلانا چاہا تھا۔ پتا نہیں انہوں نے یقین کیا تھا یا نہیں مگر مڑ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔

وہاں سب اپنی اپنی بولی بولنے لگے تھے اور وہ سر تھام کر بیٹھ گیا تھا۔

یہ اس نے کیا کر دیا تھا۔

وہ لوگ تو سمجھ رہے تھے کہ شاید اب بات ختم ہو گئی ہے مگر بات ختم نہیں ہوئی تھی۔ دو تین گھنٹے بعد ہی فیض صاحب ایک بڑے پولیس آفیسر کے ساتھ ان کے گھر آ موجود ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ لیڈی پولیس بھی تھی۔ انہوں نے سب سچ سچ بتا دیا تھا مگر فیض صاحب ان سب پر ایف آئی آر کٹوانے پر تلے بیٹھے تھے۔

بوا بھی لیڈی پولیس کے ساتھ سب کمروں میں گئی تھیں اور پھر وہ مقدس کے جہیز کے سارے زیور اور کپڑے انعم اور صنم کے کمرے سے نکال لائی تھیں۔

"یہ اس کے جہیز کے سارے زیور اور کپڑے یہیں موجود ہیں، باقی سامان کو تو چھوڑو اس کے جہیز کی گاڑی بھی باہر موجود ہے جسے تم لوگ خود استعمال کر رہے ہو اور تم لوگ کہتے ہو کہ وہ یہاں سے چلی گئی ہے؟" فیض صاحب پھٹ پڑے تھے۔

"وہ۔۔ یہ۔۔۔ یہاں سے۔۔ سے خہ۔۔۔ خا۔۔۔ خالی ہاتھ گئی، گئی تھی" اس ڈی ایس پی کے سامنے ابا کی بھی بولتی بند ہو رہی تھی۔

"تم لوگوں نے اسے گھر سے نکال دیا ہے تو اس کی چیزوں پر کیوں قبضہ کیا ہوا ہے۔ انہیں کیوں نہیں نکال باہر پھینکا؟" فیض صاحب نے طنز کیا تھا۔ ان لوگوں کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ انعم اور صنم نے اس کے جہیز کے سارے زیور اور کپڑے آپس میں بانٹ لیے تھے اور اپنی طرف والے زیور اور کپڑے عابدہ کے لیے رکھ دیئے تھے۔ پولیس والوں نے باہر پاس پڑوس اور مین سڑک تک لوگوں اور دکانداروں سے بھی کافی پوچھ گچھ کی تھی تو دو تین ایسے گواہ مل گئے تھے جنھوں نے اس دن اسے ایک رکشے میں اکیلے بیٹھ کر وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔ پھر بھی پولیس والے ان دونوں باپ بیٹے کو دوسرے دن تھانے حاضر ہونے کا پابند کر کے گئے تھے۔

جاتے ہوئے بوا اس کے جہیز کے سارے زیور، کپڑے اور گاڑی اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ ان کے ساتھ پولیس تھی تو وہ لوگ کچھ بھی نہیں کہہ سکے تھے ورنہ وہ اتنی آسانی سے یہ چیزیں نہیں لے جاسکتی تھیں۔ چیزیں ہاتھ سے جاتے دیکھ کر وہ سب بہت تکلیف میں تھے۔

دوسرے دن وہ دونوں باپ بیٹا جب تھانے حاضری لگا کر واپس آئے تو بوا لیڈی پولیس اور ایک غریب سی عورت کے ساتھ ان کے گھر آ موجود ہوئی تھیں اور مقدس کے جہیز کا سارا سامان وہ اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ وہ غریب عورت اس اتنے عمدہ اور ڈھیروں ڈھیر سامان کو دیکھتی تھی اور دامن اٹھا اٹھا کر بوا کو دعائیں دینے لگتی تھی جس کی بیٹی کے جہیز کے لئے بوا نے وہ سارا سامان دے دیا تھا۔ وہ سب تلملا رہے تھے مگر کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ سامان جاتا دیکھ کر ان کے دل ڈوب رہے تھے مگر بے بس تھے۔ دوسرے جان کے لالے بھی پڑے ہوئے تھے۔ مقدس نہ ملی تو ان کو تو پولیس نے پکڑنا ہی پکڑنا تھا۔

لاکھوں کے زیور، جہیز اور گاڑی جب ہاتھ سے نکلی تو ان کا شادی کا سارا جوش وخروش بھی ماند پڑ گیا تھا۔ بوا اور فیض صاحب کو خوب گالیاں دی جاتی تھیں اور مقدس کو بھی نہیں بخشا جاتا تھا۔ شادی کے تو دن مقرر تھے اس لیے وہ تو اسی دن ہونی تھی البتہ ان کے بڑے بڑے منصوبے جو آسمان کو چھو رہے تھے زمین پر واپس پہنچ آئے تھے۔ مالی حالات ان کے ویسے اپنے ٹھیک تھے۔ اچھا کام چل رہا تھا۔ دنیا دکھاوا بھی کرنا تھا۔ اس لیے بہت بڑے پیمانے پر نہ سہی پر اچھی شادی کر دی تھی۔ ماں باپ اور بہنوں نے اپنی خوشی پوری کر لی تھی۔ عابدہ اس کی زندگی میں شامل ہوگئی تھی مگر زندگی میں خوشیاں بڑھنے کے بجائے تلخیاں سی بڑھنے لگی تھیں۔ عابدہ اماں کی بھتیجی تھی اس لیے اس میں سارے وصف پھوپھی والے موجود تھے۔ وہ اس کی بہنوں اور اماں کی ایک بات کے جواب میں دس باتیں سنا ڈالتی تھی۔ وہ مقدس نہیں تھی جو چپ رہتی اور ڈرتی رہتی۔ آہستہ آہستہ ان چاروں کو عابدہ سے بہت سی شکایات ہونے لگی تھیں جس کا وہ برملا اظہار بھی کرنے لگے تھے۔ وہ جب عابدہ سے باز پرس کرتا تھا تو وہ اسے بھی بغیر کسی لحاظ کے سنا ڈالتی تھی۔

ان دونوں باپ بیٹے کو جو ہر روز تھانے حاضری لگانا پڑتی تھی اس سے انہیں بیس دن بعد نجات مل گئی تھی جب وہ رکشے والا مل گیا تھا جس کے رکشے میں وہ گئی تھی۔ اس نے گواہی دی تھی کہ مقدس اس کے رکشے میں گئی تھی اور بس اڈے کے قریب اتری تھی۔

شکر کے تھانے کے چکروں سے جان چھوٹی تھی اور تھوڑا سکون ملا تھا مگر یہ سکون دوسرے دن اس سے کئی بڑی بے سکونی میں بدل گیا تھا جب انعم کے سسرال والوں نے آکر منگنی توڑنے کا اعلان کیا تھا۔ وہ سب حیران پریشان رہ گئے تھے۔

''تم لوگوں نے جو اس بے گناہ بچی کو طلاق دی ہے تم لوگوں کو ذرا رحم نہیں آیا، تمہاری یہ بیٹی کل ہمارے گھر آکر کیا گل کھلائے گی؟ ہم نے نہیں کرنا یہ رشتہ۔ ہماری چیزیں ہمیں واپس کر دو بس'' دونوں میاں بیوی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ان کی ہر طرح کی منت سماجت کے باوجود بھی رشتہ قائم رکھنے کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے اور دو سال کا رشتہ دو سیکنڈز میں ٹوٹ گیا تھا۔ انہوں نے اپنے خاندان کے لوگوں کو اکٹھا کر کے ان کے گھر جانے کا فیصلہ کیا تھا مگر اس میں بھی ناکامی ہوئی تھی۔

''تم لوگوں کو اتنی سمجھ نہیں آرہی کہ کل تک یہی لوگ جو تم لوگوں کے ساتھ مل کر اس لڑکی کو برا بھلا کہتے تھے آج انہیں اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہوگئی ہے کہ وہ اس کی خاطر اپنے بیٹے کی

دو سالہ منگنی توڑ رہے ہیں۔ اور رشتہ داری بھی نہیں دیکھ رہے'' خاندان کے بڑے اور سب سے باخبر شخص رحیم تایا نے طنزیہ استفسار کیا تھا مگر انہیں کچھ سمجھ نہیں آئی تھی بس انہیں ناسمجھی سے دیکھتے رہے تھے۔

'' بیوقوف انہوں نے اپنی جیب گرم کی ہے، اس فیض نے انہیں خوب پیسے دیئے ہیں۔ انہوں نے بھی لاکھوں لے کر منگنی توڑ دی ہے'' رحیم تایا نے بم پھوڑا تھا۔ وہ ششدر رہ گئے تھے۔

''اب تمہارا ان کے گھر جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ ٹوٹا رشتہ نہیں جوڑیں گے'' ان کی حالت پتلی ہو چکی تھی۔ مایوس گھر واپس آئے تھے۔ گھر میں ایک نئی جنگ کا آغاز ہو گیا تھا اور ہر ایک دوسرے کو الزام دے رہا تھا۔ اپنے گریبان میں کوئی بھی نہیں جھانک رہا تھا۔ معاملہ یہاں تک رہتا تو پھر بھی مگر پھر فیض صاحب نے ان کے کاروبار کو نشانہ بنایا تھا۔ ان کے برسوں کے گاہکوں نے ان سے سامان لینا چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے تحقیق کی تو پتا چلا کہ انہیں دوسرے نرسری والوں نے بیس سے تیس پرسینٹ کم پر مال بیچا ہے تو پھر انہوں نے وہاں سے لے لیا ہے جہاں سے انہیں اتنی زیادہ بچت ہو رہی تھی۔ عام خریدار بھی جو ان کی نرسری میں آتے تھے اب آنا بالکل بند ہو چکے تھے۔ اس دن اسے کچھ شک ہوا تھا۔ نرسری کے ساتھ بنے آفس میں کھڑا وہ کھڑکی کھولے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھتے ایک آدمی ان کی نرسری کی طرف آیا تھا۔ سڑک پار گروپ کی صورت کھڑے تین چار خوفناک شکلوں والے لوگوں میں سے ایک نے بھاگ کر سڑک پار کی تھی اور ان کی نرسری میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس شخص کو جالیا تھا اور کندھے سے اسے پکڑے کچھ کہتے ہوئے اپنے ساتھ پار لے گیا تھا یعنی وہ پوری منصوبہ بندی سے وہاں بیٹھے تھے اور ان کا جو بھی گاہک آتا تھا اسے بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اور وہ یقیناً کم قیمت پر اسے مطلوبہ سامان دلوا دیتے ہوں گے۔ طیش سے اس کی بری حالت ہو گئی تھی۔ وہ بے سوچے سمجھے اپنے آفس سے نکلا تھا۔ بھاگتے اس نے تیزی سے سڑک پار کی تھی اور ان تک پہنچ گیا تھا۔

'' تم لوگ اس آدمی کو ہماری نرسری سے کیوں لائے ہو؟'' پیچ و تاب کھاتے اس نے غصے سے پوچھا تھا۔

'' دوسری نرسری میں اس کی نسبت بہت کم قیمت پر پودے مل رہے ہیں ہم نے اسے وہاں کا پتہ بتایا ہے، تمہیں کوئی اعتراض ہے؟'' اس موٹے تازے، بڑی بڑی مونچھوں، سرخ آنکھوں اور سیاہ توے جیسی رنگت والے شخص نے تنکا چباتے، خوفناک نظروں سے اسے گھورتے اس سے پوچھا تھا۔

'' میں جانتا ہوں تم لوگ فیض صاحب کے کہنے پر ہمیں جان بوجھ کر تباہ کرنا چاہتے ہو'' وہ چلایا تھا

'' ہاں یہی بات ہے پھر، کیا کرو گے؟'' اس نے فوراً تسلیم کرتے اکڑ کر پوچھا تھا۔ وہ اس کا منہ توڑ دینا چاہتا تھا مگر وہ ان میں سے ایک کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا جبکہ وہ تو چار تھے۔ اس کے کسی اور ردعمل سے قبل ہی ابا بھی اس کے پیچھے وہاں پہنچ چکے تھے۔ وہ غصہ ضبط کرتا ابا کا بازو پکڑے واپس اپنے آفس آ گیا تھا۔ اور ابا کو ساری بات بتائی تھی۔ پہلے سے پریشان ابا بالکل ہی ڈھے گئے تھے۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں۔ کاروبار تو بالکل ہی تباہی کے

دھانے پر پہنچ چکا تھا۔ بہت دیر تک سوچنے کے بعد دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ فیض صاحب سے جا کر ملیں۔ اس فیصلے پر انہوں نے فوراً عمل کیا تھا۔ ان کے آفس کی بلڈنگ کے سامنے کھڑے دونوں نے حسرت سے اسے دیکھا تھا۔ انہوں نے تو اسے اپنے جیسا ہی امیر سمجھا تھا مگر وہ تو کوئی اور ہی شے تھا۔ پچھتاوے نے ابا کے دل کو کرلا دیا تھا۔ کیا ہی بڑی حماقت سرزد ہو گئی تھی۔ وہ مقدس کو طلاق نہ دلواتے اور اس کے نام پر دونوں ہاتھوں سے اس شخص کی دولت لوٹ لیتے اور وہ لٹا بھی دیتا۔ حق، ہا اب یہ پچھتاوا ساری زندگی ان کے دل سے نکلنے والا نہیں تھا۔ کئی گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد بالآخر فیض صاحب نے انہیں ملاقات کا شرف بخش ہی دیا تھا۔ ویٹنگ روم سے اٹھ کر ان کے شاندار آفس میں وہ دونوں بڑی مرعوبیت سے داخل ہوئے تھے۔

''ہاں کیا بات ہے، کیوں ملنا ہے؟'' انہوں نے نہ اس کے سلام کا جواب دیا تھا نہ ہی انہیں بیٹھنے کا کہا تھا۔ بس فوراً آمد کی نوعیت پوچھنے لگے تھے۔ دونوں باپ بیٹے نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا کہ بات کیسے شروع کی جائے؟ وہ کرسی کی پشت پر سر رکھے دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسائے بڑے غور سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ جو ان کی طرف دیکھ بھی نہیں پا رہے تھے۔

''ہم۔۔ ہمیں آ۔۔ آ۔۔ آپ سے با۔۔ بات کر۔۔ کرنی۔۔ ہے کا۔۔ کاروبار کے۔۔ کے سلسلے۔۔۔ میں'' آخر ابا نے ہمت دکھائی تھی مگر بری طرح ناکام ہو گئے تھے۔ فیض صاحب بے ساختہ ہنس دیئے تھے۔ انہیں اس کی اور اس کی بیوی کی اس دن والی فرعونیت یاد آ گئی تھی۔ جب وہ مقدس سے ملنے ان کے گھر گئے تھے۔ کیسے اکڑے ہوئے بد دماغ لوگ تھے یہ اس دن اور آج، آج کیسے ان کے سامنے بھیگی بلی بنا کھڑا تھا اور بیٹے مجھے نہ اس دن اعتماد تھا اور نہ آج۔

''آپ؟ ہونہہ آپ۔ یہ میں آپ کب سے ہو گیا ہوں؟'' انہوں نے طنزیہ دریافت کیا تھا۔ وہ دونوں کوئی جواب نہیں دے سکے تھے۔ ادھر ادھر دیکھتے رہے تھے۔

''میں جب تمہارے گھر گیا تھا تو تم نے مجھے کمزور سمجھ کر فرعون کو بھی مات دے دی تھی اور آج یہ امارت، یہ دولت اور شان دیکھ کر مظلوم اور لاچار بن کر کھڑے ہو گئے ہو'' انہوں نے نفرت سے کہا تھا۔

''اگر میں امیر نہ ہوتا۔ تم یہاں آ کر غربت اور تنگدستی دیکھتے تو تم ایسے کھڑے ہوتے؟ نہیں بالکل نہیں تم پھر فرعون بن چکے ہوتے مگر تمہاری بدقسمتی ہے کہ میرے پاس دولت ہے''۔ وہ چپ ہوئے تھے تو سناٹا چھا گیا تھا۔ ان دونوں میں بات کرنے کی کوئی ہمت نہیں رہی تھی۔

''کیا تم لوگ جاہلوں کی طرح یہاں کھڑے رہ کر میرا وقت ضائع کرتے رہو گے؟'' چند منٹ کے بعد انہوں نے پھر خود ہی اس خاموشی کو توڑا تھا۔

''دیکھیے۔۔ ہمارا۔۔ کاروبار۔۔۔ بالکل۔۔ تباہ۔۔ ہو۔۔ ہو۔۔ گیا۔۔ ہے۔۔۔ ہم ب۔۔۔ بہت۔۔ مشکل۔۔ میں۔۔ ہیں۔ آ۔۔ آپ۔۔ ہماری۔۔ مدد۔۔ مدد ک۔۔ کریں'' ابا نے پھر حوصلہ کیا تھا۔

''میں کیوں مدد کروں؟ میں نے خود ہی تو اسے تباہ کیا ہے'' انہوں نے بڑے مزے سے اعتراف کیا تھا۔ کوئی خوف اور پشیمانی نہ تھی انہیں۔

"بلکہ ابھی تو میں نے تمہیں ایسے کر دینا ہے
کہ تم لوگ پائی پائی کے محتاج ہو جاؤ" انہوں
نے مستقبل کی منصوبہ بندی بھی بڑے اطمینان
سے ان کے گوش گزار کی تھی۔
"یہ۔ یہ ظلم کر کے کیا ملے گا تمہیں؟" ابا نے
پھر تھوڑی مردانگی دکھائی تھی۔
"تمہیں اس مظلوم اور معصوم بچی پر ظلم کر
کے کیا ملا ہے؟" ان کے سوال کا ابا کے پاس کوئی
جواب نہیں تھا۔
"تمہارے اتنے ظلم کے باوجود بھی میں
تمہاری طرح ظالم نہیں بن سکا ورنہ تمہاری بیٹی
طلاق لے کر تمہارے پاس آتی مگر میں نے
صرف منگنی ختم کروائی ہے حالانکہ میرا بڑا دل چاہ
رہا تھا تم اس کی شادی کرو تو پھر میں اسے طلاق
دلواؤں" انہوں نے اپنا دل کا زہر باہر نکالا تھا۔
"خیر میری پوری کوشش ہو گی کہ تمہاری
بیٹیوں کے رشتے نہ ہوں اور وہ ساری زندگی
تمہارے گھر بیٹھی رہیں اور ہاں صرف تمہاری
بیٹیوں کی وجہ سے میں تمہارا گھر چھوڑ رہا ہوں
ورنہ اسے تم سے چھین لینا کوئی مشکل کام نہیں
ہے"۔ انہوں نے انہیں مزید ڈرایا تھا۔
"ایسے۔ ایسے نہ کرو ہم برباد ہو جائیں
گے"۔ ابا نے فریاد کی تھی۔
"تو ہو جاؤ برباد۔ اس مظلوم بچی کو برباد کیا
ہے تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور اپنی بربادی پر
تڑپ اٹھے ہو"۔ وہ نفرت سے بولے تھے۔
"تمہارا یہ بیٹا، اس میں ہے کیا۔ تم لوگوں
نے منصوبہ بنا کر اس کی شادی کی تھی کہ چلو ضد کر
رہا ہے تو اس کا پسندیدہ کھلونا اس کو دے دیا
جائے اور بعد میں اس کھلونے کو توڑ پھوڑ دیں
گے۔ تم لوگوں کو ذرا بھی خدا کا خوف نہیں آیا" وہ
برس پڑے تھے۔

"بات کرنی تم لوگوں کو آتی نہیں، اعتماد نام
کی کوئی چیز نہیں۔ مجبور، بے بس، مظلوم، بے گناہ
بچی پر تم لوگوں نے ظلم کے پہاڑ توڑ ڈالے تھے
اس کے لیے نعوذ باللہ خدا بن بیٹھے تھے اور میری
دولت دیکھ کر تم لوگوں سے سانس لینا مشکل ہو
گیا ہے۔ مردانگی نام کی کوئی چیز نہیں ہے تم
دونوں میں۔ اگر تم لوگ مرد ہوتے تو صبح ان
آدمیوں کو اپنے آفس کے سامنے دیکھ کر ان کا برا
حال کر دیتے مگر چار بندوں کے سامنے تم لوگوں
کی بولتی بند ہو گئی۔ دم دبا کر وہاں سے بھاگ
آئے ہو اور یہاں آ کر مجھ سے بھیک مانگنے لگے
ہو۔ تف ہے تم لوگوں پر۔ اور یہ" انہوں نے اٹھ
کر اسد کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجوڑ کر پیچھے پھینکا
تھا۔ وہ صوفے پر جا گرا تھا۔
"ضد کر کے شادی کر سکتا تھا مگر ضد کر کے
اسے بسا نہیں سکتا تھا، نامرد" انہوں نے
حقارت سے اس پر تھوک دیا تھا۔
"دفعہ ہو جاؤ تم دونوں یہاں سے اور آئندہ
کبھی ادھر کا رخ نہیں کرنا ورنہ اپنے پیروں پر
چل کر نہیں جا سکو گے"۔ انہوں نے نفرت سے
باہر کی جانب اشارہ کرتے کہا تھا۔ ذلت اور
شرمندگی سے ان کا برا حال تھا۔ بے بس تھے
کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے دل ہی دل میں انہیں
ڈھیروں گالیوں سے نوازتے وہاں سے چلے
آئے تھے۔ باہر آ کر ابا نے خوب ہی بھڑاس
نکالی تھی۔ گھر پہنچ کر اب ایک نیا ہنگامہ شروع ہو
گیا تھا۔ وہ چاروں ایک دوسرے کو بھی
مورد الزام ٹھہرا رہے تھے مگر اس کا تو حال ہی برا
کر رہے تھے۔ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہو رہا
تھا۔ نہ وہ مقدس سے شادی کرنے کی ضد کرتا نہ
یہ سب کچھ ہوتا۔ ان میں سے کسی کو بھی اپنی غلطی
نظر نہیں آ

طرف سے اسے ہی کچھوکے لگ رہے تھے۔
اب اس گھر میں ہر روز صبح، دوپہر، شام، رات تماشا لگتا تھا اور ایک دوسرے کا برا حال کیا جاتا تھا۔ سکون نام کی چیز کو وہ بھول ہی چکے تھے۔

✧✧✧

''تم نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے، اتنا بڑا دھوکہ دیا ہے'' علی نواز جب گھر آیا تو وہ پھٹ پڑی تھی۔
''کون سا جھوٹ؟'' وہ تھوڑا گھبرایا تھا کہ کہیں اس کا پول کھل تو نہیں گیا۔
''تمہیں نہیں پتا تم نے کون سا جھوٹ بولا ہے؟'' اسے اور غصہ آیا تھا۔
(کوئی ایک ہو تو کہوں)
''سیدھے صاف پوری بات بتاؤ مجھے تو کچھ سمجھ آئے'' اس نے بھی غصہ دکھایا تھا۔ وہ خود یہ بات آنے ہی نہیں دیتا تھا۔ اسے غصہ دیکھاتا تھا وہ سہی رہتی تھی۔
''تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا کہ فیض صاحب فوت ہو گئے ہیں؟'' اس کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔
''اس کا ذکر اس وقت کہاں سے آ گیا؟''
اس نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا تھا۔
''وہ آج یہاں آئے تھے نا اس لیے تم سے پوچھ رہی ہوں مردہ زندہ کیسے ہو گیا ہے؟''
''یہاں؟'' وہ سچ مچ حیران ہوا تھا۔
''کیسے، مطلب یہاں کیسے آ گیا وہ؟''
''تمیز سے ان کا ذکر کرو تو تو، وہ وہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے'' اسے ان کی بے ادبی بالکل پسند نہیں آئی تھی۔
''اچھا سبق نہ پڑھاؤ۔ بتاؤ کیسے آیا وہ''۔
''تمہاری عقلمندی کی وجہ سے'' اسے پہلی
''میری عقلمندی کی وجہ سے؟'' اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھے پوچھا تھا۔
''ہاں''
''وہ کیسے بھئی؟ ایسے ہی پہیلی بول رہی ہو، صاف بتاؤ'' اسے تجسس ہوا تھا۔
''تمہاری کرائی ہوئی ماڈلنگ دیکھ کر وہ یہاں پہنچے ہیں''۔
''او'' اسے ساری بات سمجھ آ گئی تھی۔
''یہ بتاؤ مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا؟'' اسے اپنا سوال یاد تھا۔
''تم پر دل جو آ گیا تھا۔ تمہیں اپنا بنانا تھا۔ ایسے ہی تمہیں اس کے حوالے کر دیتا اس لیے جھوٹ بولا تھا'' اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ جبکہ وہ کڑھ کر رہ گئی تھی۔
''اس کے لیے جھوٹ بولنے کی کوئی تک نہیں تھی اچھا'' وہ چڑ کر بولی تھی۔
''تمہیں اپنے گھر کی رانی بنا کر رکھا ہوا ہے پھر بھی ناراض ہو رہی ہو'' وہ صلح جو لہجے میں بولا تھا۔
''ہونہہ رانی؟ ایسی ہوتی ہے رانی؟''
''رانی نہیں ہو تو اور کیا ہو؟'' اس نے شوخی سے اسے دیکھا تھا۔
''میں رانی ہوتی نا تو میرا بچہ میرے پاس ہوتا'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔
''اب نہیں شروع ہو جانا پھر'' اس کی شوخی ہوا ہو گئی تھی۔
''یہ بتاؤ تمہارے فیض صاحب نے کیا کہا۔ تم تو انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی ہو گی''۔
''ظاہر ہے جانوروں، وحشیوں، بھیڑیوں، ظالموں کی دنیا میں ایک ہی تو انسان ملا ہے۔ اس سے مل کر خوش نہیں ہوں گی تو کس سے ہوں گی''

''یہ تم کب تک جلی کٹی سناؤ گی۔ اب ٹھیک ہو جاؤ جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہے بس'' وہ پھر نرم ہو گیا تھا۔ وہ چپ کر گئی تھی۔ اس کی نظروں میں توفیض صاحب ہی پھر رہے تھے۔ وہ اس کے لیے بہت زیادہ پریشان تھے مگر جب اس کی شادی کا سنا تو پرسکون ہو گئے تھے۔ ان سے نظریں چرائے، خود پر بیتا ہر ظلم چھپائے اس نے علی نواز سے ملنے کی فرضی کہانی انہیں سنا دی تھی۔ تو وہ مطمئن ہو گئے تھے۔

علی نواز کے مجبور کرنے پر اس نے ماڈلنگ اور ڈرامے دونوں کرنے شروع کر دیئے تھے۔ علی نواز نے اسے ڈرامہ نہ کرنے کی صورت میں طلاق دے دینے کی دھمکی دی تھی۔ وہ دوبارہ طلاق یافتہ نہیں کہلانا چاہتی تھی اس نے علی نواز کی بات مان لی تھی اور بہت جلد وہ بہت کامیاب ماڈل اور اداکارہ بن چکی تھی۔ علی نواز بہت خوش تھا۔ وہ اسے اپنی تخلیق کہتا تھا۔

✧✧✧

دو سال گزر گئے تھے۔ وہ اب پاکستان کی صف اول کی اداکاراؤں اور ماڈلز میں شمار ہوتی تھی مگر جہاں ایک طرف وہ کامیابیوں اور شہرت کی بلندیوں پر پہنچ چکی تھی دوسری طرف اپنی گھریلو زندگی میں پریشانی کا شکار رہنے لگی تھی۔ شروع میں تو علی نواز ہر وقت اس کا دم بھرتا تھا اس کے علاوہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا مگر پھر آہستہ آہستہ اس کے انداز واطوار بدلنے لگے تھے۔ حسین چہرے اس کی کمزوری تھے اس کا اعتراف وہ خود اس کے سامنے کر چکا تھا۔ اب وہ دوسرے حسین چہروں کی طرف مائل ہونے لگا تھا۔ پہلے چوری چھپے پھر کھلم کھلا وہ اپنی من پسند دنیا میں لوٹ گیا تھا جس کا وہ پہلے عادی تھا اور سب سے بری بات وہ اب ''ڈرنک'' بھی زیادہ کرنے لگا تھا۔ وہ اگر اس معاملے میں کوئی بات کرنے یا اسے سمجھانے کی کوشش کرتی تھی تو وہ پہلے تو اسے جھڑک دیتا تھا۔ جھڑکنے کے بعد وہ چیخنے چلانے پر پہنچا تھا اور پھر اس نے مقدس پر ہاتھ اٹھانا شروع کر دیا تھا۔

وہ جون کا ایک گرم اور طویل دن تھا۔ وہ پورا دن ڈرامے کی شوٹنگ کر کے شام سات بجے گھر آئے تھے۔ وہ دونوں رات کا کھانا کھانے بیٹھے ہی تھے جب اس کی آج کل کی ''منظور نظر دوست'' آ پہنچی تھی۔ علی نواز بڑی خوشدلی سے اسے ڈائننگ روم میں ہی لے آیا تھا۔ اسے دیکھ کر مقدس کی ساری بھوک مر گئی تھی۔ وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ اسے ہیروئین بننے کا جنون تھا اور اس جنون کو پورا کرنے کے لیے وہ ہر حد پار کرنے کے لیے تیار تھی۔ علی نواز کو اور کیا چاہیے تھا وہ تو ویسے بھی موقعے سے پورا فائدہ اٹھانے والا بندہ تھا اور یہ لڑکی تو خود ہی پکے ہوئے پھل کی طرح گود میں آنے کے لیے تیار تھی۔ وہ جانتی تھی مقدس اس کی بیوی ہے اس کے باوجود اس کے سامنے ہی اس کی عامیانہ سی حرکتیں اور فلرٹ جاری تھا۔ وہ بیوی ہو کے کھانا زہر مار کرنے لگی تھی۔ جبکہ وہ لڑکی ڈٹ کر کھانا کھائے جا رہی تھی۔ علی نواز بھی اس سے گپیں لگاتا کھا رہا تھا۔

''حیا ڈارلنگ ہم ذرا گیسٹ روم میں جا رہے ہیں، تم ہمیں دو کپ چائے تو ذرا بھجوا دینا'' اس لڑکی کو اشارہ کرتے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اسے کہا تھا۔

''گیسٹ روم میں کیا ہے؟ یہیں بات کرلو'' اس کا تو پارہ پہلے ہی چڑھا ہوا تھا اس حکم پر اور چراغ پا ہو گئی تھی۔

یہاں پر کرنے والا کام میں نے کرلیا ہے۔ خوب کھالیا ہے اور کوئی کام یہاں نہیں ہو سکتا۔ جب میں کچھ کہوں نا تو وہ کیا کرو، فضول باتیں مت کیا کرو"۔ اسے جھڑکتا اس لڑکی کو لیے وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ تڑپ کر رہ گئی تھی۔ وہ بے وفا ہو چکا تھا۔ گناہوں کی دلدل میں دھنس چکا تھا مگر اس طرح سرعام اس کے سامنے یہ پہلا موقع تھا۔ پہلے ایک حجاب سا تھا جو دونوں میں برقرار تھا۔ وہ اس سے لڑ بھڑ کر، مار کھا کر پھر ویسی کی ویسی ہو جاتی تھی مگر اتنی ذلت پر وہ پھر کیسے اسے منہ لگائے گی۔ وہ اٹھ کر مرے قدموں سے اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ وہ کمرہ نہیں تھا دہکتا ہوا جہنم تھا جو اسے جلائے جا رہا تھا۔ وہ اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اسے ہوش میں لانا چاہتی تھی۔ وہ جوتے مار مار کر اس لڑکی کو اپنے گھر سے نکالنا چاہتی تھی مگر کچھ بھی کرنے پر قادر نہیں تھی سوائے جلنے کڑھنے کے۔

رات بارہ بجے کے بعد وہ اس لڑکی کو رخصت کر کے نشے میں دھت گنگناتا بیڈ روم میں آیا تھا تو وہ پھٹ پڑی تھی اس کا خوشگوار موڈ لمحوں میں خراب ہو گیا تھا۔ اس نے بے دریغ کتنے ہی تھپڑ اسے لگا دیے تھے۔

"اگر برداشت نہیں کر سکتی ہو تو یہاں سے دفعہ ہو جاؤ تم، جان کا عذاب بن کر رہ گئی ہو" وہ چیخا تھا۔

"تمہیں ٹوکنے کا پورا حق رکھتی ہوں میں۔ بیوی ہوں میں تمہاری۔ تمہیں شرم نہیں آتی تم میرے سامنے اس، اس چڑیل کو گھر لے آئے ہو۔ ایسی گندی حرکتیں کرتے تمہیں شرم آنی چاہیے"۔

"اپنی اس خوش فہمی کو ختم کر لو کہ تم میری بیوی ہو، میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے" وہ استہزائیہ بولا تھا۔ وہ اس کی غلط بیانی پر تڑپ اٹھی تھی۔

"کیوں ایسی بکواس کر رہے ہو، ہمارا نکاح ہوا تھا"۔

"ارے وہ نکاح، نکاح تھوڑی تھا وہ تو سب جعلی کام تھا" اس نے بڑے اطمینان سے اس پر بم پھوڑا تھا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو، بکواس کر رہے ہو مجھے اذیت دینے کے لئے۔ ہیں ناں؟" وہ اس کا بایاں بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے پوچھنے لگی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا بازو چھڑاتے اسے پیچھے کی طرف دھکا دیا تھا۔

"یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں نے تمہاری بری حالت دیکھ کر نکاح کا ڈرامہ کیا تھا تاکہ تم ٹھیک ہو جاؤ" اس کی بے بسی پر ہنستے وہ اطمینان سے راز افشا کر رہا تھا۔ وہ جو اس کے دھکے پر پیچھے لڑکھڑا کر صوفے سے ٹکرائی تھی، بے دم ہوتی اس پر بیٹھ گئی تھی۔ اس پر تو سچ مچ کی قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

"تم جو مرضی آئے کرو میں تمہیں کبھی نہیں روکوں گی بس تم یہ کہہ دو تم جھوٹ بول رہے ہو" اس کا بیویوں والا سارا طنطنہ و غرور مٹی میں مل چکا تھا وہ بڑی لاچاری سے التجا کر رہی تھی۔

"یہ بالکل سچ ہے" اس کی لاچاری سے حظ اٹھاتے وہ بے دردی سے بولا تھا۔

"اگر تم میری بیوی ہوتیں تو میں اپنے بچے سے اس طرح چھٹکارا حاصل کرتا کوئی؟" اس نے آخر ایسا تیر چلایا تھا جو اس کے جگر کو پاش پاش کر گیا تھا۔

"بے غیرت میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں" وہ اس پر جھپٹی تھی۔ وہ اسے نوچ کھسوٹ ڈالتی، اس کی تکہ بوٹی کر ڈالتی مگر افسوس کہ وہ بہت نازک

تھی اور وہ بہت طاقت والا۔ علی نواز نے آگے بڑھ کر اسے دھنک کے رکھ دیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں اور لاتوں کا بے تحاشا استعمال کیا تھا۔

''بڑی آئی مجھے سمجھانے والی۔ بہت بیوی بن رہی تھی'' اسے توڑ پھوڑ کر نیم مردہ کر کے نفرت وحقارت سے کہتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

✧✧✧

کچھ ماہ بعد اس نے مقدس کو شوبز کے انگریزی میگزین کے سرورق پر بڑی بے باکی سے براجمان دیکھا تھا تو تڑپ کر رہ گیا تھا۔ ان کے ظلم اس معصوم، پاکباز، باحیا اور باپردہ لڑکی کو کس مقام پر لے گئے تھے؟ وہ لرز اٹھا تھا۔ وہ خواہ مخواہ ہی فیض صاحب سے ناراض ہو رہا تھا کہ وہ انہیں معاشی طور پر تباہ کر رہے ہیں۔ ان سب کو تو جتنی سزائیں ملتی کم تھا۔

میگزین گھر لے جا کر اس نے ان پانچوں کے سامنے پٹخا تھا۔

''ہمارے ساتھ جو ہو رہا ہے کم ہے، آئندہ میں نے آپ لوگوں کو واویلا کرتے دیکھا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا'' اس نے وارننگ دی تھی۔

''دیکھو، دیکھو یہ آپ لوگوں کے ظلم اور زبردستی اس بے گناہ اور باپردہ لڑکی کو کس مقام پر لے گئے ہیں۔ مجھے خود سے نفرت ہے، مجھے آپ سب سے نفرت ہے۔'' چلا کر کہتے وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اور وہ پانچوں اس کی تصویروں کو دیکھتے اپنے اپنے ظرف کے مطابق تبصرے کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد اس کے ٹی وی ڈراموں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

ان کی زندگیوں میں بس لڑائی جھگڑے اور پچھتاوے رہ گئے تھے۔ کاروبار تو بری طرح تباہ ہو گیا تھا معاشی تنگی کی وجہ سے گھر کے لڑائی جھگڑوں میں مزید شدت آ چکی تھی۔ جمع پونجی سے گزارا چل رہا تھا مگر کب تک؟ بہت جلد اس نے بھی ختم ہو جانا تھا۔ عابدہ لوگ تو اتنے امیر نہیں تھے۔ ماموں کی معمولی ملازمت تھی تو ان لوگوں کا بمشکل ہی گزارا ہوتا تھا اس نے سوچا تھا یہاں آ کر خوب عیاشی کرے گی مگر یہ خواب بری طرح ٹوٹ گیا تھا اس لیے وہ بھی خوب چڑچڑی ہو چکی تھی۔ وہ چاروں زبان درازی میں ماہر تھیں ہر روز گھمسان کا رن پڑتا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا حصہ بن جاتا تھا۔

اس نے نوکری حاصل کرنے کی تگ و دو شروع کی تھی تو اسے پتا چلا تھا کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ نوکری حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو گیا تھا۔ بڑی مشکل سے ابا نے سفارش کے ذریعے اسے ایک فیکٹری میں ملازمت دلوائی تھی مگر وہ ایک ہفتے سے زیادہ نہیں چل سکی تھی۔ ہفتے بعد فیکٹری مالک نے اسے نکال باہر کیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا فیض صاحب کا اثر یہاں بھی پہنچ چکا ہے۔ مایوس، دلگرفتہ وہ گھر واپس آیا تھا۔

زندگی میں سکون و اطمینان نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی تھی مگر اس کے باوجود ابھی زندگی سے بہت سی امیدیں باقی تھیں۔ اماں ابا اب کچھ عرصے سے اس پر بچوں کے لیے دباؤ ڈال رہے تھے۔ قدرت کی طرف سے کوئی دیر ہو رہی تھی۔ عابدہ کو بھی بچوں کا بہت شوق تھا۔ اس نے تو ڈاکٹروں کے چکر لگانے شروع کر دیئے تھے اور اپنا چیک اپ بھی کرا لیا تھا۔ اس کی ساری رپورٹس ٹھیک تھیں۔ کچھ عرصے کی چخ چخ کے بعد اس نے عابدہ کو بتائے بغیر اپنا میڈیکل ٹیسٹ کرایا تھا۔ میڈیکل رپورٹ نے اس کی

دنیا اندھیر کر دی تھی جس میں واضح طور پر لکھا تھا کہ وہ کبھی باپ نہیں بن سکتا۔ اسے مقدس کی بد دعائیں یاد آئی تھیں جو ان کے گھر سے جاتے جاتے وہ دے کر گئی تھی۔ اس کی بددعا پوری ہو گئی تھی۔ وہ نامراد رہ گیا تھا۔

اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ رپورٹ لے جا کر گھر والوں کو دیکھاتا۔ رپورٹ ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینکتے ہوئے اسے مقدس بے تحاشا یاد آئی تھی۔ اس پر ظلم کر کے وہ بھی کوئی خوشی اور سکون حاصل نہیں کر سکا تھا۔ رپورٹ کے ٹکڑے کر کے اپنی طرف سے سارے ثبوت مٹا کر وہ گھر میں داخل ہوا تھا مگر اداکار تو تھا نہیں کہ اپنے جذبات چھپا سکتا۔ اس کے چہرے پر اڑتی ہوائیوں اور چال کی لڑکھڑاہٹ نے اس کی ماں پر سب کچھ واضح کر دیا تھا۔ وہ دل تھام کر اسے تکتی رہ گئی تھیں۔ اماں کے پاس بیٹھی انعم نے بھی فوراً اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ کیوں ہچکچاتی صاف لفظوں میں اسے پوچھ لیا تھا۔ جواباً اس کی مجرمانہ خاموشی نے ان کے شک کو یقین میں بدل ڈالا تھا۔

"اپنی زبان کو لگام دے رکھو" اماں نے آہستہ آواز میں انعم کو گھرکا تھا۔

"یہ باتیں اعلان کرنے کی نہیں چھپانے کی ہوتی ہیں۔ خبردار اب تم دونوں کے منہ سے کوئی ایسی ویسی بات نکلے دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ آئندہ میں کبھی تم دونوں کی زبان پر یہ ذکر نہ سنوں" یہ بات عابدہ کو پتا چلتی تو کیا طوفان آتا وہ جانتی تھی اس وجہ سے وہ بہت خوفزدہ ہو رہی تھیں۔

اس نے اپنا عیب تو عابدہ سے چھپا لیا تھا مگر وہ اپنے آپ کو ان سب سے کیسے اور کہاں چھپائے، یہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ماں، بہنیں اور بیوی تینوں کی تکون نے اس کا جینا حرام کیا ہوا تھا۔ وہ تینوں ایک دوسرے کی ذرا ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کرتی تھیں۔ ابا بھی گرجنا برسنا شروع ہو جاتے تھے اور وہ ان سب میں پس جاتا تھا۔ اماں اس دن جس طوفان کے آنے سے خوفزدہ تھیں وہ طوفان کچھ عرصے بعد آ گیا تھا۔ اس دن بھی وہ نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھر کے شام کو گھر پہنچا تھا تو وہاں طبل جنگ بجا ہوا تھا۔ عابدہ اور انعم صنم کی زبانیں ایک دوسرے کے خلاف زہر اگل رہی تھیں۔

"کبھی تو اس چیخ چیخ کو بند رکھا کرو، زندگی عذاب بنا کر رکھ دی ہے"۔ وہ لاؤنج میں داخل ہوتے غصے سے چلایا تھا۔

"زندگی ہم نے نہیں تمہاری۔۔۔۔ گالی۔۔۔۔ نے عذاب بنا رکھی ہے" انعم اس سے بھی زیادہ زور سے چلائی تھی۔

"تم بھی تو کم نہیں ہو" وہ بڑبڑایا تھا۔ اس کی یہ بڑبڑاہٹ قیامت لے آئی تھی۔

"تم۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے کہہ رہے ہو میں کم نہیں ہوں۔ میری زبان نہ کھلواؤ تمہارے سارے کچے چٹھے کھول دوں گی میں یہ۔۔۔۔ ۔۔۔ نہ ہوتی تو تمہارے جیسا نامرد اس کو ملتا؟" وہ چلائی تھی۔

"بکواس بند کرو" وہ بھڑکا تھا مگر دیر ہو چکی تھی۔ اس کا چہرہ بھی تو مجرم ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ عابدہ اس کی بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھی۔ وہ وہاں سے بھاگتی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی جبکہ وہ اپنی ماں جائی کو دیکھے جا رہا تھا جس کے چہرے پر اسے سرعام ذلیل کر کے بھی ندامت یا پشیمانی کا ہلکا سا شائبہ بھی نہیں تھا۔ یہ وہ اس کی ماں بہنیں تھیں جن کے کہنے پر اس نے اپنے دل کی دنیا اجاڑ دی تھی۔ اگلے پانچ منٹ بعد

عابدہ اس گھر سے جا چکی تھی۔ ذلت کے احساس نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا اسے زندگی سے نفرت سی ہوگئی تھی۔ وہ مقدس سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ شاید اس کی معافی کے بعد زندگی میں کچھ سکون اور ٹھہراؤ آ جاتا۔ بہت دن سوچنے کے بعد آخر ایک دن اس نے ہمت کی تھی اور مقدس سے ملنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ مشکل سے ہی سہی مگر آخر وہ مقدس تک جا پہنچا تھا۔ وہ کسی ڈرامے کا سیٹ تھا اور شادی کا سین شوٹ ہو رہا تھا۔ مقدس دلہن بنی بڑی شان سے سجے ہوئے سٹیج پر بیٹھی تھی۔ گولڈن اور سرخ رنگ کے لہنگے اور بھاری زیورات میں وہ کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ اسے دیکھتے اس کا جی چاہ رہا تھا وہ اسے اپنے بازوؤں میں چھپا لے اور وہاں سے اتنے دور اتنے دور چلا جائے کہ دنیا کا کوئی انسان ان تک نہ پہنچ سکے۔ سین میں وقفہ آیا تھا۔ سب لوگ ادھر ادھر ہو گئے تھے۔ مقدس اب وہاں اکیلی صوفے پر بیٹھی تھی۔ وہ کیمرہ مین جس کی وساطت سے وہ وہاں پہنچا تھا اسے مقدس کے پاس لے گیا تھا۔ جونہی وہ مقدس کے سامنے پہنچا تھا مقدس کی نظر اس پر پڑ گئی تھی۔ لحہ بھر کو اس کے چہرے پر پہچان کا رنگ آیا تھا پھر اس کا چہرہ ہر طرح کے جذبات و احساسات سے عاری سپاٹ سا ہو گیا تھا۔

''مقدس مجھے معاف کر دو'' اس کے سامنے کھڑے بڑی لاچاری سے اس نے معافی مانگی تھی۔

''میں اب مقدس نہیں رہی'' وہ جلتے لہجے میں بولی تھی۔ وہ اس کی ذومعنی بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ دکھ سے اس کا کلیجہ کٹنے لگا تھا اور جسم برف کی مانند ٹھنڈا ہونے لگا تھا۔

''مقدس'' وہ اس کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔

''خدا کے لیے مجھے معاف کر دو'' وہ دونوں ہاتھ جوڑے بلکنے لگا تھا۔

''ٹھیک ہے میں تمہیں معاف کر دوں گی مگر ایک شرط پر'' اسے نفرت سے دیکھتے اس نے کہا تھا۔

''مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے'' وہ تیزی سے بولا تھا۔

''تم مجھے بالکل ویسا ہی بنا دو جیسی میں تم سے شادی سے پہلے تھی۔ مجھے میری وہی زندگی واپس کر دو''۔ وہ بے رحمی سے بولی تھی۔

''میں، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں، میں بے بس ہوں''۔ اس نے بے بسی سے اعتراف کیا تھا۔

''ہونہہ، مجھ پر ظلم کرتے ہوئے تو تم ذرا بھی بے بس نہیں تھے۔''

''میں مانتا ہوں مجھ سے ظلم ہوا ہے، میں کیا کرتا میں مجبور تھا۔''

''اچھا وہ مجبوری ذرا مجھے بھی بتاؤ جس نے تمہیں مجھے برباد کرنے پر مجبور کیا تھا''۔ اس نے استہزائیہ پوچھا تھا۔

''میں اماں ابا اور بہنوں کے سامنے مجبور ہو گیا تھا نا۔ وہ کہتے تھے تمہیں چھوڑ دوں یا انہیں تو پھر میں کیا کرتا؟'' وہ بڑی مسکینیت سے اس سے پوچھنے لگا تھا۔

''تم نے اپنے ماں باپ کا، اپنی بہنوں کا انتخاب کر لیا تھا۔ وہ لوگ تمہارے پاس ہیں پھر تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟'' وہ حقارت سے پوچھنے لگی تھی۔

''میں، میں بہت بے سکون ہوں۔ میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں'' اس نے لجاجت سے دونوں ہاتھ پھر جوڑے تھے۔

''تم اور تمہاری معافی جائیں جہنم میں۔

آئندہ کبھی میرے سامنے نہیں آنا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سدا بے سکون رکھے۔''

نفرت سے اس کے منہ سے بددعا نکلی تھی۔ پھر اس نے سامنے دیکھا تھا فوراً ہی ایک چالیس پینتالیس سالہ گارڈ نما شخص وہاں آ گیا تھا۔

''اس آدمی کو یہاں سے نکالو، یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟'' اس نے اس آدمی سے غصے سے پوچھا تھا۔ اس آدمی نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا تھا۔

''یہاں سے فوراً نکلو ورنہ۔۔۔۔۔'' اس آدمی کی دھمکی پر اس نے مقدس کی طرف دیکھا تھا وہ لاپرواہی سے اپنی چوڑیوں کی طرف متوجہ تھی اور یوں تھی جیسے اس کی موجودگی سے بالکل انجان ہو۔ اس کے پاس وہاں سے چلے آنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ سر جھکائے مایوس وہ وہاں سے لوٹ آیا تھا۔

اماں ابا اور بہنوں کو عابدہ کو واپس لانے میں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہیں اس سے بہت سی شکایات تھیں۔ اماں کو چھوڑ کر باقی تینوں نے دبے لفظوں میں اس سے چھٹکارا پانے کا بھی کہہ دیا تھا۔

نہیں وہ عابدہ کو کبھی طلاق نہیں دے گا۔ وہ مقدس کو جو طلاق دے چکا تھا وہی اس کی ساری زندگی کی سیاہ بختی کے لیے کافی تھا وہ اب مزید کوئی ظلم نہیں کرے گا'' اس نے عزم صمیم کیا تھا۔

وہ خود عابدہ کو لینے چلا گیا تھا۔ مگر وہ تو ان چاروں سے زیادہ تپی بیٹھی تھی۔ اس نے ساتھ آنے سے صاف انکار کر دیا تھا بلکہ اس سے طلاق مانگ لی تھی۔ وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔ اسے اور کچھ نہیں سوجھا تھا بس اس کے سامنے بھی ہاتھ پاؤں جوڑنے لگا تھا۔ عابدہ پر ہوتا تو وہ کبھی اس کے ساتھ نہ رہتی مگر وہ بھی اپنے ماں باپ کے سامنے مجبور تھی۔ وہ غریب لوگ تھے۔ بمشکل اپنا گزارا کرتے تھے۔ ابھی اس کی دو بہنیں کنواری بیٹھی تھیں اور دو بھائی بھی چھوٹے تھے۔ ماں باپ اسے اپنے گھر رکھنے پر راضی نہیں تھے۔ وہ اسے اپنے گھر بیٹھا لیتے تو باقی دونوں کا کیا ہوتا۔ ان کے مجبور کرنے پر وہ اس کے ساتھ آنے پر راضی ہو گئی تھی مگر ایک شرط پر۔ اس نے اس کے ماں باپ اور بہنوں کے ساتھ رہنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور الگ گھر کا مطالبہ کر دیا تھا اس کے پاس اتنے پیسے کہاں تھے کہ اس کے لیے الگ گھر لیتا۔ اس نے عابدہ کی بڑی منت سماجت کی تھی کہ اس کے ساتھ گھر چلی چلے مگر وہ اپنے مطالبے سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔ وہ مایوس گھر آیا تھا اور اس نے اماں ابا کو عابدہ کا مطالبہ بتا دیا تھا۔ طیش سے چاروں کی بری حالت ہو گئی تھی۔ ان چاروں نے زمین آسمان ایک کر دیا تھا۔ اب تو ان تینوں کے ساتھ اماں کا بھی مطالبہ تھا کہ وہ اسے طلاق دے دے مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ وہ اب مزید کٹھ پتلی بن کر ظلم کرنے کو تیار نہیں تھا مگر اس کے پاس اتنے وسائل بھی نہیں تھے کہ اسے الگ گھر میں رکھ سکتا۔ اسے اب نوکری کی شدید ضرورت تھی۔ بہت سوچ کر وہ اپنے ایک بہت امیر کلاس فیلو کامران کے پاس گیا تھا۔ دونوں نے کالج کے چار سال اکٹھے پڑھا تھا۔ ان کی آپس میں دوستی تو نہیں تھی مگر اچھی جان پہچان تھی۔

کامران اس کی خستہ حالت دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔ اس کے پوچھنے پر اس نے اپنی ساری داستان سنا دی تھی اور اس سے جاب کا مطالبہ کر دیا تھا۔ کامران کو سب سن کر بہت افسوس ہوا تھا۔ اس کے پاس کوئی کمی نہیں تھی۔ اس کے ابا

کی مین چار فیکٹریاں تھیں۔ اس نے فوراً اسے اپنے آفس میں کام دے دیا تھا۔ اور نقد پچاس ہزار اس کے ہاتھ میں دیئے تھے اور اسے اطمینان دلایا تھا کہ وہ بے فکر ہو جائے وہ فیض صاحب کے دباؤ میں ہرگز نہیں آئے گا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا کیا تھا اور کامران کا بھی۔

عابدہ کو وہ الگ ایک چھوٹے سے کرائے کے گھر میں لے آیا تھا۔ ان چاروں نے تو بہت واویلا کیا تھا اور بالآخر اس سے ناراض ہو گئے تھے مگر اب وہ ان کے کہنے میں آنے والا نہیں تھا۔

الگ گھر میں بھی عابدہ کی زبان کی تیزی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر اسے بے نقط سنا دیتی تھی۔ وہ انتہائی چڑچڑی اور بد دماغ ہو چکی تھی۔ بچے نہ ہونے کے صدمے نے بھی اسے بہت متاثر کیا تھا۔ وہ اس کی زیادتیوں پر صبر کیے رکھتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا مقدس پر ظلم کرنے کی سزا اسے عابدہ کی صورت میں مل رہی ہے اگر مقدس کا کوئی ڈرامہ آرہا ہوتا تھا اور وہ اسے دیکھنے لگتا تھا تو عابدہ کی زبان اسے وہ وہ زخم لگاتی تھی کہ وہ منہ چھپاتے وہاں سے اٹھ جاتا تھا۔ اس کے مظالم نے اسے ایک پاکباز، ہمہ وقت چادر میں لپٹی لڑکی سے ایک ڈرامہ کوئین بنا دیا تھا وہ کن حالات سے گزر کر وہاں پہنچی ہو گی کی سوچ اسے لرزا دیتی تھی۔

''میں اب مقدس نہیں رہی'' اس کا جلتا لہجہ اس کے کانوں، اس کے دل، اس کی روح کو جلاتا رہتا تھا۔ اس کے گناہوں کا سلسلہ بہت بڑا تھا۔ اس نے تو نامراد ہونا ہی تھا۔

وہ اماں ابا اور بہنوں کی ناراضگی کے باوجود ان سے ملنے جاتا رہتا تھا۔ وہ جب وہاں جاتا تھا تو وہ اسے خوب کچوکے لگاتے تھے۔ اسے برا بھلا اور زن مرید کہتے تھے۔ وہ جب اسے خوب سنا چکے ہوتے تھے تو وہ اٹھ کر وہاں سے چلا آتا تھا۔

''مقدس تم نے کہا تھا نا میں سدا بے سکون رہوں۔ آؤ دیکھو میں نے بے سکونی کو گلے لگایا ہوا ہے۔ تمہاری خواہش پوری ہو گئی ہے۔ میں بہت بے چین بہت بے سکون ہوں۔ کبھی آؤ تو سہی دیکھو تو سہی'' وہ تصورات میں اسے اکثر پکارتا رہتا تھا۔

✧✧✧

علی نواز کے جانے کے چند منٹ بعد ملازمہ کمرے میں آئی تھی۔ اس کی بری حالت دیکھ کر تاسف سے سر ہلانے لگی تھی۔ ظالم نے بہت بے دردی سے مارا تھا۔ ملازمہ نے اسے کھینچ کھانچ کے بمشکل قالین سے اٹھا کر بستر پر ڈالا تھا اور زبردستی اسے کوئی گولی کھلائی تھی۔

اس کی آنکھ کھلی تھی چند لمحے تو وہ خالی خالی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی رہی تھی پھر اسے گزری رات یاد آ گئی تھی۔ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی تھی۔ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا مگر دل میں جو آگ لگی ہوئی تھی وہ ہر درد پر حاوی تھی۔ آخر اس کے ساتھ اتنا برا کیوں ہو رہا تھا، کیوں؟ میرا کیا قصور ہے، میں نے کیا غلط کیا ہے؟ وہ پوچھتے چیخی تھی، چلائی تھی، روئی تھی تڑپی تھی۔ اللہ اللہ اس کی فریادیں آسمان تک جا رہی تھیں۔ اس نے کمرے کی ہر چیز توڑ پھوڑ دی تھی۔ سب کچھ تہس نہس کر دیا تھا مگر دل کی جلن وہیں کی وہیں تھی۔ اس نے خود کو بھی نوچ کھسوٹ ڈالا تھا پھر بے دم ہو کر قالین پر گر گئی تھی۔ ملازمہ بے بسی سے اسے تڑپتے دیکھتی رہی تھی پھر اس کے لیے پانی لے آئی تھی۔ وہ ایک گلاس پانی اس کی جلن کو

کہاں ختم کر سکتا تھا۔ وہ تو پوری دنیا کا سمندر بھی پی لیتی تب بھی اس کے دل کی آگ بجھنے والی نہیں تھی۔ اس نے ملازمہ کے ہاتھ سے گلاس نہیں لیا تھا۔ اس نے گلاس میز پر رکھ دیا تھا۔ اسی وقت علی نواز کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ملازمہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

''میری جان، میری پیاری بیوی۔ یہ کیا حال کیا ہوا ہے؟'' وہ اس کے قریب آیا تھا۔

''دفعہ ہو جاؤ یہاں سے'' وہ اپنی طرف سے چیخی تھی مگر حلق سے سرگوشی سے بھی کم آواز نکلی تھی۔ چیخ چیخ کر اس کی آواز بالکل ہی بیٹھ گئی تھی۔

''یار معاف کر دو مجھے۔ رات نشے میں میں تم سے شاید زیادہ زیادتی کر گیا ہوں۔ بس کچھ ہوش نہیں رہا تھا۔'' وہ چاپلوسی سے بولا تھا اور اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ وہ تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''تم نے نشے میں سارا سچ اگل دیا ہے۔ اب دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے۔ مجھے تم سے نفرت ہے نفرت۔ گھن آ رہی ہے مجھے تم سے'' وہ پھر بیٹھی آواز میں اپنی طرف سے چلائی تھی اور نفرت کا اظہار کرتے دل میں عجیب سا درد بھی اٹھا تھا۔ اس شخص سے اس نے کتنی محبت کی تھی۔ اس کا کتنا خیال رکھا تھا۔ اس کی ہر بات مانی تھی اور وہ کتنا ظالم کتنا برا نکلا تھا اور کس بری طرح اس کی نظروں سے گر گیا تھا۔

''غلطی ہو گئی ہے یار مجھے معاف کر دو'' سر جھکائے وہ ندامت سے بولا تھا۔

''معافی؟ میں تم پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتی۔ تم اتنے گندے ہو؟ اتنے گندے تو جانور بھی نہیں ہوتے'' وہ حقارت سے کہتی اس سے دور فاصلے پر جا کھڑی ہوئی تھی۔

''میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا''

''میری طرف سے جہنم میں جاؤ''

''یار معافی مانگ رہا ہوں نا، مانتا ہوں غلطی ہو گئی ہے مجھ سے۔ آئندہ کبھی تمہیں تکلیف نہیں دوں گا۔ بس نشے میں کچھ ہوش نہیں رہا تھا'' اس نے پھر صفائی دی تھی۔

''آئندہ؟ میں تم جیسے گندے کے ساتھ ایک پل رہنے کو تیار نہیں ہوں، تم آئندہ کی بات کرتے ہو؟''

''یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میں مانتا ہوں تمہارے ساتھ زیادتی ہو گئی ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم مجھے چھوڑ دو۔ ایسا پہلے بھی کئی بار ہو چکا ہے مگر تم نے کبھی مجھے چھوڑنے کی بات نہیں کی'' وہ بدحواس ہوا تھا۔

''میں تمہیں اپنا سمجھتی تھی نا اس لیے کبھی چھوڑنے کی بات نہیں کی تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم اتنے گھٹیا انسان ہو'' اب اس نے اتنا زور لگایا تھا کہ گلے میں تیز خراش سے اسے کھانسی آ گئی تھی۔

''میں صرف تمہارا ہوں یار۔ بس غلطی سے بہک گیا تھا۔ وعدہ کرتا ہوں آئندہ کبھی کسی کو گھر میں نہیں لاؤں گا'' وہ التجائیہ بولا تھا۔

''تمہارا پول کھل چکا ہے۔ تم نے جعلی نکاح کے نام پر مجھے باندھے رکھا ہے۔ تم ایک گھٹیا اور بے غیرت انسان ہو۔ تم میں ذرا سی بھی حمیت ہوتی تو تم اتنا گھناؤنا کھیل مجھ سے نہ کھیلتے''۔

''جعلی نکاح؟ کیا کہہ رہی ہو؟'' وہ ششدر اسے تکنے لگا تھا۔

''وہی کہہ رہی ہوں جو تم رات کو بکواس کر رہے تھے''۔ اس نے غضب سے دانت پیسے تھے۔

”پتا نہیں میں نشے میں کیا بک گیا ہوں اور تم نے کیا سمجھ لیا ہے۔ میری بیوی ہو تم۔ ہمارا نکاح ہوا تھا جان“

”تم چاہے کچھ بھی کہتے رہو۔ میں اب تمہارے کسی جھوٹ پر یقین نہیں کروں گی“۔

”یار ایسے ہی نشے میں میں کوئی بکواس کر گیا ہوں گا۔ تم میری بیوی ہو ہمارا نکاح ہوا تھا“ وہ ہاتھ پھیلائے بے بسی سے کہہ رہا تھا کہ اسے اس پر یقین سا آنے لگا تھا۔

نہیں اس نے اس کے دام میں نہیں آنا تھا۔

”تم نے خود کہا تھا ہمارا نکاح نہیں ہوا بلکہ بلکہ۔۔۔۔“ وہ بات مکمل نہیں کر سکی تھی اور رو پڑی تھی۔

”میں اس نکاح خواں کو لے آؤں گا جس نے ہمارا نکاح پڑھایا تھا تب تو یقین کرو گی نا“ وہ جھنجلا گیا تھا۔ وہ چپ اسے دیکھنے لگی تھی۔ پتا نہیں سچ کیا تھا۔ رات کی اس کی استہزائیہ باتیں یا ابھی کی وضاحتیں۔

”میں تمہیں اس نکاح خواں سے ملا دوں گا بس“ وہ اس کی خاموشی پر شیر ہوا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی بس اسے دیکھتی رہی تھی۔

”تم اپنا حلیہ درست کرو اور نارمل ہو جاؤ۔ میں بڑا برا سا بندہ ہوں۔ تمہیں ہی دل بڑا کرنا پڑے گا“ التجائیہ اسے دیکھتے وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔

”یہ نشہ ہے ہی برا۔ پہلے بھی میں نشے میں اپنی بیوی کو طلاق بک گیا تھا اور وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے نشے کی لت سے چھٹکارا حاصل کیا تھا مگر آہستہ آہستہ پھر بہت عادی ہو گیا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں“۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتے سن رہی تھی۔ شاید وہ سچ کہہ رہا ہو۔ شاید وہ اس کی سچ مچ کی بیوی ہو مگر دل یقین کرنے میں متامل تھا۔

”میں آزما چکا ہوں تمہارا دل بہت بڑا ہے تم نے پہلے بھی میری غلطیاں معاف کی ہیں اب بھی مجھے معاف کر دو۔ میں نہیں کہتا میں نیک بن جاؤں گا اور آئندہ مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہو گی مگر یہ میرا تم سے وعدہ ہے اس گھر میں آئندہ کوئی ایسی ویسی عورت قدم نہیں رکھے گی۔ یہ گھر تمہارا اور صرف تمہارا ہے“ وہ کہتا جا رہا تھا اور وہ سنتی جا رہی تھی اور عجیب سی کشمکش میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ایک دل کہہ رہا تھا اس کا یقین کر لے مگر اس کا رات والا انداز یاد آتا تھا تو وہ یقین پاش پاش ہو جاتا تھا۔

”پلیز حیا کچھ بولو۔ مجھے معافی کا مژدہ سناؤ“ وہ اس کی طرف بڑھا تھا تو وہ فوراً پیچھے ہو گئی تھی۔ وہ تھوڑا مایوس ہو کر اپنی جگہ رک گیا تھا۔

”اچھا تم اپنا خیال رکھنا۔ کھانا وغیرہ کھا لینا۔ ملازمہ سے کمرہ بھی صاف کروا لو۔ حلیہ تمہارا ایسا ہو رہا ہے کہ شوٹنگ بھی نہیں ہو سکے گی بہر حال“ اس نے گہری سانس لی تھی۔

”میں رات کو آتا ہوں تو بات کرتے ہیں“ وہ مڑ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ اور وہ وہیں دیوار کے ساتھ لگے لگے نیچے بیٹھ گئی تھی۔ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ اس کی کس بات پر یقین کرے۔ وہ اپنی ہی کہی باتوں سے دھڑلے سے مکر رہا تھا۔ اس کی ایک زبان نہیں تھی۔ وہ اسے آج تک کٹھ پتلی کی طرح اپنی انگلیوں پر نچاتا آ رہا تھا۔ اور وہ بھی تو آنکھیں بند کیے اس کی ہر بات پر عمل کرتی آ رہی تھی۔ اب، اب اتنی بڑی بات کے بعد تو اسے ہوش آنا چاہیے اور بغیر کسی ثبوت کے اس کی کسی بات پر یقین نہیں

کرنا چاہیے۔اس کی عقل اسے سمجھا رہی تھی۔
اس نے پہلے بھی تو کیسے فیض صاحب کے بارے میں جھوٹ بولا تھا۔ وہ ہے ہی بہت بڑا اداکار۔ وہ پھر تمہیں جل دے دے گا۔وہ کہہ رہا ہے تمہیں نکاح خواں سے ملائے گا۔ یہ کیوں نہیں کہہ رہا تمہیں نکاح نامہ دکھاؤں گا۔'' چھٹی حس نے جیسے اسے خبردار کیا تھا۔

''ہاں نکاح نامہ۔ ان کا نکاح نامہ بھی تو یہاں گھر میں ہونا چاہیے۔اسے یہ تو اچھے سے یاد تھا کہ اس نے اصلی نکاح نامے کے فارم پر دستخط کیے تھے۔مگر اس نے اس سے نکاح نامہ نہیں مانگنا ورنہ وہ تو جعلی نکاح نامہ اصل کہہ کر دیکھا دے گا۔ اسے خود نکاح نامہ ڈھونڈنا چاہیے۔''

ملازمہ اس کے لیے کھانا پانی لے آئی تھی۔
اس نے لرزتے کانپتے وجود کے ساتھ منہ ہاتھ دھو کر بمشکل تھوڑا سا کھانا زہر مار کر لیا تھا۔ملازمہ کو کمرہ ٹھیک کرنے کی ہدایت دے کر وہ علی نواز کی وسیع وعریض لائبریری میں آگئی تھی۔اگر ان کا نکاح نامہ ہے تو اسے اسی لائبریری میں ہونا چاہیے۔علی نواز کے ڈراموں کا ریکارڈ، اس کے ڈاکومنٹس اور سب کچھ اسی لائبریری میں موجود تھا۔ اسے نکاح نامہ ڈھونڈنے میں چار پانچ گھنٹے لگ گئے تھے مگر آخر کار وہ اسے مل گیا تھا۔

وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ نکاح نامے کی ساری شقیں پر تھیں۔حتیٰ کہ اس کا حق مہر بھی ایک لاکھ لکھا ہوا تھا۔اس کے اپنے دستخط بھی موجود تھے

(اسے اچھے سے یاد تھا نکاح خواں چند دوسرے لوگوں کے ساتھ اس کے پاس آیا تھا۔ اس نے باقاعدہ اس سے اس کی رضامندی

تھے۔) مگر اس نکاح نامے پر نہ علی نواز کے دستخط تھے نہ کسی گواہ کے اور نہ نکاح خواں کے دستخط تھے۔وہ ادھورا نکاح نامہ تھا۔اس کے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔خوف سے اس کا رواں رواں کانپ اٹھا تھا۔علی نواز نے نشے میں سب سچ بک دیا تھا۔ان کا سچ مچ کوئی نکاح نہیں ہوا تھا۔

''او اللہ او میرے اللہ'' اس کا سر چکرانے لگا تھا۔وہ کانپے جا رہی تھی۔

''اتنا بڑا دھوکہ؟ اتنا ظلم، اتنی زیادتی؟'' اس کا جی چاہ رہا تھا علی نواز اس کے سامنے ہو اور وہ اس کا خون پی جائے۔وہ ظالم دھوکے باز اسے رام کرنے کے لیے کیسے جھوٹ پر جھوٹ بول رہا تھا۔

اس نے وہاں بیٹھے نہیں رہنا تھا۔اس نے حوصلہ کرنا تھا اور کسی طرح علی نواز کے چنگل سے نکلنا تھا۔اسے اب سب کچھ جان کر یہ گناہ بھری زندگی مزید نہیں گزارنی تھی۔اس سے جو کچھ ہوا تھا سب اس کی لاعلمی کی وجہ سے ہوا تھا۔نکاح نامہ دوپٹے کے اندر رکھ کر تاکہ وہ کسی کو نظر نہ آئے وہ اپنے بیڈروم میں آئی تھی۔ملازمہ نے کمرہ صاف کر دیا تھا۔اس نے اس نکاح نامے کو اپنے ہینڈ بیگ میں رکھا تھا۔اس کے پاس کوئی بیس تیس ہزار کی رقم موجود تھی بس۔علی نواز نے اسے کبھی زیادہ پیسے نہیں دیئے تھے۔وہ اسے شاپنگ کے لیے جو پیسے دیتا تھا یہ ان میں سے بچے ہوئے تھے۔ اس کے پاس تو اپنا اکاؤنٹ ہی نہیں تھا۔نہ اس نے کبھی پیسوں کی فرمائش کی تھی وہ تو بس اسے خوش کرنے کے چکر میں ہی رہتی تھی۔ہاں ایک دو بار اس نے اسے سونے کا زیور تحفے میں دیا تھا جو اس کے پاس

ڈالے تھے۔ اپنا آئی ڈی کارڈ اور میٹرک کی سند (یہ دونوں چیزیں اس نے فیض صاحب سے لی تھیں) بھی ہینڈ بیگ میں ڈالی تھی۔ پھر بیگ الماری میں رکھ کر اس نے غسل کر کے دوسرے کپڑے پہنے تھے۔ دن کا ایک بج چکا تھا۔ ملازمہ اس سے کھانے کا پوچھنے آئی تھی۔ اس نے ڈائننگ روم میں آ کر تھوڑا سا کھانا کھالیا تھا۔

"میرے سر اور جسم میں بہت درد ہے۔ میری طبیعت بہت خراب ہے۔ میں دوا لینے ڈاکٹر یوسفی کے ہاسپٹل جا رہی ہوں" اس نے ملازمہ رضیہ سے کہا تھا۔

"آپ کی اتنی طبیعت خراب ہے۔ اکیلی کیسے جائیں گی میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں" رضیہ نے ہمدردی سے کہا تھا۔ ویسے تو وہ اس کی ہمدرد تھی مگر ساتھ چلنے والی بات اس نے یقیناً علی نواز کی ہدایت کے مطابق کی تھی۔

"ٹھیک ہے" وہ فوراً مان گئی تھی۔ اور جا کر بیڈ روم سے اس نے ہینڈ بیگ لیا تھا اور خود کو بڑی سی چادر میں لپیٹ لیا تھا۔ پہچان لیے جانے کی وجہ سے وہ باہر جاتے ہوئے پردہ کر لیتی تھی۔ گاڑی تو علی نواز اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ رضیہ نے چوکیدار سے ٹیکسی منگوالی تھی۔

ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد اسے درد کا انجیکشن لگایا تھا اور کچھ دوائیں بھی لکھ دی تھیں۔ وہ باہر آ کر تھکاوٹ کا اظہار کرتی ایک بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔

"میں یہاں بیٹھ رہی ہوں تم جاؤ اور یہ دوائیں لے آؤ" اس نے نسخہ اور تین ہزار روپے نکال کر رضیہ کو دیئے تھے اور ہسپتال کے گیٹ کے اندر موجود فارمیسی کی جانب اشارہ کرتے کہا تھا۔ رضیہ نے سر ہلاتے نسخہ اور پیسے لیے تھے اور چند فٹ دور فارمیسی کی طرف گئی تھی۔ جونہی رضیہ فارمیسی میں داخل ہوئی تھی وہ اٹھی تھی اور تیر کی سی تیزی سے گیٹ سے باہر آئی تھی جہاں موجود چند ٹیکسیوں میں سے ایک میں وہ فوراً بیٹھ گئی تھی۔ اور اسے مین بازار جانے کا بتایا تھا۔ ٹیکسی چل پڑی تو اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔ رضیہ کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ اپنے دھک دھک کرتے دل کو سنبھالے وہ چوکس ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ مین بازار پہنچ کر وہ ایک مشہور شاپنگ مال میں چلی گئی تھی۔ پھر سکون کا سانس لیتے اس نے موبائل نکال کر فیض صاحب کو کال کی تھی۔ اس کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا تھا کہ وہ بزنس کے سلسلے میں کراچی آئے ہوئے ہیں۔

"آپ اسلام آباد کب آئیں گے مجھے، مجھے آپ کی ضرورت ہے"۔ نہ چاہتے بھی اس کی آواز بھر آگئی تھی۔

"مقدس" ادھر وہ بری طرح پریشان ہو گئے تھے۔

"تم ٹھیک ہو نا؟" انہوں نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

"آپ آجائیں نا۔ میں اکیلی ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں کیا کروں کہاں جاؤں؟" خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے اس نے کہا تھا۔

"علی نواز کہاں ہے؟"

"میں اسے چھوڑ آئی ہوں"

"مقدس تم تو بہت خوش تھیں۔ علی نواز تو بہت اچھا تھا۔ تم نے ہمیشہ مجھے یہی بتایا ہے" انہوں نے حیرانی سے کہا تھا۔ وہ مزید برداشت نہیں کر سکی تھی۔ سسک اٹھی تھی۔

"پلیز مقدس رومت۔ تم ہو کہاں؟" وہ اب بری طرح پریشان ہو چکے تھے۔

"میں بازار میں ہوں۔ میں وہ گھر چھوڑ آئی

ہوں"۔

"معاملہ اتنا سنگین ہو چکا ہے اور تم مجھے آج بتا رہی ہو" ان کے کہنے پر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

"اچھا میں رائل میں کمرہ بک کرواتا ہوں تم وہاں چلی جاؤ۔ میں کوشش کروں گا رات تک پہنچ آؤں"

"رائل میں کمرہ؟" وہ اسے اپنے گھر جانے کو نہیں کہہ رہے تھے۔ وہ اس کے لیے ہوٹل میں کمرہ بک کروا رہے تھے۔ اس کے دل میں عجیب سا ہی درد اٹھا تھا۔ وہ بھی کیا نصیب لے کر آئی تھی چادر اور نقاب کو درست کرتے اس نے جا کر اپنے لیے چند ریڈی میڈ سوٹ لیے تھے اور ٹیکسی کر کے رائل میں بک اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ علی نواز کی کالز اور اب تک اسے اس کے غائب ہو جانے کی اطلاع میسجز آنے لگے تھے۔ جنھیں اس نے دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی یقیناً پہنچ چکی ہوگی۔ اس نے کس بدکار ظالم پر اپنی محبتیں لٹائی تھیں۔ رہ رہ کر اس کے سینے میں ٹیسیں اٹھتی تھیں۔ جسم میں درد اور حرارت کے باعث وہ کہیں غنودگی میں چلی گئی تھی۔ موبائل بجنے کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تھی۔ فیض صاحب اسے کال کر رہے تھے۔ اس نے فوراً آن کر کے کان سے لگایا تھا۔

"دروازہ کھولو میں آ گیا ہوں" انہوں نے کہا تھا۔ اس نے تیزی سے اٹھ کر جا کر دروازہ کھولا تھا۔ پریشان صورت لیے وہ دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ اس نے ضبط کرنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ اس کی سسکی نکلی تھی اور دل کا درد آنکھوں کے راستے باہر نکلنے لگا تھا۔ وہ اندر آئے تھے اور انہوں نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ وہ بھی پلٹ کر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ بھی اس کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ ہاتھ میں موجود بریف کیس انہوں نے سامنے میز پر رکھ دیا تھا۔ ٹائی کی ناٹ کھینچ کر ڈھیلی کی تھی۔ اور پاؤں سے شوز اتارے تھے۔

"کچھ بتاؤ گی یا روتی رہو گی؟" انہوں نے تھکے تھکے لہجے میں پوچھا تھا۔ اس کا رونا انہیں ناقابل بیان اذیت میں مبتلا کر رہا تھا۔

وہ اب گلے گلے بھر چکی تھی۔ اندر کے سارے زہر نے باہر نکلنا تھا۔ اس نے روتے کرلاتے اسد کے گھر سے نکلنے سے لے کر آج تک خود پر بیتی ہر اذیت، ذلت، دکھ، درد اور کرب بیان کر دیا تھا۔ آج وہ کچھ بھی چھپانے کو تیار نہیں تھی۔ ان کا ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔ وہ انہیں آپ بیتی نہیں بتا رہی تھی۔ ان کے کانوں میں زہر انڈیل رہی تھی۔ وہ نیلے پڑ گئے تھے۔

"میں اتنی بدنصیب کیوں ہوں؟" بلکتے وہ پوچھ رہی تھی۔

"ساری غلطی میری ہے" انہوں نے مجرم کی طرح سر جھکائے اعتراف جرم کیا تھا۔

"نہ میں بوا کی باتوں میں آتا، نہ تمہاری شادی کرتا، نہ تمہارے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا" اس نے تاسف سے ان کے بھیگے چہرے کو دیکھا تھا۔

"میرے نصیب میں یہ ساری اذیتیں تھیں اس لیے شادی ہوئی تھی۔ اس میں آپ کا کیا قصور؟"

"مجھے بہت پچھتاوا ہے۔ کاش میں اس وقت تمہاری شادی نہ کرتا۔ میں یہ سوچ کر بھی تمہاری شادی کے لیے راضی ہوا تھا کہ شاید تمہاری بھی یہ خواہش ہو جس کا تم اظہار نہ کر سکتی ہو۔ ظاہر ہے وہ تمہارے پڑوس میں رہتا تھا۔

پتا نہیں کب سے تم سے اظہار کر رہا تھا۔ تمہارا اس کی طرف ملتفت ہونا فطری تھا۔ یہ سوچ کر میں یہ جرم کر بیٹھا تھا'' وہ بہت گلٹی فیل کر رہے تھے۔

'' آپ دکھی نہ ہوں۔ میں ہوں ہی بد نصیب۔ میرے ساتھ یہ سب کچھ ہونا ہی تھا'' ان کے اذیت سے بگڑے چہرے کو دیکھتے اس نے ان کا احساس جرم کم کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہیں اذیت میں دیکھ کر اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ اور شرمندہ بھی ہو رہی تھی کہ ہمیشہ ان کے لیے تکلیف اور پریشانی کا باعث بن جاتی ہے۔

انہوں نے گہرا سانس لیتے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ صاف کیا تھا۔ وہ خود حوصلہ کریں گے تو اسے حوصلہ دیں گے نا۔ وہ اس کا خیال رکھنے کے بجائے کمزوری کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ الٹا وہ ان کی ہمت بندھا رہی تھی۔ انہیں تسلی دے رہی تھی۔

وہ جا کر اس کے لیے دوا لے آئے تھے۔ اسے کھانا اور دوا کھلا کر اٹھے تھے۔

'' تم اب آرام کرو اور پریشان بالکل نہیں ہونا۔ میں ساتھ والے روم میں ہوں''۔

'' آپ، آپ کا گھر بھی تو ہے'' اس کے دل میں ایک ہی خلش تھی وہ اس نے ہچکچاتے پوچھ لی تھی۔ ان کا چہرہ تاریک ہوا تھا۔

'' گھر کے معاملے میں میں بھی تمہاری طرح بہت بدنصیب ہوں'' اس کی طرف دیکھے بغیر انہوں نے کہا تھا اور فوراً کمرے سے نکل گئے تھے۔ اور وہ کتنی دیر ین بیٹھی ان کے لہجے میں موجود درد کو محسوس کرتی رہی تھی۔ سوتے جاگتے اس کی رات گزری تھی۔۔ دوا کی وجہ سے اسے اونگ آجاتی تھی مگر ان کے دکھ کو سوچتے نیند کہیں بھاگ جاتی تھی۔ پتا نہیں بے چارے کس مشکل میں تھے۔ خود کو اس کی طرح بد نصیب کہہ رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کوئی بہت بڑی بات ہوگی۔ ورنہ وہ یوں کہنے والے نہیں تھے۔ اور وہ بھی تو احمق تھی۔ اپنا ہر دکھ انہیں بتاتی چلی گئی تھی۔ اور خود اس نے ان سے کبھی بھی ان کی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ پتا نہیں کیسی مشکل میں ہوں گے۔ وہ صبح سات بجے اس کے کمرے میں آئے تھے۔ انہوں نے ناشتہ کمرے میں منگوایا تھا۔ دونوں نے ناشتہ کیا تھا پھر اس تے دوا بھی کھالی تھی۔

'' اب تم آرام کرو۔ میں اب آفس جاؤں گا پھر وہاں سے گھر۔ تمہارے پاس میں دو تین بجے تک آجاؤں گا۔'' وہ جو ان سے ان کے بارے میں سب کچھ پوچھنا چاہتی تھی اور دل میں بات شروع کرنے کی پلاننگ کر رہی تھی سر اثبات میں ہلا کر رہ گئی تھی۔ اسی وقت ان کا موبائل بجا تھا۔ ان کے منیجر کی کال تھی۔ انہوں نے آن کرتے موبائل کان سے لگایا تھا۔ نجانے اس نے کیا کہا تھا کہ ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا تھا اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

'' اسے بہت عزت سے بیٹھاؤ اور بتاؤ میں تھوڑی دیر میں پہنچ آؤں گا، ٹھیک ہے؟ اگر وہ واپس جانا چاہے تو اسے جانے نہ دینا، اچھا۔ سمجھ گئے ہونا؟''

'' بس ٹھیک ہے، میں پہنچتا ہوں'' انہوں نے موبائل آف کیا تھا۔ ان کے غیر معمولی انداز پر اسے کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔

'' کون، کون آیا ہے آفس؟'' وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور پوچھا تھا۔ انہوں نے سوچتی نظر اس پر ڈالی تھی کہ اسے کچھ بتائیں یا نہیں؟ اس کی چھٹی حس نے الارم سا بجایا تھا۔

'' وہ، وہ علی نواز تو نہیں آیا؟'' گھبرا۔ تے ا

نے پوچھا تھا۔
''اگر وہ علی نواز ہے تب بھی تم اتنی پریشان کیوں ہو؟ وہ اب تمہیں کبھی کچھ نہیں کہہ سکتا''۔ انہوں نے بدقت خود پر قابو پاتے نرمی سے کہا تھا۔
''آپ وہاں نہیں جائیں گے''۔ اس نے ان کا بایاں بازو پکڑ لیا تھا۔
''مقدس'' وہ حیران ہوئے تھے۔
''تم مجھے اتنا بزدل سمجھتی ہو؟''
''نہیں، نہیں'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا
''مجھے اس کا ڈر نہیں ہے مجھے آپ کے لیے ڈر ہے''۔ اس نے ان کے بازو پر گرفت اور مضبوط کر دی تھی۔
''کیا مطلب؟'' انہیں اس کی بات کا کوئی سر پیر سمجھ نہیں آیا تھا۔
''یہ جو گندے، بدکار، بدکردار لوگ ہوتے ہیں نا یہ بہت ڈرپوک ہوتے ہیں ان کا بس صرف مظلوم، بے سہارا لوگوں پر چلتا ہے جن کے سامنے یہ شیر بن جاتے ہیں۔ اپنے سے طاقتور کے سامنے یہ لوگ بھیگی بلی بن جاتے ہیں۔ مجھے پتا ہے وہ بھی آپ کے سامنے بول نہیں سکے گا'' وہ لمحہ بھر کو رکی تھی۔ وہ کچھ نہیں بولے تھے۔ خاموش سوالیہ اسے دیکھتے رہے تھے۔
''آپ مجھ سے وعدہ کریں آپ اسے کچھ نہیں کہیں گے؟''
''میں اسے کچھ نہیں کہتا تم بے فکر رہو'' اس کی بات سن کر وہ پرسکون ہو گئے تھے، نرمی سے اسے تسلی دینے لگے تھے۔
''نہیں آپ مجھ سے وعدہ کریں'' اس نے ان کے بازو کو ہلایا تھا۔
''کہہ رہا ہوں نا کچھ نہیں کہوں گا تم پریشان

مت ہو''۔
''آپ کہیں گے مجھے پتا ہے آپ کہیں گے پھر اگر آپ کسی مصیبت میں پھنس گئے تو؟ میں نہیں چاہتی میری وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف ہو اور، اور اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو میں کیا کروں گی، آپ کے سوا میرا کون ہے؟'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔
''میرا تم سے وعدہ ہے مجھے کچھ نہیں ہو گا'' انہوں نے اسے بہلانا چاہا تھا۔
''نہیں آپ وعدہ کریں آپ اسے کچھ نہیں کہیں گے'' وہ مصر ہوئی تھی۔ انہوں نے گہری سانس لی تھی۔
''میں جھوٹا وعدہ نہیں کرتا''
''پلیز'' وہ رو پڑی تھی۔
''مقدس میں اسے ایسے نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے اسے لازمی سبق سکھانا ہے۔ یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ وہ خود میرے پاس آ گیا ہے ورنہ مجھے خود اس کے پاس جانا پڑتا'' انہوں نے اسے کوئی جھوٹی تسلی نہیں دی تھی۔
''نہیں'' اس نے اب ان کے بازو کو بالکل ہی دبوچ لیا تھا۔
''تم میرا بازو چھوڑو گی تو میں جا سکوں گا نا'' انہوں نے بے بسی سے کہا تھا۔
''نہیں'' اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔
''کتنی دیر تک پکڑے رکھو گی آخر تھک جاؤ گی تو چھوڑنا پڑے گا'' وہ اب نرمی سے مسکرائے تھے۔
''پلیز آپ کو میری قسم آپ اسے کچھ نہیں کہیں گے'' اس نے انہیں ہر حال میں روکنا تھا۔ ان کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔
''تمہیں ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا'' وہ بہت سنجیدہ ہو گئے تھے۔ وہ تھوڑا شرمندہ ہو گئی تھی۔

وہ بھلا کون تھی انہیں اپنی قسم دینے والی۔ انہوں نے بڑی نرمی سے اپنے دائیں ہاتھ سے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑایا تھا۔ وہ اتنی شرمندہ ہو گئی تھی کہ اس کی گرفت بھی خود بخود ڈھیلی ہو گئی تھی۔

"میرا تم سے وعدہ ہے میں اسے جان سے نہیں ماروں گا، بس" انہوں نے جیسے اس کی بات رکھی تھی۔

"تم نے اپنا خیال رکھنا ہے۔ پریشان نہیں ہونا۔ ذرا سی بھی کوئی بات ہو مجھے فوراً کال کر لینا، ٹھیک؟" وہ اس کی رضا مندی چاہ رہے تھے۔

"آپ، آپ اسے دفع کریں۔ اسے جانے دیں" اس نے پھر ان کا بازو پکڑ لیا تھا۔

"مقدس" انہوں نے گہرا ٹھنڈا سانس لیا تھا۔

"کیا اس کا حق تھا تمہیں اتنا بڑا دھوکہ دیتا۔ تم پر اتنا ظلم کرتا؟"

"نہیں" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا مگر ان کا بازو نہیں چھوڑا تھا۔

"جب ہم لوگ ظالموں کو ظلم کرنے سے نہیں روکتے، انہیں سزا نہیں دیتے یا دلاتے تو ان کا ظلم اور پھلتا پھولتا ہے۔ وہ اور فرعون بن جاتے ہیں"۔ وہ نرمی سے اسے سمجھانے لگے تھے۔

"تم سے پہلے وہ نجانے کتنی لڑکیوں کو برباد کر چکا ہو گا، اسے کبھی کسی نے کچھ نہیں کہا ہو گا یا مجبور اور لاچار کوئی کچھ کر ہی نہیں سکی ہو گی۔ بے بس انسان بھلا کر بھی کیا سکتا ہے مگر اب ایسا موقع ملا ہے کہ اسے ایسی سخت سزا دیں کہ وہ دوبارہ اتنا بھیانک ظلم کرنے سے پہلے ہزار دفعہ سوچے"۔ ان کی آواز نرم سے نرم ہوتی چلی گئی

تھی اور اس کی ان کے بازو پر گرفت سخت سے سخت یعنی وہ ان کی بات نہیں سمجھ رہی تھی۔

"مقدس کیا تم چاہتی ہو اس نے جس طرح تمہارا استحصال کیا ہے اور جو جو ظلم تم پر کیے ہیں وہ سب ظلم وہ کسی اور لڑکی پر بھی کرے؟" انہوں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تو پھر مجھے جانے دو" وہ فوراً بولے تھے۔

اس کی گرفت ان کے بازو پر ڈھیلی ہوتے ختم ہو گئی تھی اور ہاتھ نیچے گر گئے تھے۔

"گڈ گرل" وہ خوش ہوئے تھے۔

"اپنا خیال رکھنا میں جلدی آؤں گا۔ آؤ دروازہ بند کر لو" دروازے کے پاس پہنچ کر رک کر انہوں نے کہا تھا۔ وہ میکانکی انداز میں آگے بڑھی تھی اور ان کے باہر نکلنے کے بعد اس نے دروازہ بند کر دیا تھا پھر اپنے خوف سے دھڑکتے دل کو پکڑے وہ آ کر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

✦✦✦

کھولتے لہو کے ساتھ وہ اپنے آفس پہنچے تھے۔ وہ ویٹنگ روم میں ان کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ سیدھے ویٹنگ روم کی طرف ہی گئے تھے۔ انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ فوراً اپنی نشست سے اٹھا تھا اور ان کے سنجیدہ، برہمی آمیز تاثرات کو نظر انداز کرتے خوش آمدانہ انداز میں زور سے سلام کرتے اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔ انہوں نے اس کے آگے بڑھے ہاتھ کو نظر انداز کیا تھا اور جتنا زور تھا اتنے زور سے الٹا ہاتھ اس کے منہ پر مارا تھا۔ چیخ کی زوردار آواز کے ساتھ ان کا ہاتھ اس کے دائیں گال پر لگا تھا۔ جھٹکے سے اس کا منہ بائیں جانب مڑا تھا اور وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑایا

جواس کی دائیں طرف کی پسلیوں پر لگی تھی۔ہڈی ٹوٹنے کی واضح آواز آئی تھی۔اس کے منہ سے کربناک آواز نکلی تھی اور وہ قالین پر گر کر تڑپنے لگا تھا۔

"تم نے نعوذ باللہ خود کو خدا سمجھ لیا ہے۔جو چاہو کرو جیسے چاہو کرو۔تم نے کیا سمجھ لیا ہے ظلم پر ظلم کرتے رہو گے اور کوئی تمہیں پوچھنے والا نہیں ہوگا۔آج میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گے"۔اسے کسی قسم کا سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر انہوں نے اسے مکوں اور لاتوں کی زد میں رکھ لیا تھا اور مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا تھا۔شور سن کر سارے آفس کے لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔اتنے نفیس انسان کو اس طرح غصے میں بپھرے ہوئے دیکھ کر وہ سب بہت حیران تھے۔وہ غصہ کر جاتے تھے مگر جائز بات پر۔انہوں نے اپنے کسی ملازم سے بھی کبھی خواہ مخواہ بدتمیزی نہیں کی تھی۔وہ اس وقت ایسی کیفیت میں تھے کہ اسے زندہ نہ چھوڑتے مگر منیجر اور چند دوسرے لوگوں نے انہیں پکڑ لیا تھا۔

"سر اب بس کر دیں یہ مر جائے گا" منیجر نے التجا کی تھی۔وہ جو خود کو ان لوگوں کی گرفت سے چھڑا رہے تھے یکدم ساکت ہو گئے تھے۔انہیں کوئی وعدہ یاد آ گیا تھا۔

❖❖❖

وہ مضطرب ٹہل رہی تھی۔ہاتھ میں پکڑے موبائل کو وہ بار بار دیکھ رہی تھی۔دل چاہ رہا تھا انہیں کال کرے پھر خود کو روک لیتی تھی۔ابھی انہیں گئے ہوئے گھنٹہ ڈیڑھ ہی ہوا تھا مگر اسے کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔بس ان کی سلامتی کی دعائیں مانگتی جا رہی تھی۔وہ شش و پنج میں موبائل کو دیکھ رہی تھی کہ انہیں کال کرے یا نہ

پڑھ کر اسے تھوڑا سکون ملا تھا۔اس نے جلدی سے آن کر کے کان سے لگایا تھا اور سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام، ٹھیک ہو؟" ان کی مطمئن و پرسکون آواز سنائی دی تھی۔

"آپ، آپ ٹھیک ہیں ناں؟" اس نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں"

"اور، اور وہ؟"

"وہ بھی زندہ ہے" ان کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔ اسے چپ لگ گئی تھی۔

"تم اپنا خیال رکھنا میں تھوڑی دیر بعد آؤں گا" انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔اور وہ بیٹھی تصور میں اس ظالم کو گھائل حالت میں دیکھنے لگی تھی تو احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔دل کو تھوڑا سکون بھی ملنے لگا تھا۔

"ارے وہ نکاح، نکاح تھوڑی تھا وہ تو سب جعلی کام تھا"

"اگر تم میری بیوی ہوتیں تو میں اپنے بچے سے اس طرح چھٹکارا حاصل کرتا کوئی؟"

اس کی باتیں اس کے ذہن میں بار بار گونج رہی تھیں۔

اب اس ظالم کو پتا چلا ہوگا وہی سب کچھ نہیں ہے، ہر سیر پر سوا سیر موجود ہوتا ہے۔

❖❖❖

"آپ پریشان ہیں ناں؟ دونوں ہاتھ آپس میں جکڑے وہ بے چین سی ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھی تھی۔وہ جب سے آئے تھے اسے پریشان نظر آ رہے تھے۔تو اس نے پوچھنے کی ہمت کر لی تھی۔

انہوں نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی پھر نظریں جھکا لی تھیں اور سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہیں۔کون سا؟'' وہ چونکے تھے۔
''وہ وہ اس۔۔۔علی نواز کا''
''نہیں، نہیں تو۔ میں اس کی وجہ سے پریشان نہیں ہوں۔ میں، میں تو۔۔۔۔۔۔''
انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔
''بتائیں ناں کیا بات ہے؟'' وہ تھوڑا ڈری تھی۔
''تم یہاں ہوٹل میں کتنا عرصہ رہ سکتی ہو بھلا؟ میں سوچ رہا ہوں تمہارے لیے ایک پیارا سا گھر ہونا چاہیے جہاں تم عزت سے خوشی سے اپنی زندگی گزارو'' وہ دھیمے لہجے میں بولے تھے۔

او،تو وہ اس کی وجہ سے پریشان تھے۔اس کا سر جھک گیا تھا کچھ کہہ نہیں سکی تھی اور وہ کہتی بھی بھلا کیا؟
''میں سوچ رہا ہوں۔۔۔۔۔۔۔وہ۔۔ میرے آفس میں دو تین لڑکے بہت اچھے ہیں۔ پڑھے لکھے ہیں۔اچھی فیمیلیز سے تعلق رکھتے ہیں اگر ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیا جائے تو۔۔تو۔۔۔۔۔۔'' وہ سر جھکائے سپاٹ لہجے میں کہتے چپ ہو گئے تھے۔ ان کی ادھوری بات کا مطلب سمجھ کر وہ لرز کر کھڑی ہو گئی تھی۔
اسے کھڑے ہوتے دیکھ کر انہوں نے جھکا سر اوپر کیا تھا۔ان کا چہرہ اذیت سے بگڑا بگڑا سا تھا اور آنکھیں بھی نم تھیں۔
وہ نفی میں سر ہلاتی چلی گئی تھی۔
''اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے نا، میں تمہیں اکیلے کیسے چھوڑ سکتا ہوں بھلا؟'' انہوں نے پھر سر جھکا لیا تھا۔
''میں ایسا ہر گز نہیں کروں گی'' اس نے صاف انکار کیا تھا۔
''مقدس!۔۔۔۔'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر اس نے انہیں بات پوری نہیں کرنے دی تھی۔
''مجھے آپ کی یہ بات منظور نہیں ہے۔ میں کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی۔ دوسرے اگر آپ اس طرح کسی کا انتخاب کریں گے اور اسے میرے بارے میں سب بتائیں گے تو وہ جو بھی ہو کسی صورت اس شادی کے لیے تیار نہیں ہو گا اور اگر آپ اسے اپنی دولت کے بل بوتے پر حاصل کریں گے تو ٹھیک ہے چلیں وہ راضی ہو جائے گا۔ دولت کی خیرہ کن چمک سے وہ متاثر ہو جائے گا مگر کب تک؟ دولت کی چمک وقتی ہوتی ہے۔وہ سب کچھ کھا پی لے گا نا تو پھر اسے میری ساری برائیاں اچھے سے یاد آ جائیں گی اور انجام۔۔۔۔ میں اسی طرح بے بس آپ کے پاس بیٹھی رو رہی ہوں گی۔
اور اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اسے آپ میرے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے اور شادی کر دیں گے تو یہ تو پہلے والے معاملے سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس طرح کی کوئی بھی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ ہر وقت خطرے کی تلوار میرے سر پر لٹکتی رہے گی اور جونہی اس کے علم میں میرے بارے میں سب کچھ آئے گا وہ مجھے گھر سے نکال باہر کرے گا۔ دونوں صورتوں میں میرے لیے انجام بربادی ہی ہے۔ اس لیے جس بات کا پہلے ہی سے سب پتا ہو، برے انجام کا علم ہو تو عقلمندی یہی ہے کہ وہ کام ہی نہ کیا جائے''۔ وہ بولتی چلی گئی تھی۔اس کے تجربات کا نچوڑ تھا یہ۔وہ اب بچی نہیں تھی۔ دوسروں کے ظلم و ستم سہہ کر اس کی آنکھیں اور کان کھل چکے تھے۔
وہ کچھ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ انہیں چپ لگ

گئی تھی۔

"تم صحیح کہہ رہی ہو، تمہاری ساری باتیں درست ہیں" پھر انہوں نے خود ہی خاموشی کو توڑا تھا۔

"مگر یہ تمہاری زندگی کا سوال ہے۔ ہم نے جذباتی نہیں پریکٹیکل (عملی) ہو کے سوچنا ہے"۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ میں اکیلے رہ لوں گی" اس نے انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔

"اکیلے رہنا آسان کام نہیں ہے۔ اس میں بھی مشکلات اور پریشانیاں ہیں"

"آپ، آپ نا مجھے اپنے گھر لے چلیں" بے سوچے سمجھے بے ساختہ دل کی بات اس کے منہ سے نکل گئی تھی پھر بری طرح پچھتائی تھی۔ وہ اسے اپنے گھر میں رکھ سکتے تو بچپن میں ہی اسے اپنے گھر میں رکھ لیتے۔ ان کے چہرے پر حیرت بھی ابھری تھی اور پریشانی بھی۔ ان کے تاثرات پر شرمندگی سے اس نے سر جھکالیا تھا۔ یہ اس کے منہ سے کیا نکل گیا تھا؟

"گھر؟" انہوں نے ٹھنڈی سانس لی تھی پھر اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھ کر کچھ سوچ کر مسکرا دیے تھے۔

"تم ٹھیک کہتی ہو مجھے تمہیں اپنے گھر لے جانا چاہیے"۔ انہوں نے اس سے فوراً اتفاق کر لیا تھا۔ مگر اس کا جھکا سر نہ اٹھا تھا۔

جبکہ وہ کوئی فیصلہ کر کے پرسکون ہو گئے تھے۔ ان کی پریشانی اور تفکر جیسے کہیں غائب ہو گئے تھے۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"مقدس!" انہوں نے اسے نرمی سے پکارا تھا۔

"جی" وہ بھی شرمندہ شرمندہ سی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میرے گھر جانے کے لیے تمہیں ایک چھوٹی سی شرط پوری کرنی پڑے گی"۔

"جی؟" اس نے سوالیہ انہیں دیکھا تھا۔

"میں اس شرط کو پورا کیے بغیر تمہیں اپنے گھر نہیں لے جا سکتا اگر شرط پوری کیے بغیر لے گیا تو میرے گھر میں تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا جائے گا کہ تم باقی دنیا کے مظالم بھول جاؤ گی اور میں کھل کر تمہاری کوئی مدد بھی نہیں کر سکوں گا۔ اگر تم نے میری شرط پوری کر لی تب بھی میرے گھر میں تمہارے ساتھ بہت برا سلوک ہو گا مگر میں تمہاری ڈھال بن سکوں گا تمہارا خیال رکھ سکوں گا اور اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کر سکے گا" انہوں نے طویل وضاحت دی تھی۔

"کیسی شرط؟" وہ ان کی باتوں پر پریشان ہو چکی تھی۔

"نکاح کی شرط، میں تمہارا نکاح اپنے بیٹے بلال سے کرنا چاہتا ہوں، کیا تم اس کے لیے راضی ہو؟" انہوں نے دھماکہ کیا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ منہ کھلا ہوا تھا اور وہ ہکا بکا انہیں دیکھتی چلی گئی تھی۔ وہ، وہ اس سے اپنے بیٹے کی شادی کرنا چاہتے تھے، اس جیسی سے؟ اس کچلی مسلی ہوئی، راندہ درگاہ بد نصیب سے۔ وہ اتنے بڑے دل کے مالک تھے، وہ اتنے عظیم تھے؟ ہاں اس کا دل جانتا تھا وہ اس سے محبت کرتے ہیں مگر وہ اس پر اتنا بڑا احسان کریں گے۔ اتنی بڑی قربانی دینے کو تیار ہو جائیں گے۔ اسے اتنی عزت دیں گے وہ نہیں جانتی تھی۔ اس نے تو ان کے گھر جانے کے لیے اس لیے کہا تھا کہ وہ وہاں عزت سے رہ لے گی۔ اس نے ان سے کسی رشتے کا تو سوچا ہی نہیں تھا۔

وہ اس کے حیرت زدہ ساکت وجود کو دیکھ کر

کرائے تھے۔

''میں ہاں سمجھوں یا نہ؟'' وہ سچ مچ اس سے اپنے بیٹے کی شادی کرنے کا پوچھ رہے تھے۔ اسے جب یقین آیا تو اس کے سلگتے دل پر ٹھنڈی پھوار برسنے لگی تھی۔ اس کا پیاسا تن من جیسے سیراب ہونے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی پیاری سی شرمیلی مسکراہٹ آئی تھی۔ اثبات میں سر ہلاتے اس نے سر جھکا لیا تھا۔ وہ اپنے اقرار پر ان کے چہرے کے تاثرات دیکھنا چاہتی تھی مگر سر نہ اٹھا سکی تھی۔

''بیٹھ جاؤ گر جاؤ گی'' اس کے ہلکے کپکپاتے وجود کو دیکھتے انہوں نے کہا تھا تو وہ فوراً پیچھے موجود صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ بھی اس کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

''سب سے بہتر حل یہی ہے کہ تمہاری شادی بلال سے ہو جائے تاکہ تم عزت، مان اور مرتبے سے زندگی گزار سکو۔ کبھی کوئی تمہیں کوئی طعنہ اور تکلیف نہ دے سکے'' وہ کہہ رہے تھے اور ٹھاٹھیں مارتا سکون اس کے پورے وجود میں دوڑ رہا تھا۔

''میں نے ابھی گھر میں بات نہیں کی ہے، پہلے تمہاری رضامندی ضروری تھی ناں۔ میں آج ہی جا کر بات کرتا ہوں''۔ وہ خالی ہاتھ نہیں رہنے والی تھی۔ اپنی خوش قسمتی پر وہ بے یقین سی تھی۔ اپنے بلیوں اچھلتے دل کو اس نے بڑی مشکل سے سنبھالا تھا۔ وہ جس ذلت کے احساس سے مر رہی تھی وہ کہیں دور بھاگ گیا تھا۔

✦✦✦

''کیا کہنا ہے؟ عارفہ (ملازمہ) نے کہا ہے کہ تم بلا رہے ہو'' باسمہ کے لہجے میں ایسی تلخی اور کاٹ سی ہوتی تھی کہ انہیں اس سے بات کرنے کا دل ہی نہیں چاہتا تھا مگر مجبوری تھی۔

انہوں نے ہاتھ میں موجود سگریٹ ایش ٹرے میں رکھ دیا تھا۔

''میں مقدس کو یہاں گھر میں لانا چاہتا ہوں اس کے لیے مجھے تمہاری اجازت درکار ہے'' ہاتھ پیچھے باندھے وہ کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے تھے اور باہر لان میں دیکھتے انہوں نے کہا تھا۔

''تم میں شرم اور غیرت نام کی کوئی چیز ہے؟ تم اب اپنی بیٹی کی عمر کی لڑکی سے شادی کرو گے۔ میں تو اس کی تکہ بوٹی کر ڈالوں گی۔ پہلے اس کی منحوس ماں کی وجہ سے ساری زندگی عذاب میں گزری ہے اب وہ اٹھ کھڑی ہوئی ہے''۔ اس نے واویلا کرنا شروع کر دیا تھا۔

''یہ کیا بکواس کر رہی ہو، میں نے ایسے کب کہا؟'' وہ چیں بہ جبیں ہو کر بولے تھے۔

''اور کس چیز کے لیے تمہیں میری اجازت چاہیے؟''

''شرم کرو تم کچھ شرم۔۔ میں تمہارے کالے کرتوت تمہارے بیٹیوں کو بتاتی ہوں نا۔ انہیں بھی پتا چلے ان کا باپ کیسا ہے''۔ وہ شور کرتی لمحوں میں کمرے سے نکل گئی تھی اور وہ سر تھامے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ اس نے بات کا بتنگڑ بنا دیا تھا۔

چند منٹ بعد وہ دونوں بیٹیوں کو لیے ان کے سر پر آ سوار ہوئی تھی۔ اس کی زبان مسلسل چلی جا رہی تھی اور بیٹیاں بھی انہیں سوالیہ دیکھے جا رہی تھیں۔

''بس کرو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کیوں بات کو بگاڑ رہی ہو؟'' بالآخر وہ اس کی قینچی کی طرح چلتی زبان کے دوران ہی بول پڑے تھے۔

''کھاؤ، کھاؤ ان دونوں کی قسم کہ تم نے

ان۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو یہاں لانے کی بات نہیں کی۔" وہ بپھری بولی تھی۔

"کی ہے مگر۔۔۔۔۔۔۔"

"بس بس پیچھے کیا رہ گیا ہے بتاؤ مجھے؟" دونوں ہاتھ ملتے وہ ان کے ٹکڑے کرنے کو بے تاب ہو رہی تھی۔

"میں نے اپنے لیے بات نہیں کی۔ میں چاہتا ہوں بلال سے اس کا نکاح کر دیا جائے۔" انہوں نے اپنی کہہ کر چھوڑی تھی۔

"او میرے اللہ کوئی شرم و حیا کرو۔ گرگٹ بھی ایسے رنگ نہیں بدلتا جیسے تم بدل رہے ہو۔"

"تم نے مجھے بولنے کا موقع دیا ہے، میری بات پوری سنی ہے؟" وہ بھی جھنجلائے تھے۔

"تم نے اگر دوبارہ میرے بیٹے کا نام لیا نا تو میں تمہارا وہ حشر کروں گی جو تم زندگی بھر یاد رکھو گے۔" وہ بالکل ہی آؤٹ ہو گئی تھی۔

"تم اس کی آڑ میں چھپنا چاہتے ہو۔"

"تم یہ اپنی بکواس ختم کر دو نا اب، وہ میرے لیے بیٹیوں کی طرح ہے۔"

"اس کی ماں بھی تمہاری بیٹیوں کی طرح تھی نا" اس کے تمسخر نے ان کا دماغ گھما دیا تھا۔

"وہ میری محبت تھی، میری جان تھی، میری زندگی تھی۔ میں بدنصیب نہ ہوتا تا تو وہ مجھ سے نہ بچھڑتی۔ میری اس سے شادی ہوتی اور میں خوشیوں بھری زندگی گزارتا اس جہنم میں نہ ہوتا۔"

نفرت بھری نظر اس کے چہرے پر ڈالتے وہ کمرے سے نکل گئے تھے۔

✧✧✧

فیض صاحب اسے نئی زندگی کی نوید سنا کر اپنے گھر چلے گئے تھے اور وہ عزت کی زندگی گزارنے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔ اگلے پانچ دن وہ اس کے پاس نہیں آ سکے تھے البتہ اس کی خیریت پوچھنے کے لیے کال کرتے رہے تھے۔ وہ آواز سے ہی اسے پریشان لگتے تھے مگر وہ ان سے کچھ بھی پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکی تھی اور آج پانچ دن بعد انہوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس کے پاس آئیں گے اور وہ دھڑکتے دل سے ان کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ نجانے کیوں اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہو گی۔ اسے کوئی خوشی نہیں ملے گی۔ بہت دیر ان کا انتظار کرنے کے بعد اس نے انہیں کال کی تھی۔

"آ گیا ہوں یہاں، تمہارے ساتھ والے روم میں ہوں۔ بس تمہارے پاس آنے کی ہمت جمع کر رہا ہوں۔" ان کی مایوس سی آواز پر اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ اس نے موبائل کان سے ہٹایا تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اپنے کمرے سے باہر آ کر اس نے دروازہ بند کیا تھا۔ ان کے کمرے کے دروازے پر دستک دیتے وہ نروس سی تھی۔ اس کی دستک کا کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ اس نے ہینڈل پکڑ کر گھمایا تھا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ اندر رنگ و نور کے سیلاب کے بجائے گہرے اندھیرے اور اداسی نے اس کا استقبال کیا تھا۔ اس کا دل بیٹھ گیا تھا۔ اس نے بائیں طرف ٹٹول کر سوئچ کو دبایا تھا۔ کمرہ روشن ہو گیا تھا۔ سامنے ہی وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے صوفے پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں کی سرخی، ان کے چہرے کی ویرانی نے اسے لرزا دیا تھا۔ آہستہ آہستہ چلتی وہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی۔

(باقی اگلے ماہ)

الحدیث

''زکوٰۃ سے مال کی حفاظت''

ارشاد نبویؐ ہے کہ ''اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعے محفوظ بناؤ اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو اور بلا اور مصیبت کی موجوں کا دعا اور اللہ کے حضور میں عاجزی اور گریہ زاری سے استقبال کرو۔''

''جنگل ہو یا سمندر کسی جگہ بھی جو مال ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے سے ضائع ہوتا ہے۔''

''ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو عورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے تو ان سے پوچھا کہ ان کی زکوٰۃ دیتی ہو یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، تب آپ نے فرمایا کیا تم کو یہ پسند ہے کہ اس کے بدلے میں آگ کے کنگن پہنائے جائیں۔''

انہوں نے عرض کیا نہیں۔

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تو پھر اس کی زکوٰۃ دیا کرو۔'' (بحوالہ ترمذی شریف)

سارا حیدر، ساہیوال

نصیب والے

جھڑکیاں دینے والے، رعب جمانے والے، دھمکیاں دینے والے، یہ بھول چکے ہوتے ہیں کہ وہ بھی انسان ہیں، انسانوں پر رعب جمانے اور انہیں جھڑکیاں دینے کا کوئی حق نہیں، ہر قعلی استحقاق صرف غرور نفس کا دھوکا ہے۔

اور غرور کسی انسان میں اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک وہ بدقسمت نہ ہو، نصیب والے، قسمت والے ہمیشہ عاجز و مسکین ہی رہتے ہیں۔

ساجدہ احمد، ملتان

فرمان رسولؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

''قابل رشک دو ہی آدمی ہو سکتے ہیں، ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دولت عطا فرمائی اور وہ شب و روز اس پر عمل کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا اور وہ شب و روز اس کے حکم کے مطابق اس مال کو خرچ کرتا رہتا ہے۔''

صفہ خورشید، لاہور

زندگی گزارنے کے بہترین طریقے

۱۔ اس طرح زندگی گزاروں کہ جب تک تم زندہ رہو لوگ تم سے ملنے کے لئے بے قرار رہیں اور جب تم اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ تو تمہاری یاد میں آنسو بہائیں۔

۲۔ ان پھولوں کی طرح زندگی گزاروں جو ان لوگوں کے ہاتھوں میں بھی خوشبو دیتے ہیں جو انہیں مسل کر پھینک دیتے ہیں۔

۳۔ پھولوں کی طرح اپنی زندگی دوسروں کے لئے وقف کر دو، تم نے دیکھا نہیں کہ وہ مزاروں پر بھی سجتے ہیں اور سہرے کی لڑیوں میں بھی مسکراتے ہیں۔

آئی۔

"اے موسیٰ! سنبھل کے اب تمہارے لئے دعا کرنے والے لب خاموش ہیں۔"

طاہرہ آصف، ساہیوال

باتوں سے خوشبو آئے

() اپنا ادب کروانے کے لئے دوسروں کا ادب کرو تمہارا احترام خود بخود کیا جائے گا۔

() کسی کا راز تلاش نہ کرو اگر معلوم ہو جائے، تو فاش نہ کرو۔

() دین پر عمل تبھی ہو سکتا ہے جب دل میں سلف صالحین کی محبت اور عظمت ہو۔

() معاف کرنا سب سے زیادہ اسے زیب دیتا ہے، جو سزا دینے پر قادر ہو۔

() تھوڑا دینے پر مت شرماؤ کیونکہ خالہ ہاتھ لوٹانا اس سے بھی گری ہوئی بات ہے۔

() جب عقل بڑھتی ہے تو باتیں کم ہو جاتی ہیں۔

عافیہ رحیم، سکھر

کرنیں

☆ دنیا کوئی ایسی بری جگہ بھی نہیں، ابھی پھول کھلنے بند نہیں ہوئے، صبح پورے دل سے ہوتی ہے اور روز سورج پورے یقین سے طلوع ہوتا ہے، خزاں آتی ہے اور رکے بنا چلی جاتی ہے کہ بہار نے آنا اور ٹھہرنا ہوتا ہے۔

☆ بنانے والے نے لوگوں کو ستار کے تاروں جیسا بنایا ہے، بس آپ کو اتنا پتا ہونا چاہیے کہ کون سی تار کو چھیڑنا ہے پھر وہی آواز نکلے گی اور وہی دھن بجے گی جو آپ بجانا چاہیں گے۔

☆ مستنصر حسین تارڑ کہتے ہیں۔

ایک فائل دل کی بھی ہوتی ہے جس میں ایک ہی نام ہوتا ہے، گر ایک سے زیادہ ہوں تو وہ فائل، کتاب نہیں رہتی بلکہ انسائیکلو پیڈیا بن جاتی ہے۔

ایک فائل خطوط، کارڈز، فون نمبرز کی بھی ہوتی ہے اسے بھی کبھی کبھار دیکھنا چاہیے، جو بھول گئے ہوں، انہیں یاد کر لینا چاہیے۔

واجدہ امیر، حیدرآباد

سلطنت کی قیمت

ایک مرتبہ ہارون الرشید عباسی نے پینے کے لئے پانی مانگا، مجلس میں اس وقت مشہور عالم، زاہد ابن سماک بھی موجود تھے، پانی آ گیا اور ہارون الرشید پینے ہی کو تھا کہ ابن سماک نے کہا۔

"ذرا ٹھہر جائیے اگر آپ سے یہ پانی روک لیا جائے تو اسے حاصل کرنے کے لئے آپ کیا خرچ کر سکیں گے۔" ہارون نے جواب دیا۔

"پیاس کو بجھانے کے لئے اگر ایک پیالہ نصف سلطنت کے عوض بھی ملے تو میں یہ قیمت دینے کو تیار ہوں۔" پھر جب ہارون نے پانی پی لیا تو ابن سماک بولے۔

"امیر المومنین! اگر یہ پانی جو آپ نے پیا ہے جسم کے اندر رک جائے اور باہر خارج نہ ہو سکے تو اسے نکلوانے کے لئے آپ کیا خرچ کر سکیں گے؟" ہارون نے کہا کہ "ایسی صورت میں ساری سلطنت دے ڈالوں گا۔"

ابن سماک نے فرمایا۔

"یہ ساری سلطنت جو ایک چلو بھر پانی کے عوض دی جا سکتی ہے، اس پر اتنا اترانا اور غرور و تکبر میں انجام کو بھول جانا کہاں کی عقلمندی ہے، خدا کا خوف کیجئے اور اس کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کو ہرگز فراموش نہ کیجئے۔" ہارون الرشید پر اس نصیحت کا بہت اثر ہوا اور وہ دیر تک گردن جھکائے روتے رہے۔

☆☆☆

مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد

دیکھ لو دہلیز پر ہو گی بہار
خشک پتوں سے یہ آنگن بھر چکا

....

موسم حبس ہے ایسا کہ میسر اب تو
شورش حلقہ احباب نہ تنہائی ہے
خود میں سمٹوں تو بکھرنے کی خلش ڈستی ہے
خود سے باہر بھی نہ شہرت ہے نہ رسوائی ہے

....

سناٹوں سے ہوئی ہو گی جب وحشت
بے ساختہ اس نے مجھ کو پکارا ہو گا
یاد کر کے مجھے نم ہوئی ہوں گی پلکیں
آنکھ میں کچھ پڑ گیا کہہ کے یہ ٹالا ہو گا

راحیلہ فیصل ---- سرگودھا

کبھی ہنسنے سے ڈرتے ہیں کبھی رویا نہیں کرتے
سحر سے پوچھ لو محسن کہ ہم سویا نہیں کرتے

....

حرف اپنے ہی معافی کی طرح ہوتا ہے
پیاس کا ذائقہ پانی کی طرح ہوتا ہے
تیرے جاتے ہی میں شکنوں سے نہ بھر جاؤں کہیں
کیوں جدا مجھ سے جدائی کی طرح ہوتا ہے

....

غم عاشقی تیرا شکریہ
میں کہاں کہاں سے گزر گیا

آمنہ خان ---- راولپنڈی

وہ فاصلہ تھا دعا اور مستجابی میں
کہ دھوپ مانگنے جاتے تو ابر آ جاتا

وہ مجھ کو چھوڑ کے جس آدمی کے پاس گیا
برابری کا بھی ہوتا تو صبر آ جاتا

....

میں نے روکا بھی نہیں اور وہ ٹھہرا بھی نہیں
حادثہ کیا تھا جسے دل سے بھلایا بھی نہیں
وہ تو صدیوں کا سفر کر کے یہاں پہنچا تھا
تو نے منہ پھیر کے جس شخص کو دیکھا بھی نہیں

....

اور کچھ بھی نہیں ہوتا تو بھری بارش میں
تجھ سے بچھڑے ہوئے رستوں پہ سفر کرتا ہوں

....

ہم نے تمہارے بعد نہ رکھی کسی سے آس
اک تجربہ بہت تھا بڑے کام آ گیا

صابرہ سلطانہ ---- کراچی

کہاں سے آتی کرن زندگی کے زنداں میں
وہ گھر ملا ہے جس میں کوئی در ہی نہ تھا

....

میری صدا کو دبانا تو خیر ممکن ہے
مگر حیات کی للکار کون روکے گا
فصل آتش و آہن بہت بلند سہی
بدلتے وقت کی رفتار کون روکے گا

....

مجھ سے گلے ہیں مجھ پہ بھروسا نہیں اسے
یہ سوچ کر ہم نے بھی تو ٹوکا نہیں اسے
ساغر یہ محبت نہیں اصول وفا ہے
ہم جان تو دیں گے مگر دھوکا نہیں اسے

حنا شاہین ---- حیدر آباد

اس نے بھی اظہار کی شدت میں چپ سادھے رکھی
میں نے بھی کچھ کہنے کی خواہش میں بات چھپا دی
اس وحشت میں ہنستے بستے جیون ڈھول ہوئے
اس نے اک دیوار اٹھا دی میں نے ایک گرادی

....

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اڑ جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں
مجھے روکے گا تو اے ناخدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

....

للہ آپ مجھ سے محبت نہ کیجئے
دو روز ہی میں آپ کا چہرہ اتر گیا
پہلے تو زندگی کی تمنا تھی عشق میں
اب ڈھونڈتا ہو کہ میرا قاتل کدھر گیا
سدرہ خانم ---- ملتان
وہ میرا مسئلہ حل کر گیا ہے
طبیعت میری بوجھل کر گیا ہے
میں جیسے اور ادھورا ہو گیا ہوں
مجھے وہ یوں مکمل کر گیا ہے

....

کبھی نہ ختم کیا میں نے روشنی کا محاذ
اگر چراغ بجھا دل جلا لیا میں نے
قتیل جس کی عداوت میں ایک پیار بھی تھا
اس آدمی کو گلے سے لگا لیا میں نے

....

جب یہ کہتا ہوں کہ بس دنیا پہ اب تفس کیجئے
نفس کہتا ہے ابھی چندے توقف کیجئے
وقت تھا جو کام کا حالی گنوا بیٹھے اسے
جایئے اب عمر بھر بیٹھے تاسف کیجئے
آسیہ فرید ---- خانیوال
تو عالم ہے سمجھتا ہے کتابوں کی زباں
میر چہرہ کبھی پڑھ میرے حالات بتا

بس ہو جائے مجھے تیری محبت حاصل
تو کوئی ایسی دعا ایسی مناجات بتا

....

سردیاں بارش ہوا چائے کا کپ
وہ مجھے یاد آ رہا ہو شام ہو
یا الٰہی ایسے لمحے سے بچا
وہ کبھی مجھ سے خفا ہو شام ہو

....

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فراز
کچا تیرا مکان ہے کچھ تو خیال کر
مریم انصاری ---- سکھر
نصیب گرد سفر تھی مگر ہم آبلہ پا
ٹھہر ٹھہر کے ہر اک ہم نفس کے ساتھ چلے

....

میری دیوانگی پہ اس قدر حیران ہوتے ہو
میرا نقصان تو دیکھو محبت گمشدہ میری

....

اس آخری نظر میں کیا کچھ نہ تھا فراز
جانے کا اس کے رنج مجھے عمر بھر رہا
عزہ فیصل ---- قصور
راز دل نہ سنانا کسی کو ساغر
دنیا میں سب ہم راز بدل جاتے ہیں
کسی کے بچھڑنے سے کوئی مر تو نہیں جاتا
ہاں مگر جینے کے انداز بدل جاتے ہیں

....

تمام شب جہاں جلتا ہے اداس دیا
ہوا کی راہ میں ایک ایسا گھر بھی آتا ہے
وہ مجھ کو ٹوٹ کے چاہے گا چھوڑ جائے گا
مجھے خبر تھی اسے یہ ہنر بھی آتا ہے

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

رابعہ علی ---- فیصل آباد

س: عین غین بھائی کیا آپ نے چھٹیوں کا کام مکمل کر لیا ہے؟ اگر نہیں تو فیصل آباد آ جائیں میں آپ کی مدد کر دوں گی؟

ج: اپنا کام تو دوسروں سے کرواتی ہو اور میری مدد کرنا چاہتی ہو حیرت ہے۔

س: عین غین بھائی ایمانداری سے بتایئے دن میں کتنی نمازیں باجماعت پڑھتے ہیں؟

ج: تم نے کیا صلوۃ کمیٹی جوائن کر لی ہے۔

س: عین غین بھائی سنا ہے کہ آپ کی منگیتر نے آپ کی تصویر دیکھ کر منگنی کی انگوٹھی واپس کر دی ہے؟

ج: انگوٹھی دیکھ کر واپس کی تھی ٹھیک کروانے کے لئے اور وہ انگوٹھی ٹھیک کروانے کے لئے ایسے غائب ہوئے کہ جیسے تمہارے سر سے سینگ۔

س: کریم لگانے کے ساتھ ساتھ گرلز کالج کے سامنے دھوپ میں کھڑے ہونے سے گریز کریں کیونکہ دوائی کے ساتھ پرہیز ضروری ہے ورنہ......؟

ج: لگتا ہے کہ تجربہ بول رہا ہے۔

شازیہ رفیق ---- اسلام پورہ لاہور

س: حال کیسا ہے جناب کا؟

ج: کیا خیال ہے آپ کا۔

س: آخر بھینس کے آگے ہی بین کیوں بجائی جاتی ہے آپ کے آگے کیوں نہیں؟

ج: اس لئے کہ میں آپ جیسا رسپانس نہیں دے سکتا۔

س: اول فول کب بکا جاتا ہے؟

ج: جب انسان اپنے آپ سے باہر ہو۔

س: گھگھی کیوں بندھ گئی؟

ج: تمہیں دیکھ کر۔

س: کوئی اچھی سی دعا؟

ج: خوش رہو۔

طاہرہ آصف ---- ساہیوال

س: وہ چپکے سے پیچھے کھڑی ہو کر میری آنکھوں پر نرمی سے بڑے پیار سے ہاتھ رکھ کر بولی؟

ج: اٹھو جا کر برتن دھوؤ۔

س: ذرا جلدی سے یہ بتائیں کہ زندگی کا سب سے حسین سانحہ کیا ہے؟

ج: محبت۔

س: ہمیں دیکھتے ہی ان کا رنگ زردے کی طرح پیلا کیوں ہو جاتا ہے؟

ج: سمجھ جاتے ہیں کہ اب دو تین گھنٹے آپ کی سننی پڑے گی۔

س: ان سے مل کر ہم کچھ بدل سے گئے ہیں بھلا کن سے؟

ج: جو آپ سے برتن دھلواتے ہیں۔

س: درد میٹھا ہو تو رک رک کے کسک ہوتی ہے؟

ج: مٹھاس زیادہ ہو جاتی ہے نا اس لئے۔

عافیہ رحیم ---- سکھر

س: وہ کہتے ہیں، ”موقع محل دیکھ کر بات کیا کرو“ آخر وہ محل کہاں ہے جہاں موقع دیکھ کر بات کی جاتی ہے؟

ج: ان سے کہو نا کہ تمہیں ایک بار دکھلائیں، میرے ساتھ جاؤ گی تو ناراض ہو جائیں گے۔
س: کل لوگ تمہارے سامنے لال رنگ کا رومال کیوں لہرا رہے تھے؟
ج: تمہیں جو گزارنا تھا اس لئے سڑک پہ ٹریفک روک رہے تھے۔
س: مبارک ہو تم کو یہ شادی تمہاری سدا خوش رہوں یہ دعا ہے ہماری؟
ج: کون سی شادی۔

واجدہ امیر — حیدر آباد

س: کیا دنیا واقعی گول ہے؟
ج: کون کہتا ہے نہیں ہے۔
س: کچھ تو سوچو؟
ج: سوچ ہی تو رہا ہے۔
س: اپنی ہی کیوں ہانکتے ہو؟
ج: اور کیا نہیں ہانکوں۔
س: لوگوں نے محبت کے نام کو بدنام کیوں کر رکھا ہے؟
ج: لوگوں نے محبت کے نام کو نہیں محبت کو بدنام کر رکھا ہے۔
س: آج کل لوگوں کی مسکراہٹ میں بھی طنز ہوتا ہے؟
ج: اسی کو طنزیہ مسکراہٹ کہتے ہیں۔
س: اس مطلب کی دنیا میں کوئی کسی کا نہیں؟
ج: مطلب کی دنیا سے باہر بھی جھانک کر دیکھو۔

سعدیہ سردار — ملتان

س: بوجھو تو میں کون ہوں؟
ج: نام سے صاف ظاہر ہے۔
س: دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہے؟
ج: لیکن آنکھیں ظاہر کر دیتی ہیں۔
س: بتاؤ تو وہ کون ہے؟
ج: کس کے بارے میں پوچھ رہی ہو۔
س: یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے؟
ج: کوئی سگریٹ سے دل بہلا رہا ہے گا۔
س: چلیے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے؟
ج: کون سے گلشن میں آؤں۔
س: آخری بار دیکھ لو مجھ کو؟
ج: ارادے نیک معلوم نہیں ہوتے۔

فاطمہ محمود — لیہ

س: تمہیں میری حالت کی خبر نہیں کیا؟
ج: میں ڈاکٹر تو ہوں نہیں۔
س: یہ دامن چھڑا کر جانا تھا تو؟
ج: تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔
س: یہ محبت کا دستور نہیں ہے؟
ج: میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھتی ہو۔
س: یہ برسات کا موسم یہ رم جھم کا سماں یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا؟
ج: یہ برسات کا موسم یہ چبھتی ہوئی دھوپ اور بند ہوا۔
س: یہ دل بہتا ہی نہیں کسی پل؟
ج: ایسے گندے موسم میں دل کیا بہلے گا۔
س: میں نے اسے پانے سے پہلے ہی کھو دیا؟
ج: اسی میں تمہاری بہتری ہے۔

☆☆☆

فوج اور عورت

ایک فرانسیسی جرنیل کی ملاقات پیرس کی ایک مشہور اداکارہ سے ہوئی جرنیل نے بڑے طنزیہ لہجے میں کہا:

''کیا آپ کو خبر ہے کہ جتنا فرانسیسی فوج کا خرچہ ہے اس سے دگنا فرانس کی عورتوں کا ہے۔''

اداکارہ بولی ''تو ایسی تعجب کی بات نہیں، جتنے فرانسیسی فوج کے کارنامے ہیں اس سے دگنے فرانس کی عورتوں کے کارنامے ہیں۔''

سدرہ خانم، ملتان

کنگال کے دوست

''جب سے وہ کنگال ہوا ہے اس کے آدھے دوست اسے منہ نہیں لگاتے۔''

''باقی آدھے؟''

''انہیں ابھی خبر نہیں کہ وہ دیوالیہ ہو چکا ہے۔''

آسیہ فرید، خانیوال

مضبوط نیفہ

پندرہ برس کی ملازمت کے بعد سردار جی کے ملازم نے پہلی بار احتجاجاً کہا:

''سردار جی آپ نے نوکری دیتے وقت روٹی، کپڑے کا وعدہ کیا تھا۔ روٹی تو خیر جیسی کیسی ملتی رہی ہے، اب کبھی پہننے کو کپڑا بھی دیجیے۔''

سردار جی بولے ''اچھا یہ بات ہے تو سب سے پچھلی کوٹھڑی کا دروازہ کھولو اور اپنے پہننے کا کپڑا لے آؤ۔''

ملازم، خوشی خوشی ہو گیا، کوٹھڑی کھولی تو جالوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ غور سے دیکھا تو کونے میں ایک چیتھڑا پڑا نظر آیا۔ اُٹھایا تو دیکھا کہ سردار جی کا پرانا نیکر ہے اور آگے پیچھے دونوں طرف سے پھٹا ہوا ہے۔ چڑ کے سردار جی کو دکھانے ہاتھ میں اُٹھائے باہر لایا اور جل کر بولا:

''اس کپڑے کو آپ کہہ رہے تھے؟''

''ہاں یہی ہے۔ نیفہ تو مضبوط ہے آگا پیچھا نیا لگوا لینا۔''

مریم انصاری، سکھر

غلطی

ایک سکھ کو مقدمہ کی تاریخ پر جالندھر سے امرتسر پہنچنا تھا، گاڑی چلنے سے کچھ دیر پہلے وہ بھاگا بھاگ گارڈ کے پاس گیا، گارڈ بھی سکھ ہی تھا۔

''سردار جی'' وہ منت سے بولا۔

''میرے مقدمے کی بڑی ضروری تاریخ ہے۔ مجھے یہ بری عادت ہے کہ سو جاؤں تو کچھ ہوش نہیں رہتا۔ یہ نہ ہو کہ امرتسر کی بجائے لاہور پہنچ جاؤں۔ ذرا امرتسر پر مجھے یاد سے جگا دیجیے گا۔''

یہ کہہ کر وہ واپس گیا مگر تھوڑی دیر بعد پھر بھاگا ہوا پہنچا اور کہا:

''سردار جی! ایک بات بھول گیا ہوں۔ نیند میں میرے حواس ٹھکانے نہیں ہوتے۔ کوئی جگائے تو میں خوامخواہ گالیاں دینے لگتا ہوں۔ آپ کچھ پروا نہ کیجیے گا۔ مجھے پکڑ دھکڑ کے اسٹیشن پر اُتار دیجیے گا۔ واہ گورو کا واسطہ میری بات مت بھولنا۔''

آنکھ کھلی تو دیکھا کہ لاہور اسٹیشن آ گیا ہے۔ نتھنوں سے شعلے برساتا نیچے اُترا، گارڈ کے ڈبے میں جا کر گارڈ کو اُتارا اور اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کردی۔

''تجھے کہا نہیں تھا کہ مجھے امرتسر اُتار دینا۔''

گالیوں کے جواب میں سکھ گارڈ چپ چاپ سر جھکائے کھڑا تھا۔ ایک مسافر کو یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی۔ اس نے گارڈ کے قریب جا کر کہا۔

''کیوں جی؟ یہ اتنی گالیاں بک رہا ہے، آخر بات کیا ہوئی؟''

گارڈ بولا ''اجی اس نے کیا گالیاں دینی ہیں، گالیاں تو اس نے دی تھیں جسے میں نے امرتسر اسٹیشن پر اُتار دیا تھا۔''

عزہ فیصل، قصور

شوہر کی بیماری

''ڈاکٹر!'' ایک مشہور نفسیات کی نرس نے اس سے کہا ''برآمدے میں ایک خاتون کھڑی ہیں جو آپ سے فوراً ملنا چاہتی ہیں۔''

''کیا اس نے وقت مقرر کر رکھا ہے؟''

''نہیں وقت تو مقرر نہیں کیا، لیکن اگر اس نے اس شتر مرغ سے چھٹکارا نہ پایا تو جنہوں نے وقت مقرر کر رکھا ہے وہ سب کے سب فرنٹ ہو جائیں گے۔''

''شتر مرغ؟''

''ہاں وہ خاتون اپنے ساتھ ایک شتر مرغ بھی لائی ہے، جس نے آفت مچا رکھی ہے۔''

''اچھا اسے فوراً اندر لے آؤ۔''

دروازہ کھول کر کپڑوں سے لدی پھندی ایک عورت داخل ہوئی ساتھ ساتھ شتر مرغ بھی چلتا ہوا آ کھڑا ہوا۔

''بیٹھیے'' ڈاکٹر نے عورت سے کہا۔

''ہاں اب بتایئے آپ کو کیا بیماری ہے؟''

''ڈاکٹر صاحب! مجھے تو کوئی بیماری نہیں، بیماری میرے خاوند کو ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ شتر مرغ ہے۔''

نور انور، فیصل آباد

ذوق تماشا

چرچل کے ایک مداح نے ایک بار بڑی عقیدت سے پوچھا:

''آپ یہ دیکھ کر خوش تو بہت ہوتے ہوں گے کہ جب بھی آپ تقریر کرنے کھڑے ہوتے ہیں تو ہال کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔''

''ہاں مسرت تو ہوتی ہے مگر ہمیشہ ہی خیال آ جاتا ہے کہ اگر تقریر کی بجائے مجھے پھانسی پہ لٹکایا جا رہا ہوتا تو خلقت تین گنا زیادہ ہوتی۔''

فاریہ سلیم، شرقپور

دونوں کے صنم خاکی

ایک کرایہ دار کرایہ ادا نہ کرتا تھا۔ مالک مکان نے بہت زور مارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ مالک مکان نے عاجز آ کر ایک ترکیب سوچی، بند لفافے میں اپنی چھوٹی بچی کی ایک تصویر بھیجی جس پر لکھا تھا:

''رقم کیوں چاہیے اس کی وجہ؟''

تیسرے دن کرایہ دار کا ایک خط ملا جس میں ایک کافر ادا حسینہ کی تصویر تھی، نیچے لکھا تھا:

''رقم کیوں نہیں ملتی اس کی وجہ؟''

عمیرہ ریحان، ٹوبہ ٹیک سنگھ

آمنہ عبداللہ

عالیہ بٹ: کی ڈائری سے ایک غزل

لرزاں ہے تخت و تاج کیوں کچھ تو پتہ چلے
شورش زدہ سماج کیوں کچھ تو پتا چلے
پہلے ہی کمر خم تھی سو اب ٹوٹنے کو ہے
بھاری ہوا خراج کیوں کچھ تو پتا چلے
زرخیز ہے سر سبز ہے شاداب ہے وطن
مہنگا ہوا اناج کیوں کچھ تو پتا چلے
جن بام و در پہ کھیلتی تھیں مسکراہٹیں
اب وحشتوں کا راج کیوں کچھ تو پتا چلے
جھرنے وہی چشمے وہی بادل وہی باراں
دریا ہیں خشک آج کیوں کچھ تو پتا چلے
حزب اختلاف میں ہوتے ہیں مسیحا
حکومت میں سب یمراج کیوں کچھ تو پتا چلے
بھیک ہے خیرات ہے امداد ہے یا قرض
در پیش احتیاج کیوں کچھ تو پتا چلے
مفلس کی بے کسی کا کسی تھانے میں تابش
ہوتا نہیں اندراج کیوں کچھ تو پتا چلے

فریحہ گیلانی: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

وہ مجھ سے کام لے گا خامشی سے وار کر دے گا
تھما کر ہاتھ میں بیساکھیاں بے کار کر دے گا
مجھے تعمیر کرتا جا رہا ہے جذب و مستی میں
میں جب تعمیر ہو جاؤں گا پھر مسمار کر دے گا
میں خالی صحن کی صورت ہی رہ جاؤں گا قبضے میں
وہ میرے گرد بالآخر درو دیوار کر دے گا
ابھی تو لڑ رہا ہے جیت کی خاطر مگر اک دن
مجھے وہ پیش اپنے زعم کی دستار کر دے گا

صوبیہ توحید: کی ڈائری سے غزل

عجب پر لطف منظر دیکھتا رہتا ہوں بارش میں
بدن جلتا ہے اور میں بھیگتا رہتا ہوں بارش میں
صدائیں ڈوب جاتی ہیں ہوا کے شور میں اور میں
گلی کوچوں میں تنہا چیختا رہتا ہوں بارش میں
نئے موسم کی خوشبو سے چرا کر آنکھ پل دو پل
گئے موسم کی باتیں سوچتا رہتا ہوں بارش میں

درثمن: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

ہمیں اب تک تیری کچھ نہ کہنے والی آنکھوں سے
یہ شکوہ ہے
جو کمسن خواب ان آنکھوں میں منظر کاڑھتے تھے
وہ جو سب تیرے لبوں کے پھول بنتے اور
ہمارے
دامن اظہار میں کھلتے
ہمیں ان مسکراتے چپ لبوں سے بھی شکایت
ہے
ہمارے شعر سن کر کھلکھلاتے تھے مگر کچھ بھی نہ کہتے
تھے
نہ جانے ایسے لمحوں میں تری سوچوں پہ کیا کیا
رنگ آتے تھے
تجھے ہم سے چھپانے کے بھی تو سب ہی ڈھنگ
آتے تھے
ہمیں تیری محبت سے بھی شکوہ ہے
سمندر جیسی گہری تھی
مگر آنکھوں کی چھاگلی سے چھلکتی تھی
جو ہم جیسے فقیروں کے دلوں پر
اس طرح برسی کہ ہریالی نے گھر اور دشت کی
پہچان سے

بے گانہ کر کے رکھ دیا ہم کو
یہ دنیا صرف تیرے حسن کی تجسیم لگتی تھی
سو ہم بھی اور ہمارے خواب بھی آنکھیں بھی چہرہ بھی
سب ہی کچھ تیری خاطر تھا
مگر تیری محبت نے
ہمیں اس چپ چھپے کھیل میں جو دکھ دیے
اب تک انہیں تیرتی سراب آنکھوں سے
آئینہ مثال اک گفتگو کی آرزو ہے روبرو جاناں
ہمیں اب تک تیری کچھ بھی نہ کہنے والی آنکھوں سے یہ شکوہ ہے

سارا حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم
راستے بدلنے سے
دل کہاں بدلتے ہیں
شہر کی فصیلوں کی
جس قدر بلندی ہو
بوئے گل نہیں رکتی
آنکھ موند لینے سے
جو نمی ہو آنکھوں میں
وہ کبھی نہیں چھپتی
ہاتھ کے کواڑوں سے
چاندنی نہیں ٹلتی
بے رحم ہواؤں سے
پیار کے چراغوں کی
روشنی نہیں بجھتی
ناروا تغافل کی
دل شکن اداؤں سے
جذبہ ہائے الفت کو
ماند کر نہیں سکتی
مجھ سے دور جانے کی
راہ ڈھونڈتی ہو کیوں
اپنی سمت آنے سے
مجھ کو روکتی ہو کیوں؟

ساجدہ احمد: کی ڈائری سے ایک غزل
اس کے قرب میں رہ کر ہری بھری ہوئی ہے
سہارے پیڑ کے یہ بیل جو کھڑی ہوئی ہے
ابھی سے چھوٹی ہوئی جا رہی ہیں دیواریں
ابھی تو بٹی ذرا سی مری بڑی ہوئی ہے
بنا کے گھونسلہ چڑیا شجر کی ٹہنی پر
نجانے کس لئے اب آندھی سے ڈری ہوئی ہے
میں ہاتھ باندھے ہوئے لوٹ آئی ہوں گھر میں
کہ میرے پرس میں اک آرزو مری ہوئی ہے
ابھی تو پہلے سفر کی تھکن ہے پاؤں میں
کہ پھر سے جوتی پہ جوتی مری پڑی ہوئی ہے
اسے بچھڑنے کا مجھ سے کوئی ملال نہیں
ساجدہ اشک سے پھر آنکھ کیوں بھری ہوئی ہے

صفہ خورشید: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
"زندگی سے ڈرتے ہو"
زندگی سے ڈرتے ہو
زندگی تو تم بھی ہو، زندگی تو ہم بھی ہیں
آدمی سے ڈرتے ہو
آدمی تو تم بھی ہو، آدمی تو ہم بھی ہیں
آدمی زبان بھی ہے، آدمی بیان بھی ہے
اس سے تم نہیں ڈرتے
حرف اور معنی کے رشتہ ہائے آہن سے آدمی ہے وابستہ
آدمی کے دامن سے زندگی ہے وابستہ
اس سے تم نہیں ڈرتے
جو ابھی نہیں آئی، اس گھڑی سے ڈرتے ہو
اس گھڑی کی آمد کی آگہی سے ڈرتے ہو
پہلے بھی تو گزرے ہیں
دور نارسائی کے، بے ریا خدائی کے
پھر بھی یہ سمجھتے ہو، ہیچ آرزو مندی

☆☆☆

چکن جیلفریزی

اشیاء

چکن (بغیر ہڈی)	آدھا کلو
گرم مصالحہ	چوتھائی کھانے کا چمچ
ادرک پسا ہوا	آدھا کھانے کا چمچ
لہسن پسا ہوا	آدھا کھانے کا چمچ
کالی مرچ پسی ہوئی	آدھا کھانے کا چمچ
سویا ساس	دو کھانے کے چمچ
پیاز کٹی ہوئی	تین عدد
ٹماٹر کٹے ہوئے	تین عدد
ہری مرچ	تین عدد
شملہ مرچ ٹکڑوں میں کٹی ہوئی	ایک عدد
شنگریلا سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچ
چلی سوس	ایک چائے کا چمچ

ترکیب

تیل گرم کرلیں اور مرغی کو اس میں فرائی کر لیں، براؤن ہو جانے پر مرغی کو نکال کر زائد تیل کاغذ میں جذب کرلیں، پھر کسی برتن میں ڈال کر ہلکی آنچ پر چولہے پر رکھ دیں پھر اس میں ادرک، لہسن، پیاز، ٹماٹر، شملہ مرچ ڈال کر تھوڑی دیر پکائیں اس میں نمک، کالی مرچ اور ہلدی پاؤڈر بھی ملا دیں اس کے بعد ٹماٹر پیسٹ، سرکہ اور سویا سوس اور چلی سوس شامل کر کے دس منٹ تک مزید پکائیں، چولہا بند کرنے کے بعد اوپر سے پسا ہوا گرم مصالحہ چھڑک دیں۔

لیجئے مزیدار چکن جیلفریزی تیار ہے، کھانے کی لذت بڑھانے کے لئے چلی سوس کا استعمال ضرور کریں۔

چکن اور پراؤن اسپیگیٹھی

اشیاء

چکن بغیر ہڈی کے	آدھا کلو
چکن یخنی	تین کپ
پیاز	دو عدد کٹی ہوئی
ٹماٹر پیسٹ	ایک کپ
پنیر	Grated
سفید سرکہ	آدھا چمچ
سویا سوس	ایک چمچ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
ادرک پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچ
نوڈلز	ایک پاؤ کا پیکٹ
مکھن	پاؤ کپ
میدہ	آدھا پاؤ
گاجر کٹی ہوئی ابلی ہوئی	ایک عدد
مٹر ابلے ہوئے	آدھا کپ
شملہ مرچ کٹی ہوئی	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
چائنیز سالٹ	ایک چائے کا چمچ

ترکیب

تیل کو گرم کرلیں اور حسب ذائقہ پسی ہوئی ادرک ڈال کر بھون لیں تاکہ وہ براؤن ہو جائے، اس میں مرغی ڈال کر براؤن ہونے تک فرائی کریں، آنچ ہلکی رکھیں تاکہ مرغی گل جائے۔

اس کے بعد ساری سبزیاں، کالی مرچ، چائنیز سالٹ، مکھن، یخنی اور ٹماٹر پیسٹ مرغی

میں شامل کر دیں اور اس کو مسلسل چمچے سے ہلاتی رہیں اور اس وقت تک پکائیں جب تک پانی خشک نہ ہو جائے۔

نوڈلز کو علیحدہ سے پانی میں ابال لیں اور ٹھنڈا ہونے پر مرغی اور سبزیوں کے ساتھ مکس کر لیں اور تھوڑی دیر میں کسی برتن میں نکال لیں۔

برتن میں نکالنے کے بعد اس کے اوپر Grated پنیر ڈالیں اور پانچ سے سات منٹ کے لئے اوون میں رکھ دیں۔

لیجئے مزیدار چکن اسپیگیٹھی تیار ہے مزید ذائقہ حاصل کرنے کے لئے سویا ساس کے ساتھ پیش کریں۔

چکن/شاشلک

اشیاء

چکن	آدھا کلو
نمک، مرچ	حسب ذائقہ
کالی مرچ، لال مرچیں	حسب ذائقہ
سفید سرکہ	ایک کھانے کا چمچ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچ
تیل	دو کھانے کے چمچ
ٹماٹر	آدھا کلو
پیاز	آدھا کلو
شملہ مرچ	آدھا کلو
چائنیز سالٹ	ایک کھانے کا چمچ
ادرک پیسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب

چکن کو ایک کھانے کا چمچ لہسن اور ادرک کا پیسٹ ڈال کر ابال لیں، پیاز، شملہ مرچ اور ٹماٹر کو ایک سائز کے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں، تیل گرم کر کے مرغی کا ہلکا فرائی کریں پھر اس میں نمک، کالی مرچ، چائنیز سالٹ، لال مرچیں، شنگریلا سرکہ اور شنگریلا سویا ساس ڈال دیں اور ہلکا براؤن کر لیں پھر اس میں کٹی ہوئی سبزیاں بھی شامل کر لیں اور تھوڑی دیر تک پکائیں

لیجئے مزیدار چکن شاشلک تیار ہے، گرما گرم پیش کریں۔

چکن فرائیڈ رائس

اشیاء

چاول	آدھا کلو
مرغی بغیر ہڈی کے ابلی ہوئی	سو گرام
انڈے	دو عدد
سویا ساس	پانچ کھانے کے چمچ
سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچ
گاجر کٹی ہوئی	دو عدد چھوٹی
چائنیز سالٹ	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچ
ہری پیاز	دو عدد کٹی ہوئی
بند گوبھی	آدھی کٹی ہوئی

ترکیب

چاول ابال کر الگ کر لیں خیال رہے کہ چاول آدھے کچے اور آدھے ابلے ہوئے ہوں، تیل گرم کریں اور انڈے تل کر اس کے چھوٹے ٹکڑے کر لیں، چکن کے ٹکڑے، ہری پیاز، بند گوبھی، گاجر، کالی مرچ، نمک، چائنیز سالٹ، سویا سوس، سرکہ یخنی میں ملائیں اور پانچ سے سات منٹ تک پکائیں، چاول شامل کر کے دم آنے تک چھوڑ دیں، چکن فرائیڈ رائس تیار ہیں، سلاد اور چلی سوس کے ساتھ نوش فرمائیں ذائقے کو بڑھائے گا

چکن کارن سوپ

اشیاء

مرغی ابلی ہوئی	ایک پاؤ

یخنی — تقریباً بیس کپ
کارن فلور — ایک کپ
نمک — حسب ذائقہ
سویٹ کارن — ایک کپ
انڈے — دو عدد

ترکیب

سویٹ کارن کو اچھی طرح گرائینڈ کر لیں، یخنی کو چولہے پر درمیانی آنچ پر رکھیں پھر اس میں سویٹ کارن ڈال دیں اور چکن کے ریشے بھی ڈال دیں، ریشے تقریباً چار سے پانچ منٹ تک پکائیں، اس کے بعد اس میں کارن فلاور (پانی میں گھول کر) ڈال دیں اور چمچہ چلاتے ہوئے گاڑھا ہونے دیں، اس کے بعد انڈے پھینٹ کر ڈال دیں، انڈے ڈالتے وقت کانٹا استعمال کریں تاکہ اس کی ایک تاری بنتی جائے، پانچ منٹ پکانے کے بعد چولہے پر سے اتار لیں۔

مزیدار چکن کارن سوپ تیار ہے، سویا سوس، چلی سوس اور سرکہ کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

نوٹ: ہری مرچوں کو باریک باریک کاٹ کر سفید سرکے میں ملا لیں اور پھر دیکھیں کہ آپ ذائقے کی انتہا کو پہنچ جائیں گے۔

چکن چائنیز رول

اشیاء

میدہ — دو کپ
انڈے — دو عدد
مرغی بغیر ہڈی — ایک پاؤ چھوٹے
سفید سرکہ — آدھی پیالی
سویا ساس — آدھی پیالی
نمک — حسب ذائقہ
دودھ — ایک کپ
گاجر ابلی ہوئی — دو عدد
ہری پیاز ابلی ہوئی — دو عدد
مٹر — آدھی پیالی
شملہ مرچ ابلی ہوئی — ایک عدد
چائنیز سالٹ — دو چائے کے چمچ

ترکیب

میدہ، دودھ اور انڈے ملا کر پیسٹ بنا لیں اور چپاتی کی صورت میں ہلکا سا بیل لیں۔

شنگریلا سرکہ اور شنگریلا سویا ساس میں مرغی، نمک، چائنیز سالٹ اور تمام سبزیاں ڈال لیں اور مکس کر لیں، چپاتی پر یہ تیار شدہ آمیزہ ڈالیں اور اس کو رول کر لیں، میدہ کا پیسٹ لگا کر رول کے کناروں کو بند کر دیں اس کے بعد ہلکی آنچ پر ڈیپ فرائی اس وقت تک کریں جب تک رول گولڈن براؤن نہ ہو جائیں، چلی سوس کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

نوٹ: بازار سے بنے بنائے رول کے پرت بھی استعمال کر سکتے ہیں، سبزیاں باریک کٹی ہوئی استعمال کریں۔

ٹماٹر کی چٹنی سادہ

اشیاء

ٹماٹر — آدھا پاؤ
لہسن — دو جوئے
نمک — حسب ذائقہ
مرچ — حسب ذائقہ
سرخ مرچ — تین عدد

ترکیب

ٹماٹر دھو کر صاف کریں اور سل پر لہسن اور نمک مرچ، سبز مرچ باریک پیس لیں، اب ٹماٹر کے ٹکڑے کر کے اس میں ملا دیں اور تھوڑا سا پیس لیں، بہت مزیدار چٹنی ہوگی اور دو منٹ میں دال وغیرہ کے ساتھ پیش کرنے کو تیار ہو جائے گی۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں۔ آپ سب کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

وقت کی رفتار تیز ہوئی ہے تو تبدیلی کا عمل بھی تیز ہو گیا ہے۔ بہت کچھ بدل گیا ہے سوچ، فکر، عمل، رشتے، اقدار ہر چیز تیزی سے بدل رہی ہے۔ تغیر ہی راز حیات ہے، صنعتی زندگی، عالمی دہشت گردی، خوف، انتشار اور پریشانی نے سوچ وفکر پر منفی اثرات مرتب کیے ہیں تیز تر تبدیلی کے اس عمل میں انسان پیچھے رہ گیا ہے۔ اس کی پہچان گم ہو گئی ہے۔ اس کی فطرت میں جو عنصر شامل کیے گئے ہیں۔ اس سے انحراف نے اسے سکون قلب سے محروم کر دیا ہے۔

انسان نے ازل سے ہی اس کائنات کو سنوارنے کے، آنے والے زمانے کو بہتر بنانے کے، تیرگی کو روشنی میں بدلنے کے اس محدود زندگی کو لامحدود بنانے کے خواب دیکھے ہیں اور ان کی تعبیر پانے کی کوشش نے ہی زندگی کی توقع کی بلندیوں سے ہمکنار کیا ہے۔ عہد حاضر کی برق رفتار زندگی اور ہر لمحہ تیزی سے بدلتی دنیا میں وہ خواب دُھندلا گئے ہیں اس ہماہمی میں انسان اپنی فطرت سے اصل سے بچھڑ کر زندگی کی سچائیوں کی پہچان کھو بیٹھا ہے۔

جو کچھ ہمیں دکھایا جاتا ہے ظاہر ہوتا ہے یا ہمیں نظر آتا ہے وہ پورا سچ نہیں ہوتا۔ حقیقت اس سے کہیں پیچھے چھپی ہوتی ہے۔ حقیقت کو جاننے، سمجھنے اور پرکھنے کے لیے اس کی نظر کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر تعصب سے پاک ہو، تہذیبی لسانی اختلافات، مذہب، مسلک ہر تفریق سے بالاتر ہو اور غلط اور سہی کی پہچان رکھتا ہو، ایک اچھا انسان بہت قیمتی ہوتا ہے۔ خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا وہ جہاں بھی رہے اس کے وجود کی خوشبو اردگرد کی فضا کو معطر رکھتی ہے۔ اپنا بہت سا خیال رکھیے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں۔ آپ کا خیال رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آیئے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں حسب عادت درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہوئے۔

یہ پہلا خط ہمیں ساہیوال سے ثوبیہ حمید کا ملا ہے۔ وہ لکھتی ہیں جنوری کا شمارہ بطور سالگرہ نمبر ملا۔ سرورق بے حد پسند آیا، لیکن ایک شکوہ ہے، پورا شمارہ چھان مارا لیکن سالگرہ کے حوالے سے سروے نظر نہیں آیا۔ جب کہ دسمبر کے شمارے میں سروے کے سوالات شائع ہوئے تھے، پیارے نبی کی پیاری باتوں اور حمد ونعت سے مستفید ہوئے اور انشاء نامہ میں جا گھسے۔ سردیوں کے حوالے سے انشاء جی کی نظم بے حد پسند آئی۔ اس ماہ فہرست میں شفق افتخار کا نام نظر آیا تو فوراً ان کی تحریر کی طرف لپکے۔ واہ بہت خوب بے حد زبردست تحریر، ابتدا میں شفق آپی نے سرد ماحول کی جو منظر کشی کی سچ میں ہم نے پڑھتے وقت اس ٹھنڈ کو اپنے اندر اُترے محسوس کیا۔ ہیرو کا نام ارش بے حد یونیک سا نام ہے

کہانی کا مزہ اس وقت کرکرا ہو گیا جب اینڈ پر باقی آئندہ لکھا دیکھا لیکن ہم مصنفین کی مجبوریاں بھی جانتے ہیں کہ کچھ کہانیوں کا پھیلاؤ اتنا ہوتا ہے کہ ان کو دو تین اقساط تک لے کر جانا پڑتا ہے۔ اس کے بعد واپس پلٹے اور اُمّ مریم کے ناول کے صفحات پلٹے۔ ارے مریم جی بہت شکریہ آپ نے بالآخر ناول کے صفحات بڑھا ہی دیے۔ اس ماہ کی ساری قسط تقریباً عمامہ، سلمان بٹ اور یشفع کے گرد ہی گھومتی رہی، نہ جانے پڑھتے وقت کیوں شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ سلیمان بٹ عمائمہ سے زیادہ یشفع سے محبت کرنے لگے گا۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔ قرۃ العین رائے کا نام نظر آیا تو باقی سب کو چھوڑ کر ان کی تحریر کی طرف لپکے، لیکن ناولٹ کے نام نے کنفیوژ کیا۔ سچ پوچھیں تو بالکل سمجھ نہیں آیا۔ پلیز قرۃ العین تحریر کے ٹائٹل کی وضاحت ضرور کیجیے گا۔ اب بات کی جائے سٹوری کی تو ہمیشہ کی طرح لاجواب کہانی کے تمام کردار چونکانے والے، دادا کا کردار میں محبتوں کا مینارہ نظر آیا۔ وہ نہ صرف فرجاد کے لیے بلکہ خولہ کے لیے بھی سائبان ہے۔ خولہ کا اعتماد دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے ورنہ جن حالات میں وہ فرجاد کی زندگی میں آئی کوئی اور ہوتی تو شاید مہینوں سر ہی نہ اُٹھا پاتی لیکن ادھر خولہ تھی اس نے نہ صرف ان حالات کا سامنا کیا بلکہ دھڑلے سے فرجاد کی زندگی میں ہی نہیں اس کے روم میں سر اُٹھا کر آئی۔ گڈ قرۃ العین آپ کی ہیروئن کو اتنا ہی دلیر ہونا چاہیے۔ اگلے حصے کا شدت سے انتظار ہے۔ یارمن، بشریٰ سیال کا ناولٹ شروع سے ہی بے حد پسند آیا تھا لیکن اب عائشہ کی ہٹ دھرمی نے بیزار کر دیا، عائشہ خود کو کچھ زیادہ دین دار یا صراط مستقیم کی پابند سمجھتی ہے۔ کیا اس کی دینی تعلیم نے یہ نہیں بتایا شوہر کا درجہ کیا ہے اور وہ کیا اتنا ہی سادہ تھی کہ جو ایوارڈ والے دن تک جان نہ سکیں کہ محمد امیر کس فیلڈ سے ہے۔ عائشہ کے برعکس محمد امیر کتنا نرم اور کیئرنگ ہے۔ وہ عائشہ کا ہر قدم پر خیال رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایوارڈ پارٹی میں جب اکیلی ہی نکل جاتی ہیں۔ یہاں بھی محمد امیر نے بڑے تحمل پن کا مظاہرہ کیا۔ جبکہ دوسری طرف احساس ہی نہیں تھا اپنی اس غلط حرکات کا۔ سلسبیل کی کہانی بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے اور اب اس میں دلچسپ صورت حال سامنے آ رہی ہے۔ نایاب نے بڑی خوبصورتی سے دینی مسائل کو اُجاگر کیا لیکن ایک بات ہے۔ نایاب جیلانی نے اس تحریر میں بلاوجہ انگلش زبان کو گھسیٹا ہے۔ بی بی ضروری نہیں پڑھنے والا قاری آپ جیسا قابل ہو۔ اس لیے پلیز اس طرف سے ہاتھ ہولا رکھا کریں مکمل ناول تین اور تینوں ہی طویل۔ سمیرا سرفراز کا مکمل ناول ''بارش کی آواز'' کا آخری حصہ بہترین تھا۔ مصنفہ نے بڑی خوبصورتی سے اس تحریر کو مکمل کیا۔ گمان سے یقین تک شفق افتخار کا انداز، بڑا دلنشین سا، شفق کی خوبی یہ ہے کہ وہ کرداروں کو بڑی خوبصورتی سے بساط پر بچھاتی ہیں اور پھر تمام کرداروں کے ساتھ انصاف کرتی ہیں۔ شفق پلیز بتایئے گا آرش کا مطلب کیا ہے۔ مکمل رائے آخری حصہ پڑھ کر دیں۔ مقدس، راحیلہ ناز کی کاوش مجموعی طور پر اچھی ہے لیکن مصنفہ سے ایک گلہ ہے کہ آپ نے بلاوجہ سٹوری کو کھینچا ہے۔ مکالموں کے ذریعے بہت اچھا ہوتا کہ آپ اس کو دو حصوں میں ہی ختم کر دیتیں۔ افسانے دونوں اقرا نامی مصنفاؤں کے تھے اور دونوں ہی پسند آئے۔ مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح پسند آئے لیکن سروے نہ دیکھ کر

مایوسی ہوئی لیکن پھر آپ کی طرف سے وضاحت پڑھ کر فروری میں شائع ہونے کا انتظار ہے۔

ثوبیہ خوش آمدید!! آپ کو اس محفل میں جنوری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ!! قرۃ العین رائے کے ناولٹ کا نام ''عاشقتم'' تھا کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے غلط شائع ہوا۔ اس کے لیے ہم قرۃ العین رائے اور قارئین سے معذرت خواں ہیں۔ آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے۔ سروے فروری کے شمارے میں شامل اشاعت ہے پڑھ کر رائے ضرور دیجیے گا۔ آئندہ بھی اس محفل میں اپنی شرکت کو یقینی بنایئے گا۔ ہم آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے۔ شکریہ!!

رابعہ سہیل کی ای میل کھاریاں سے موصول ہوئی۔ فروری کا شمارہ لیٹ موصول ہوا۔ ٹائٹل دیکھ کر انتظار کی کوفت راحت میں بدل گئی۔ بہت زبردست ٹائٹل تھا۔ اسلامیات سے فیض یاب ہونے کے بعد یارمن میں پہنچے جہاں بشریٰ آپا ایک نیا جہاں بسائے بیٹھی تھی۔ محمد امیر، عائشہ گل کو لے کر ایوارڈ شو میں شرکت کے لیے گیا۔ رنگ و بو کی دنیا میں آ کر بھی وہ عائشہ گل سے محبت کے اظہار میں پیچھے نہ رہا۔ اس نے اس جگہ کھڑے ہو کر عائشہ گل سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ جہاں پریوں جیسا حسن لیے دوشیزائیں اس کی توجہ کی منتظر تھیں، لیکن عائشہ گل کا رویہ قدرے افسوس ناک تھا۔ محمد امیر غلط ہے وہ غلط راستے کا انتخاب کیے ہوئے ہے۔ یہ بات عائشہ گل اسے محبت اور اعتماد میں لے کر زیادہ اچھے سے سمجھا سکتی ہے۔ بجائے اس کے وہ خود کو ہی صرف پاک باز سمجھے تو تو سراسر گھمنڈ کے زمرے میں آتا ہے۔

بارش کی آواز سمیرا سرفراز کی تحریر بے حد دلچسپ رہی اور شروع سے آخر تک اس تحریر نے اپنے سحر میں جکڑے رکھا۔ ''مقدس'' راحیلہ ناز نے اس کی کہانی کو بلاوجہ اتنا لمبا کھینچا ہے۔ گماں سے یقین تک، شفق افتخار کا ناولٹ بے حد اچھے اور متاثر کن انداز میں اس کا آغاز کیا۔ مصنفہ نے لیکن یہ کیا آگے باقی آئندہ کا ٹیگ۔ پلیز ہماری مصنفین سے گزارش ہے کہ مکمل ناول یا ناولٹ کو ایک ہی نشست میں مکمل کیا کریں۔ اُمید صبح و جمال کی پچھلی آٹھ دس اقساط پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُمّ مریم کی اب اس سٹوری کو لکھنے میں دلچسپی نہیں رہی۔ کہانی کے اندر وہ چاشنی نہیں جو ان کی تحریر کا خاصہ ہے۔ اگرچہ یشفع اور سلیمان کے کرداروں میں کچھ ٹوئسٹ لا کر کوشش کی گئی ہے اس ناول کو سنبھالنے کی۔ پلیز اُمّ مریم آپ کی تحریر کا ایک بڑا خوبصورت امیج ہے ہمارے ذہن میں اسے آپ خراب نہ کریں اور اس تحریر کو اپنی پرانی ڈگر میں لکھیں۔ افسانوں میں اقرا الیاس نے اچھی کوشش کی۔ مستقل سلسلے وہی روٹین کے تھے۔ کوئی نیا سلسلہ شروع کریں اب؟

رابعہ سہیل خوش آمدید!! جنوری کے شمارے کے لیے آپ کی پسندیدگی ہمارے لیے بہت اعزاز ہے۔ آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے اور نیا سلسلہ بھی انشاء اللہ جلد شروع کریں گے۔ اس سلسلے میں اپنی رائے ضرور دیجیے گا۔ شکریہ!!

✧✧✧